ستارۂ سحر گروپ کا

شہرہ آفاق ایک رُخی سماجی ڈرامہ

جیو اور جینے دو

انجمن آراء (بانو)

"COMMON WEALTH" PVT. LTD.
ON BEHALF OF
MRS ANJUMAN ARA BEGUM
MR MUSTAFA MOHD ZEESHAN SAIFUDDIN.

SITARA-E-SAHER'S one act play Jeo Aur Jene Dô

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	"جیو اور جینے دو"
صنف	یک رخی ڈراما
زمانہ اشاعت	جولائی ۲۰۰۱ء
تعداد	پانچ سو
کمپیوٹر کتابت	شارپ کمپیوٹرز۔ محبوب بازار۔ چادر گھاٹ حیدر آباد (اے۔پی) فون نمبر 4574117
طباعت	اویس گرافکس۔ نارائین گوڑہ۔ حیدر آباد
قیمت	ڈیڑھ سو روپیے Rs. 150=00

ناشر

صاحبزادی انجمن آراء بیگم والا جاہی

رانی باغ۔ ملک پیٹ قدیم۔ حیدر آباد ۳۶۔ (اے۔پی)

طباعت زیر نگرانی = جناب جلال الدین اکبر

"اردو کمپیوٹر سنٹر" 17-1-181/M/35

داراب جنگ کالونی مادنا پیٹ۔ حیدر آباد ۵۹ (اے۔پی)

ٹیلیفون نمبرات 4530850 / 4534596 موبائیل 98482-61465

COURTESY AND COMPLIMENTS TO :

1. Mr. Nb. Mohd. Muntajibuddin Ali Khan for his total co-operation in bringing this saga upto publication.

2. Mr. Syed Bader Rehmani, who had become a great source of inspiration during revision of the script after a long time.

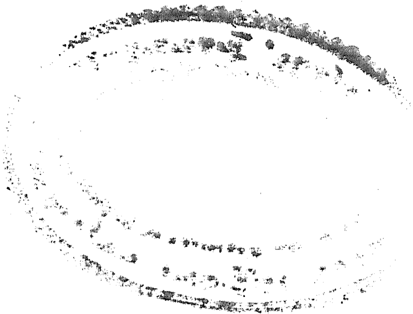
3. Mr. Mustafa Mohd. Zeeshan Saifuddin @ Mustafa Kamal, my son, for his precious suggestions, technical guidance and providing needful facilities.

4. Mr. Jalaluddin Akbar, Proprietor, "THE URDU COMPUTER CENTRE," (Phone No. 4530850/4534596 – Cell 98480-22987/ 98482-61465), for thorough "Revision Correctioins", development and publishing under great care and interest on EXPRESS SPEED within 15 days.

5. Mrs. Uma Jain, the great grand daughter-in-law of our family photographers Late Raja Deen Dayal & Sons, Proprietor; The most esteemed Institute of Photography, "PHOTOCRAFTS", J.N. Road, Hyderabad – 500 001, Phone No. 4743207, for providing rare and most old image of historical Charminar and processing and preparing the title and other photographs within 2 days with ample love and respect.

6. Mrs. Anees Azhar, Mr. Azhar Afsar, Programme Executive, A.I.R., for their goodwill and best cooperation in respect of completion of this legend.

7. Mr. Omer Shareef Arya for his emotional portraits throughout; "WISH YOU ALL GOOD LUCK "!



AUTHORESS

قانونی انتباہ

اس حادثاتی واردات کے کردار۔ واقعات۔ حالات۔ مکالمے وغیرہ اگر کسی زندہ و موجود یا مردہ و غیر موجود کردار سے میل کھاتے ہوں تو محض ایک "اتفاق" ہوگا۔ جس کی کوئی ذمہ داری راوی۔ مصنف۔ مرتب پر نہ ہوگی۔ اس لازوال سنجیدہ تفریحی سبق آموز ڈرامے کے جملہ حقوق بحق مصنفہ و (فرزند) مصطفےٰ محمد ذیشان سیف الدین (مصطفےٰ کمال پاشاہ) مستقلاً و دائماً محفوظ ہیں۔ اور Copy right registered۔ لہذا اس ڈرامے کے کسی بھی ماحول واقعے کردار مکالمے وغیرہ وغیرہ وغیرہ کے کسی بھی صورت میں تبادلہ...... یا ناجائیز استعمال کے خلاف سخت قانونی چارہ جوئی کی جائے گی جس کے خرچہ و خرجہ کی تمام ذاری خاطی پر ہوگی۔ لہذا ہوشیار و خبردار!!

انتباہِ عام

تصنیف ہذا "مکمل ایک رخی (Completely one act) فیملی ڈرامے "جیو اور جینے دو" لفظ بہ لفظ۔ تھیم۔ کہانی۔ کردار کہانی واقعات۔ انداز بیان طرز نگارش کے اعتبار سے مسلمہ طبع زاد (خاندانی) ڈرامہ ہے۔ تصنیفِ ہذا کے کسی بھی ملک و مقام پر کسی بھی زبان میں، کسی بھی ذریعے یا ٹیکنیک سے ترجمے۔ جزوی یا مکمل نقل۔ استفادے، اِشارے۔ استعارے سرورقِ۔ بمعہ آرٹ و اسٹائیل (بہ عنوان توارُد) وغیرہ وغیرہ کو کھلا ادبی سرقہ گردانتے ہوئے خاطی / خاطیوں کے خِلاف صرف اور صرف حیدر آباد (ہندوستان) کی عدالتوں میں سخت قانونی چارہ جوئی کی جائے گی جس کے عواقب و ہرجے و خرچے کی مکمل ذمہ داری مُدعیان علیہ ہی پر ہوگی۔ لہذا انتباہِ عام ہذا بتاریخ ۱۱/ نومبر ۲۰۰۰ء ۔ جملہ حقوق بہ حق مصنفہ و محمد ایم کمال "کُلاً و دائماً محفوظ !!"

قانونی مختارانِ عام

ہندوستان میں : مصطفےٰ محمد ذیشان سیف الدین (مصطفےٰ کمال پاشاہ)

پاکستان میں : پروفیسر جناب محمود خاور صاحب (کراچی)

امریکہ میں : برائے ۔لندن۔ کینیڈا۔ U.K ۔U.A.E

جمیع ممالک : جناب بدر رحمانی سید ۔ ہالی ووڈ Garfield . 6570 # U.S.A . FL. 33024

قیمت مبلغ ایک سو پچاس روپیے سکہ ہند (ہند و پاک میں) بیرونی ممالک میں دس امریکی ڈالرز

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

میرا شہر لوگاں سوں معمور کر

جیوں رکھیائے دریا میں مُن ''یا سمیع''

''ہندو مسلم سکھ عیسائی''

اُس جم غفیر کے نام

جو

بانیٔ شہر حیدر آباد سلطان قلی قطب شاہ کی مقبول و مستجاب ''دُعا''
کا نتیجہ ہے۔

جس کے ردِّ عمل میں

انسانی سروں کے اس ٹھاٹھیں مارتے سمندر کو

شاہِ دکن میر عثمان علی خان نے

اپنی دو آنکھیں قرار دیا !

جیو جیالو ! جیو امر پریم اَمن و شانتی کے ساتھ !

جیو اور جینے دو !!

جئے ہند !!

LOCAL. CORRESPONDENCE IN RESPECT OF RADII DRAMA JEO AUR JEENEDO IN 1960.

India Service Post Card

(This side reserved for address, with signature and official designation of sender.)



Sitara-e-Sahar,
C/o Mr. Moizuddin,
402, C.I.B. Spl. Quarters
New Mallapalle,
Hyderabad.

S. 49.

MFP—984 General—6811—(M-1021)—16-9-54—2,600,000.

FRONT PHASE.

BACK PHASE

GOVERNMENT OF INDIA
AIR, Hyderabad. ~~Office~~/Deptt.

N PU-5/60 the 23-11-1960.

The undersigned is directed to acknowledge receipt of your letter/~~memo~~ No. nil, dated 21/11/60 which is receiving attention.

for Station Director.

1961 LETTER OF AGREEMENT AGAINST JEO AUR JEENEDO

On India Government Service

Smt. Sitara-e-Sahar,
402, C.I.B. Special,
Mallapalli,
Hyderabad.

2113

Office of the Station Director
All India Radio, Hyderabad.

Government of India
All India Radio: Hyderabad

No. B-12/59-60
Date 11-11-59.

To Smt. Sitara-e-Sahar,
402, CIB Special Mallapalli,
Hyderabad:

Dear ~~Sir~~/Madam,

Enclosed herewith is a receipt form regarding the payment of Rs. 25/-/- Only due to you for Play Entitled "Rani Bahu" broadcast from this station on 6-11-59.

2. It may kindly be returned to us duly signed. On receipt of which cheque/~~cash~~ will be sent to you.

3. All payments of Rs. 10/- and above will be made by cheque.

Yours faithfully,

M. Ramachandran

for STATION DIRECTOR.

Encl.

MSR.

THE FOREMOST FIRST LETTER OF AGREEMENT IN RESPECT OF ONE ACT RADII play "RANI BAHU" IN NOV: 1959, AS INDIVIDUAL and INDEPENDENT BODY FOR THE MASS TEAMWORK.

THE TEAM



DEC 8.1937

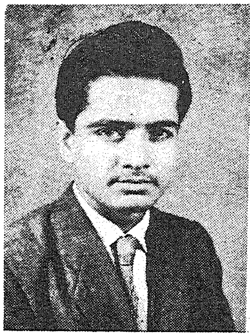
A PHOTO OF 1937 FROM FAMILY ALBUM

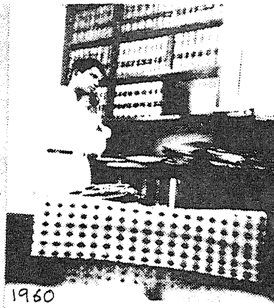
دائیں سے بائیں (اوپر) کنیز دلربا۔ محترمہ قاضیہ سیدہ افضل النساء بیگم عرف ننھی بی صاحبہ نبیسہ، اولیٰ حضرت قاضی سید شاہ افضل بیابانیؒ ۔ اہلیہ سراج الحکماء حکیم حافظ سید محمد تاج الدین صاحب والاجاہی طبیب خاص خاندان شاہی۔

(نیچے) فرزند خورد سید یوسف معزالدین عرف فیضی نواب۔ (درمیان) عربی فارسی اردو عالمہ فاضلہ قاضیہ عاملہ، حزب البحر سیدہ رحمت النساء شیریں بیگم صاحبہ۔ فکر، جس میں دریا کی جولانی و روانی تھی۔ قلم جس میں جادو بھرا تھا۔ پردہ نشین ادیبہ طیبہ جنہوں نے اپنے فن کو اپنی اولاد کے ذریعہ متعارف کروایا اور شہرت عزت و عظمت عطا کی۔

(دیگر) فرزند اکبر۔

نوٹ:۔ لگ بھگ ۶۵ سال پرانی تصویر میں فیضی نواب کو اپنے روایتی کاسٹیوم میں دیکھا جاسکتا ہے۔ جب کہ ۱۹ برس بعد روایتی شادی شدہ حواس باختہ مرد کی حیثیت میں سر پر چھتری بغل میں کپڑوں کا ڈبہ اور امام ضامن کی فاتحہ کے تبرک سے بھرپور توشہ دان سنبھالے۔ سگنل ہاوس پر تصویر کشی کے لیے پوز دینے رکے۔ جن کے مسلسل آمرانہ و جارحانہ رویئے کے خلاف بچوں نے ان کی پکار کو "مردے کی چیخ" اور مخفی نام "حکیم دم غوط" ۔ قرار دے رکھا تھا۔



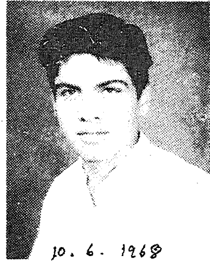


1960



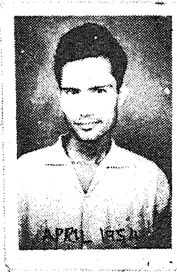
06:02:1956.





10. 6. 1968

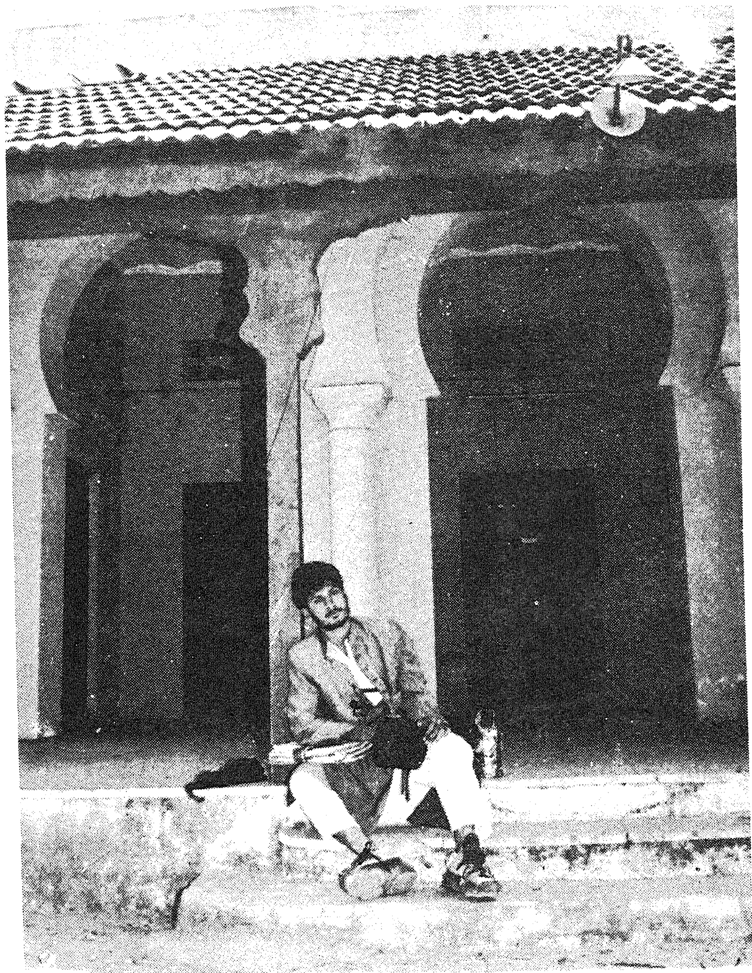






PHOTOES FROM FAMILY ALBUM
THE GROUP (1 TO 6) CHARACTERS (7 - 8)

دائیں سے بائیں ۔(۱) قمرزماں اشرف ۔ تایا جناب ولی محی الدین بانی و مدیر " پیسہ " اخبار مدراس ۔ بانو ارجمند رعنا نسیم ۔ (۲) والدہ کی غیر طبعی، غیر متوقع رحلت کے بعد صدمے سے پاش پاش قمرزماں اشرف ۔ (۳) نیلی آنکھوں، شہابی رنگت والے نہایت ذہین و خوش مزاج، بردبار سید بدر رحمانی ۔ (۴) ۱۱/ جنوری ۱۹۶۱ء اردو ملاپ میں افسانہ "آنچل کی چھاؤں میں" کے ساتھ شائع شدہ سلطانہ مہرین ۔ (۵) ہردل عزیز و ملنسار ایس ۔ اے انجم ۔ (۶) بانو انجمن آراء بیگم جن کی حق میں ۱۹۷۲ء میں تمام بہن بھائی ادبی خدمات سے دستبردار ہوگئے ۔ (۷) جناب چاند پاشا عرف چندا نواب بطور عبداللطیف شرمندہ باشی ۔ (۸) دادا سید شاہ غلام غوث بیابانی نبیرۂ حضرت قاضی سید شاہ افضل بیابانیؒ ۔ سید احمد کے کردار میں ۔

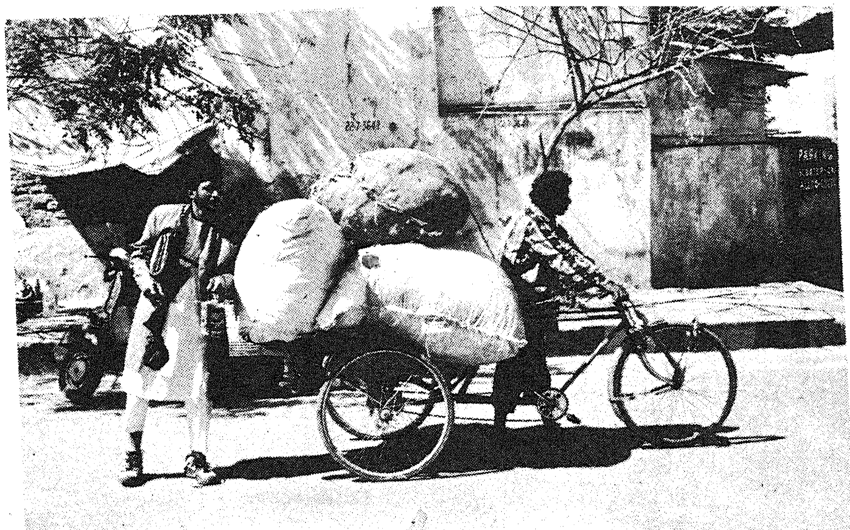


فیضو نواب وداعی کے بعد "آہ بہن آہ!"

کیا ہی رضواں سے لڑائی ہوگی
خلد میں گر ترا گھر یاد آیا



غم جاناں کے مارے فیضو نواب۔ بیمار بیوی اور کام چور بچوں کی
خدمت میں مشغول۔
کچھ تجھ کو خبر ہے ہم کیا کیا اے گردش دوراں بھول گئے

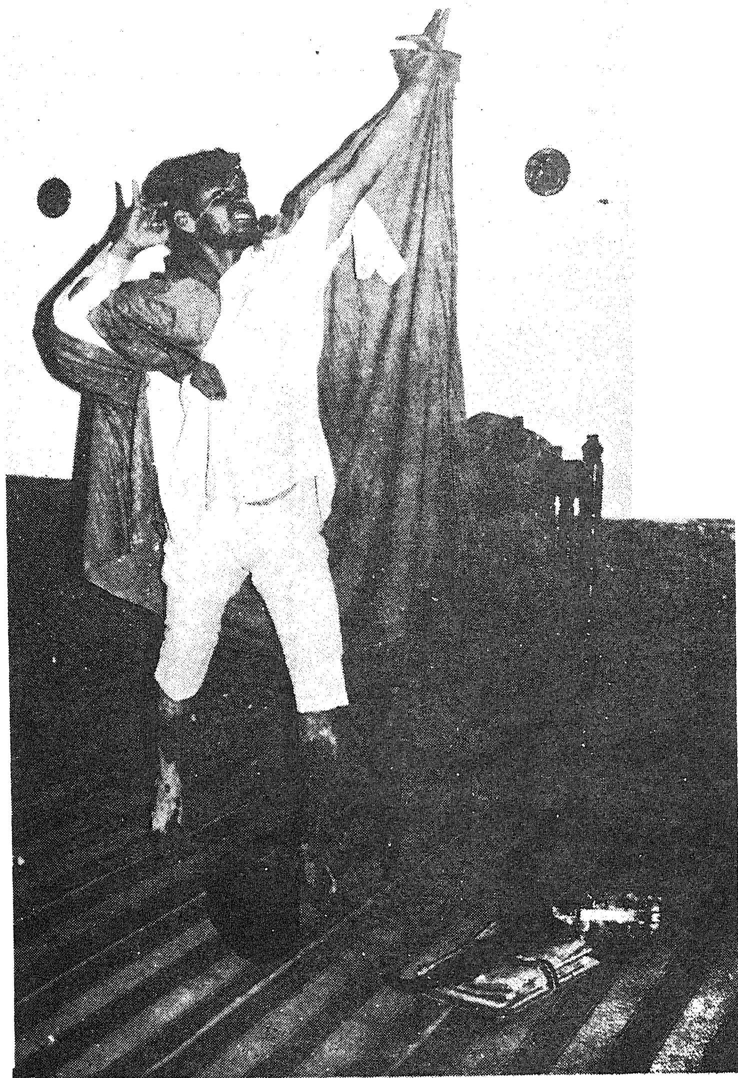


دو مزدور۔ ایک کولھو کے دو بیل۔ "ایک ٹک راحت کا سانس
لے لے بھائی۔ میں ہوں نا"

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سنگ اٹھایا تھا کہ سر یاد آیا



فاقہ مستی کے گرداب میں پھنسے صدرِ خاندان، فیضو نواب
عزتِ نفس کو خوش فہمی کی ٹوٹی بیساکھیوں سے سہارتے ہوئے
کسی رئیس کی محفل کا ذکر کیا ہے میر
خدا کے گھر بھی نہ جائیں گے بن بلائے ہوئے



"غم دوراں کی ستم گری سے پاش پاش فیضو نواب"

ذرا کر زور سینہ پر کہ تیر پر ستم نکلے
جو یہ نکلے تو دل نکلے جو دل نکلے تو دم نکلے



اپنی بے بسی اور لاچاری پر سر دھنتے ہوئے مایوس اور دل شکستہ
فیضو نواب۔

نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے، کبھی سجدے کیے خاک نشیمن پر



فیضو نواب۔ "الہیٰ یہ تیرے سادہ دل بندے کدھر جائیں؟"

اے آسماں تیرے خدا کا نہیں ہے خوف
ڈرتے ہیں اے زمین ترے آدمی سے ہم

مقدمہ

ستارہ سحر گروپ (بشمول انجمن آرا) کا طبع زاد طویل ترین مکمل ایک رُخی ڈرامہ (lenthy and totally one act play) جیو اور جینے دو ایک ہر دو طرفہ خوشحال متمول خاندان کے قطعی نجی لیکن اتفاقی واقعات کی بنیاد پر وجود میں آیا۔ دراصل ''بہوئی اور برادر نسبتی کی ہجو یہ نوک جھونک جس میں ہر دو فریقین کے ترجمان معیاری مدارس میں زیر تعلیم نہایت حسین و جمیل خوبرو اور خوب صورت بچے ہوا کرتے تھے جنھیں ہر دو فریق بطور اداکار اپنی اپنی تیاری کے ساتھ میدان میں اُتارتے تھے اور عزیز و اقارب دوست واحباب کی ادبی محفلوں یا خاندان کے جشن و تقاریب کو برمایا جاتا تھا جسکی ابتداء اتفاقاً ۱۹۵۶ میں ہوئی۔ اور ایک فی البدیہہ لوک ڈرامہ بطور استعمال کیا جاتا رہا۔ 58-1957 میں ضبطِ تحریر میں لاکر نشر کروانے کے مقصد سے (for favour of braod casting) آل انڈیا ریڈیو حیدرآباد کو پیش کیا گیا۔ جہاں سے اس گروپ کے بیشمار ڈرامے 60-1958 کے دوران پیش ہو چکے تھے اور باقاعدہ روز ناموں، ماہناموں جریدوں وغیرہ میں۔ گیت غزل افسانے مضامین سبھی کچھ شائع ہو رہے تھے اور گروپ کے ممبرس کسی نہ کسی صورت میں چھپ رہے اور نشر ہو رہے تھے۔ لیکن ڈرامہ ''جیو اور جینے دو'' اپنی نوعیت اور سرکاری پالیسی کے اعتبار سے ایک غیر مانوس اور نیا انداز لئے ہوئے تھا۔ کافی عرصہ تک زیرِ غور رہنے اور کئی یادداشتوں کے بعد 62-1959 نشر ہوا۔ (یادداشت کا جواب۔ Reply letter in respect of the memorendum معہ کور آف اگریمنٹ Cover of agreement شامل کیا جارہا ہے) اور عوامی مقبولیت کا ریکارڈ قائم کر گیا۔ اس ڈرامے کی غیر معمولی اہمیت اس میں لیڈنگ رول ہولڈر رفیعو نواب کا کاسٹیوم ہے۔ کیونکہ وہی 'ایک اچھی بھلی شخصیت کو کارٹون بناتے ہوئے اس ساری ہجو کی بنیاد بنا ہے۔

اس ڈرامے کی سرفہرست فنی خصوصیت ہے اس کا کافی طویل One act play ہونا ہے۔ 1960 تک بالخصوص اردو ہندی۔ ہندوستانی ادب میں ایک رُخی ڈراموں کا فقدان تھا اور طویل ترین ایک رُخی ڈرامے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ "One act" کیلئے کوئی مخصوص لفظ بھی موجود نہ تھا ''مثلاً یک رخی / ہمہ رخی''۔ جو ستارۂ سحر گروپ ہی نے استعمال کیا۔ مخفی مباد کہ اس گروپ کے نوّے فیصد ڈرامے طویل ہوں کہ مختصر۔ ریڈیائی کہ اسٹیج شو۔۔۔ ایک رُخی ہی رہے ہیں۔ یہاں تک کہ ''رام جی

کے بنواس کے پس منظر سے لیکر بنواس کیلیئے وداعی'' کو تک ''ایک رُخی ڈرامہ میں سمو کر گاندھی بھون میں اسٹیج کیا گیا اس سکول ڈرامے کیلیئے گورنر بھیم سین سچر صاحب نے اسٹیج پر ہی گرمجوش داد دی۔ یوں تو نشری ڈراموں کے لیے ایک رُخی یا ہمہ رُخی ہونے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑتا۔ لیکن چونکہ ڈرامہ ازابتدا اسی مخصوص نہج پر چل پڑا تھا لھذا اسی نہج کو برقرار رکھا گیا۔ آگے چل کر یہ ڈرامہ جس کی داد جناب پی رام کشن راؤ جی' شریمتی معصومہ بیگم اور ڈاکٹر زور صاحب وغیرہ وغیرہ نے دی تھی ''جو فیملی پلاننگ'' آئیڈیالوجی کا محرّک بنا۔ غالبًا 63-1962 میں کسی مقامی اسٹیج شو سوسائٹی کے اشتہاری دعوتِ ڈراما طلبی پر مزید اضافے اور تجدید نو کے ساتھ تیار کردہ اسکرپٹ نہایت ہی ذمہ دار رُکنِ خاندان کے ہاتھوں بھجوایا گیا۔ جسے ارکان اکیڈمی کی عدم موجودگی میں دفتر میں موجود ''اٹینڈر کم آفس بوائے نے (Attender cum office boy) ''صاب جی کی پیشی میں ٹیبل پر رکھ دینے'' اور سیلیکشن کی اطلاع اور ضروری خط وکتابت بذریعے پوسٹ بھجوانے کے تیقن کے ساتھ وصول کیا۔ لیکن اس کے بعد ڈرامہ یا ڈرامہ کمپنی کی کوئی خبر چھٹی ملی نہ خط وکتابت کی نوبت آئی۔ نہ ہی یہ پتہ چلا کہ خانگی ونیم سرکاری دسیوں دفاتر کا دس پندرہ سالہ تجربہ رکھنے والے گرگِ باراں دیدہ ''اٹینڈر'' نے ''اس لقمہ تر'' کو ''صاب جی کی ٹیبل'' پر پیشی میں حسب وعدہ رکھا بھی یا نہیں۔ بس یہیں سے اس ''یادگار'' ڈرامے کی ریختی اور استحصال کا دور شروع ہوا جو راتوں رات ہاتھوں ہاتھ انگوٹھا چھاپ ادبی ٹھگوں کے ہتھے چڑھ گیا۔ جسکی کوئی اطلاع کسی فرد واحد کو نہ تھی۔ یہاں تک کہ امتدادِ زمانہ کے ساتھ ''بات آئی گئی ہوگئی اور مندر کی صورت دیکھے بنا کالی کی پوجا کیئے بغیر انگوٹھا ماسٹر چپراسی صاحب ''علم لدُنی'' کے زور پر ''کرشماتی کالی داس'' بن بیٹھے۔ اِمسال ملینیم شو کے نام پر زبردست تشہیر کے پیش نظر فرصت کے خلاء کو پر کرنے کی کوشش میں چند بہی خواہوں کی دعوت پر ''ادرک ریڑھی'' پر رُکے تو یہ دیکھتے ہوئے خون کھول کر رہ گیا کہ ہمارا اپنا ورثہ ہمارے اپنے خاندان کی کہانی (تاریخ) جس کے خود آپ ہم حرکیاتی کردار رہے ہوں جو باقاعدہ وباضابطہ نشر ہو کر عوامی مقبولیت کے جھنڈے گاڑ چکا تھا۔ بڑی ہی دیدہ دلیری کے ساتھ بھرے بازار میں دن دھاڑے ٹھگ لیا جا کر اُس کی عظمت ووقار پر اہانت اور کردار کُشی کے مکھوٹے چڑھا کر' اس معیاری تفریح کو غیر معیاری بازاری لطیفہ بازی کا بازاری شو بنا دیا گیا تھا۔ مسروقہ لطائف سے لبریز بلکہ Exhusted۔ لفاظی اور چرب زبانی کا وہ پلندہ۔۔۔۔ جو ایک منافق مطلب پرست بے غیرت وبے حمیت خاندان کا پیارا ہوا تھا جو ''ایک مسلمان کی علامت'' بن گیا تھا۔ محض ایک ''pet-ty talk show'' از ابتدا تا انتہا کہانی وہی۔ شروعاتی اور آخری سیٹس بھی وہی' بیچ بیچ کے مخصوص واقعات بھی وہی' فرق بس یہ تھا کہ کرداروں کو منفی سے مثبت، مثبت سے منفی بنا دیا گیا تھا۔ جس سے سارے کے سارے ڈرامے کی فنی ہیئت ترکیبی نظم وضبط اور حسن ترتیب تو پاش پاش ہو ہی گئے۔ ساتھ ساتھ محض ''

فیملی پلاننگ کارڈ کیاش کروانے کی نیت سے ''کثرت الاولاد مسئلے کو صرف اور صرف ایک مسلم کردار سے جوڑ کر نہ صرف قدم قدم پر اسکی عزت ریزی کی گئی۔ اسے گالی دی گئی۔ اسے لتاڑا گیا۔ اس کو رگیدا گیا بلکہ ساری ہی قوم کے سامنے ایک ''خود غرض ہوس پرست مجرم بنا کر کھڑا کر دیا گیا۔ جو دور حاضر کی ایک جفاکش' عزت نفس کو چبا چبا کر لوہے کے چنے چباتے ہوئے۔ اپنی بقا کیلئے جدو جہد میں غلطاں ہندوستاں کی دوسری بڑی جمہوری اکثریت یعنی مسلمان کیلئے گالی کردار کشی طنز و تشنیع'' کی ایک سرگرم تحریک بن گیا۔ جسکی تقلید سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین وغیرہ وغیرہ نے کی۔۔۔۔ کہ جس کسی کو فی الفور عزت شہرت اور دولت کے اونچے ترین مقام پر پہنچنا ہو بالخصوص جبکہ وہ ''نام کے حساب سے مسلمان ہو' تو وہ اسلام کی 'داعیٔ اسلام کی اہلِ اسلام کی۔۔۔۔ بہ حیثیت ملت۔ ''مسلمان'' جس شدت سے اہانت کرتے ہوئے نکتہ چینی۔ منفی تنقید کردار کشی۔ طنز و تشنیع کا نشانہ بنائے گا۔ راتوں رات خزانوں کا مالک بن جائے گا۔ 'اُترن' سوٹس میں۔ جھوٹن، مہنگے ڈنرز میں اور چال جھونپڑی۔ محلوں میں بدل جائینگے۔ اور اسی بات کو لیکر ساری کی ساری مسلم مخالف لابی نے کل کی حاکم قوم کو آج کی اُترن جھوٹن اور ٹکڑوں پر پلنے والی ملت گردان کر اپنی انا کی تسکین کیلئے انعامات و اکرامات کی بارش کرتے ہوئے بھیک کے کشکول بھر دیئے۔ اور وہ عزت افزائی ملی ہے جو غالباً شیکسپئر کے کسی ڈرامے کو نہ ملی ہو۔۔۔۔ جبکہ ''ادرک ریڑھی'' سرے سے ڈرامہ ہی نہیں ہے۔'' یہاں سے ہم نے جستجو اور تحقیق کا بیڑہ اٹھایا معلوم ہوا ایک طویل فہرست ہے جو سیزن کے ساتھ چو طرف سے یلغار کر جاتی ہے۔ ''ادرک کے پٹھے۔ اروی کے گڈے ۔ پیاز کے لچھے۔ لہسن کے جوئے۔ مینڈھے کے اوجھڑی۔ کیلے کی پھنی۔ مکھی کے انڈے۔ بھینڈی کی گنڈھی۔ تیتر کی کلیجی۔ کریلے کی ڈینٹھ ۔ پدّی کا شوربا۔ بینگن کی چکولی۔ ہانڈی کا پیندا۔ پتہ نہیں کیا کیا الم غلم یہ ''Kitchen garbagebin'' کچن کچرا کنڈی۔ مسروقہ لطائف لفاظی اور چرب زبانی کی بیساکھیوں پر کھڑے کارٹون نما سستی فینسی ڈریس بازاری ٹاک شوز ۔۔۔۔ کسی ایک کا بھی ''ڈرامہ'' نامی صنف سے تعلق تو کجا۔۔۔۔ غالباً خود ساختہ ڈرامہ نویسوں نے ''ڈرامے'' کی بو بھی نہ سونگھی ہو۔ اکیاون باون والے فرق کے ساتھ وہی ایک مرکزی کہانی سب میں مشترک تھی۔ وہی ڈاکٹر صاحب کا اکلوتا آخری شاٹ ''فیملی پلاننگ کے ٹھپے پر زبردستی مہر لگاتا ہوا۔ ہاں : حیرت انگیز قابل تعریف ٹرمپ کارڈ جو استعمال کیا گیا وہ تھے ان کے ''باورچی خانے سے امپورٹیڈ عنوانات'' جن کے پیش نظر عام آدمی تو کجا۔ کوئی ادبی سورما ادیب کامل بھی گمان تک نہ کر سکتا ہو کہ عامیانہ عنوانات کے پیچھے اپنے وقت کی ماسٹر پیس تخلیق پابہ زنجیر۔ مہر بہ لب۔ ڈوبتی ہوئی سانسوں کے ساتھ زندہ دفن ہے !! جو سچ کہا جائے تو ان عنوانات نے ہاضمولا فارمولا استعمال کیا ہے کہ ''کھایا پیا سب کچھ پچایا''۔ مزید تحقیقات پر خود انہی کے قریبی ساتھیوں نے جو ''پہلے اسٹیج شو میں'' کام کر چکے ہیں بتایا کہ ''گرو گھنٹال''

دراصل نام نہاد ادبی اخباری نیوز کم ڈرامہ کمپنی کا جہاں دیدہ سیاسی اسٹنڈر تھا۔ جو محض باضابطہ ابتدائی تعلیم سے بھی محروم صحیح اردو پڑھنے اور لکھنے سے تک معذور۔ (اُس دور میں) انگریزی تو دور صحیح اردو سے بھی ناواقف تھا۔ کسی نہ کسی طرح کاپی تیار کرلی۔ اور جب خود اپنی نقل کردہ کاپی سے زچ ہوجاتا تو "بار بار اصل اسکرپٹ اوروں سے پڑھوایا کرتا رہا۔" جسکے باعث بہت جلد قلعی کھُل گئی تو ٹیم کے ہر ممبر نے اپنا اپنا پرچم خود مختاری بلند کردیا۔ اور اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ بنالی۔ جن کے درمیان حقِ ملکیت کو لے کر زبردست جھڑپیں اور جھگڑے بھی ہوئے۔ سودے بازیاں بھی ہوئیں۔ بلیک میلنگ اغوا اور جبراً سمجھوتے کے دور بھی چلے۔ عدالتی کشاکشیں بھی جم کر چلیں۔ بالآخر ایک مشترکہ عہد نامہ وجود میں آگیا کہ ہر کوئی اپنی اپنی جگہ اپنی اپنی ہانڈی میں اپنی اپنی کھچڑی پکاتے ہوئے اپنی اپنی قسمت کے مطابق کھائے گا پچائے گا۔ جو آج تک زیرِ عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا بھی ایک مسابقتی سیزن چل جاتا ہے جیسے اتفاقاً کوئی مرغ بانگ دیدے تو چاروں سمتوں سے لگاتار بانگوں کا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے اور یہی تسلسل حقیقی واقعے کا مونہہ بولتا ثبوت ہے۔

اس کے باوجود اس روایتی چلن میں ایک فریق ہے جو راست گھر کا بھیدی ہے اور سب سے پہلا باغی۔۔۔۔ ہر ہر موقعہ پر اُن کے نہلے پر اپنا دہلا' یا ان کے دہلے پر اپنا نہلا مارتا چلا جاتا ہے۔ اس نے ڈنکے کی چوٹ پر بتایا کہ "کسی زمانے کی بات ہے کہ ٹوٹی پھوٹی "الف زبر آ۔ الف زیر ای والی اُردو دانی" خود ان کے لئے "کالا اکھشر بھینس برابر" تھی آج اللہ رکھے خیر سے انگریزی بھی بول اور لکھ لیتے ہیں۔ اردو تو بے چاری گھر والی ہے"۔ اور یہ کہ "ابتدائی بیس سال تک ایک مخصوص مسودہ ان کے یہاں "بڑی کتاب" جیسی اہمیت کے ساتھ ہندھتا رہتا تھا جسے وہ اکثر و بیشتر بااعتماد ساتھیوں سے پڑھوا کر سنا بھی کرتے۔ اس پر discuss بھی کرتے اور اس سے Inspiration بھی لیتے تھے ممکن ہے وہ اب بھی "سرمایہءِ ایاز" بطور ان کے ساتھ ہو۔ یا دیگر باغیوں نے اڑالیا ہو۔ کیوں کہ اُس کو لے کر بیسیوں نے اپنی اپنی قسمت اور طاقت آزمائی ہے۔ گویا "اڑائی قمریوں نے طوطیوں نے عندلیبوں نے ...... چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرز فغاں میری۔

سب سے بڑا ناقابل تلافی نقصان جو اس ڈرامے کو پہونچایا گیا ہے وہ اسکے مرکزی موضوع (کثرت اولاد کی پیداکردہ بدحواسیاں) اُس کی اصلی اعلیٰ معیاری امیج کا مسخ کردیا جاتا ہے۔ جبکہ کرداروں کی کردار کشی یہ ہے کہ مثبت انداز فکر کرداروں کو منفی اور منفی کو اندھادھن مثبت میں تبدیل کردیا گیاہے۔ بالخصوص ستی پوچ عامیانہ سیاست کو مشتعل کر کے ایک مخصوص فرقے کو ملوث کرتے ہوئے پوری ساری قوم کے روبرو صلیب پر ٹنگا دینا ہے جو ان کے خون ناحق سے کم نہیں۔ مثلاً سوائے ہندوستانی برہمن جاتی کی ایک مخصوص تعداد کے بلا۔ تخصیص مذہبی تفریق ساری انسانی برادری گوشت خور ہے۔ خود برہمن جاتی میں ہمہ اقسام کے گوشت خور موجود ہیں۔ ہندوستان کے پہلے وزیراعظم جواہر لعل نہرو جی کا

سارا خاندان کشمیری برہمن ہونے کے باوجود گوشت خور تھا۔ علامہ اقبال کا خاندان بھی برہمن ہوتے ہوئے گوشت خور تھا۔ بلکہ انگلینڈ وغیرہ میں تعلیم پانے والے برہمن تو ہر قسم کا گوشت جو وہاں کی مرغوب غذا ہے کھاتے رہتے ہیں۔ بلکہ مسلمان تو چند مخصوص جانور ہی استعمال کرتے ہیں بقیہ انسانی برادری تو تقریباً بھلے برے سب ہی جانور کھا جاتی ہے اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں کھاتی ہے۔ خود ہندوستان میں مسلمان کم سے کم گوشت کھانے والا فرقہ ہے لیکن گوشت خوری کے معاملہ میں مسلمان کو اس قدر بدنام کیا گیا ہے کہ مجھے خوف ہے کہ کسی دن انتہا پسند تہمت طراز اُسے آدم خور ''خونخوار درندہ'' نہ قرار دیں۔ عین اسی نہج پر بیسیوں سماجی برائیوں اور کمزوریوں کی ذمہ داری صرف اور صرف مسلمان کے سر تھوپ دی گئی ہے۔ اس تحریک کو مہمیز دینے والے بھی نام نہاد ''ٹھپہ بردار'' مسلمان ہی تھے۔ جو اپنی ملت فروشی کے طفیل ''پانچوں گھی میں سر کڑھائی میں'' ڈالے گزر گئے۔ وہ تو بس پیٹ پالنے جئے پیٹ پال کر مر گئے۔ لیکن جنھیں بے جا تنقید و ملامت کا نشانہ بنایا گیا۔ انھوں نے اپنی خاطر خواہ مدافعت نہیں کی بلکہ خود آپ بغلیں بجاتے تالی ٹھونکتے ہوئے اپنی ہی ''اکائی'' کی عزت ریزی کے مزے اٹھاتے رہے جسکے نتیجے میں آج پوری قوم میں ''مسلمان کے بارے میں جو بھیانک غلط فہمیاں پھیلی پڑی ہیں اور جس طرح وہ مذمت کی صلیب پر ٹنگا ہوا ہے۔۔۔ زمانے بھر کی انگلیاں اور زبانیں کچھ زیادہ ہی ''لانبی'' ہو گئی ہیں۔ اور ہاتھوں نے سر بازار ''مسلمان'' کی پگڑی کبھی کے اُچھال دی اور کبھی کے ''گریبان'' تار تار کر دیا گیا ہے۔ اس ساری کاروائی کو مہمیز دینے والے یہی'' ادرک لہسن پیاز بھیڑی'' کے نیم حکیم خطرۂ جان ریڑھی ٹھیلے والے ہیں۔ لگ بھگ پینتیس سال قبل ایک تباہ حال جاگیردار مسلم گھرانے کے معاشرت کی عکاسی کرتے ہوئے مرکزی ''علامتی'' مسلم کردار کو'' مکار وریا کار۔ لفاظ۔ مطلبی۔ خود غرض اور چرب زبان منافق۔ ڈھیٹ بے غیرت اور بے شرم۔ خود اولاد کو یہی تربیت دینے والا غیر مسلم پڑوسیوں کا معاشی استحصال کر کے دودھ پینے کرایہ دینے والا۔ ان کیلئے مستقل دردِ سر بنا ہوا۔ بھیک منگے حقیر۔ چور۔ ڈاکو کو تک ٹھگ لینے والا۔ اُس کی نصف بہتر (Better, half) بیوی اُس سے دو قدم آُگے بڑھکر اسکی ہر مجرمانہ کاروائی کو آگے بڑھانے والی۔ نا محرم مردوں کے روبرو فحش ذو معنی مکالمات کہنے اور اشارات کرنے والی گروانا گیا۔ ان نقالوں نے مخالف مسلمان مہم چلا کر نہ صرف غیر معمولی دھن بٹور لیا۔ اور ثابت صرف یہ کیا کہ۔۔ از مشرق تا مغرب کل کی حاکم قوم۔۔۔ آج محکومی کی حالت میں کس طرح انسانیت کے معیار سے گر چکی ہے کہ گلی کے آوارہ بھکری کا شکار کتوں کی مانند ہر چوڑ کر پھینکی ہوئی ہڈی بڑی شکر گزار کے ساتھ اُچک لیتی ہے۔ موقعہ بے موقعہ۔ دم بدم بڑی کثرت سے دم ہلاتے ہوئے اپنے شب و روز گزار لیتی ہے۔ واہ! ! کیا خوب! کیا خوب ترجمانی کی گئی ہے ایک باوقار ملت کی۔۔۔ جس نے کبھی اپنی ''بند مٹھی'' کا بھرم اپنوں میں تک نہ کھولا ہو!

وائے ناکامی متاع کاروان جاتا رہا ...... کارواں کے دل سے احساس زیاں جاتا رہا۔ ستم ظریفی تو دیکھئے کہ جس بات "یعنی خاندانی منصوبہ بندی" کو لیکر انعامات و اکرامات کی بارش کر دی گئی ہے۔ وہ چرب زبانی لفاظی اڑھ جگتی اور مسروقہ لطائف کی یلغار میں کہیں دکھائی ہی نہیں دیتی۔ نہ تو کہیں کثرتِ اولاد کی تباہ کاریوں کو اُجاگر کیا گیا نہ خاندانی منصوبہ بندی پر روشنی ڈالی گئی۔ نہ ہی کہیں بھی دلیل دتاویل کو پیش کیا گیا۔ سارا کا سارا زورِ قلم صرف اور صرف "علامتی مسلمان کی" ، کرداری، اخلاقی، معاشرتی نسبی ریختی پر صرف کر دیا گیا ہے۔ حالاں کہ کہانی کے ماسوا...... جن باقی ماندہ واقعات کو پھبتی کی مانند پیش کر لیا گیا وہیں اپنی دانست میں بہت بڑا تیر مار لیا گیا ہے۔ جو انتہائی قابلِ افسوس ہے۔

جبکہ اصل ڈرامے کے سارے کردار قد آور۔۔۔ یہاں بونے!! وہ غیور مسلمان کی بند مٹھی کا بھرم یہ کھلے عام منافق کی بے حمیتی کا پیارا ہوا اشکول۔ وہ ایک مکمل معیاری منظّم و مسبوط تخلیق۔۔۔۔ یہ نقایص سے لبریز محض "ٹاک شو"۔ وہاں کردار مسلسل متحرک و فعال۔۔۔۔ یہاں مرکزی کردار بیٹھک پر گوند لگا کر تخت پر جما ہوا۔ ادب۔ اشعار۔ محاوروں اور مقولوں کا میدان مسروقہ لطائف سے پاٹا ہوا۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔۔۔۔ اب اصل اور نقل مونہہ در مونہہ سامنے ہیں۔ خود آپ موازنہ کر لیا جائے کہ آیا کہ اصل ڈرامہ۔ ڈرامائی شیرازہ بندی سے عاری منتشر و پراگندہ عامیانہ تماشہ ہے جو خود آپ اپنے ادعائے پیغام سے محروم ہے یا نقولات! جو مرکزی کہانی اور چند معمولی ٹچز mean touches کو لیکر نہ ہی موضوع سے انصاف کر پائے اور نہ پیغام سے۔۔۔۔ البتہ عصبیت پسندوں کی پیدا کردہ "ایک لہرنے" "کرشمے" کا روپ عطا کر دیا۔ جس کو ذوقِ نظر اور جوہر شناسی سے عاری سطحیت پسندوں نے خواہ مخواہ سندیں عطا کیں اور ٹونٹ کی ڈال پر چڑھا دیا۔ اور داد و دہش کی افیون عام مسلمان کے حلق میں ٹھونس دی گئی۔

ہمارے انسانی سماج کا چلن یہ ہے کہ ظلم و بربریت۔ حق تلفی اور نا انصافی کو کبھی بھی معاف نہیں کیا جاتا جن کے خلاف جب کبھی جہاں کہیں آواز اٹھائی جائے تو "حقائق کی فی الفور تلاش و تحقیق" کا بیڑہ اٹھا لیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی سینکڑوں ہزاروں برس پرانے تاریخی سماجی و سیاسی یا ادبی مسائل کو دورِ حاضر کے پوسٹ مارٹم ٹیبل پر دھر دیا جاتا ہے۔ مسودہ ہذا کو اسی سلسلے میں شمار کیا جائے۔ لھذا حسب ذیل مختصر سی بحث۔ کے ساتھ۔۔۔۔۔ "عوامی عدالت" میں پیش ہے۔ اس خصوص میں اسلام کا اپنا نظریہ ہے کہ "انصاف کا دوہرا معیار ہرگز نہیں ہوتا۔ انصاف ہمیشہ فیصلہ کن حتمی اور صرف ایک ہوتا ہے" یعنی اگر مبنی بر انصاف کسی بھی فیصلے کو دنیا کی کسی بھی عدالت میں چیلنج کیا جائے۔ وہ مشکوک مشتبہ اور قابلِ اصلاح نہیں ہوتا بلکہ ہمیشہ ہی ریاضی کے اصول پر مبنی صرف "حتمی" ہوتا ہے!! اور عام مشاہدہ یہ ہے کہ موجودہ نظام عدل و انصاف کا قابلِ غور و فکر پہلو یہ ہے کہ "عدالت!! عدالت کے اندر صرف ایک مشنری ہوتی

ہے عدالت نہیں ہوتی۔ عدالت عدالت کے باہر عدالت ہوتی ہے جہاں انصاف زراہِ رسم عطا نہیں کیا جاتا۔ انصاف کی خاطر انصاف کیا جاتا ہے۔ مثلاً دربار خلیفہ ہارون الرشید میں تیل کے بیوپاری مقدمے کا وہ فیصلہ جو مدعی کے خلاف جاتا ہے۔ اسے بغداد کی گلیوں میں کھیلنے والے بچوں نے یکسر رد'' کر دیا اور انصاف تک یوں رہنمائی کی کہ خلیفہ وقت کو خود اپنی عدالت کا فیصلہ رد کرتے ہوئے بچوں کی عدالت کے فیصلے کو تسلیم کرنا پڑا۔ یا پھر۔۔۔۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی خدمت میں ایک نوزائیدہ بچے پر دو خواتین کے یکساں ادعا کا وہ فیصلہ جو نو شہزادے حضرت سلیمانؑ نے فرمایا۔ یا پھر کسان کا کھیت چر جانے والی بکریوں اور ان کے مالک دھنگر کے مابین قابلِ رشک فیصلہ۔ یہ وہ فیصلے ہیں جنھیں دنیا کی کوئی بھی عدالت رد کر سکتی ہے نہ ہی ان فیصلوں سے زیادہ بہتر فیصلے دے سکتی ہے!! اسی نوعیت کو ''حتمی انصاف قرار دیا گیا ہے۔''

انصاف کیلئے بنیادی شرط مستحکم ٹھوس وصفِ تمیز۔ مسائل کی تہہ تک پہونچ جانے والی نگاہ اور نکتہ شناسی اولین اہمیت رکھتے ہیں۔ وصفِ تمیزی جو نیک وبد۔ اچھے بُرے۔ حق و باطل کا احساس دلائے۔ مسائل کی تہہ یہ ہے کہ شاہین جیسی نگاہ جو لگ بھگ بارہ میل اونچائی سے بارہ میل نیچے اپنے مرکز کو تاڑلے۔ نکتہ شناسی یہ ہے کہ ظاہر سے باطن کا اندازہ کرلیا جائے۔ مثلاً۔۔۔۔ دربار اکبری کے اہم رکن عبدالرحیم خانخاناں کی گذرتی ہوئی سواری کے آگے رعیت کی قطار سے ایک شریف صورت وضعدار بزرگ ایک ننھی سی شیشی جس میں صرف بوندھ بھر پانی ہے الٹ کر دکھاتے ہیں اور پانی کے گرنے سے پہلے اٹھا لیتے ہیں۔ خانخاناں انھیں اٹھوا منگوا کر مصاحبین میں داخل کر کے قابل لحاظ حسن احسان سے کام لیتے ہیں۔ اور اپنے قریبی حلقے میں انکشاف کرتے ہیں کہ ''شیشی کو جھکا کر بتایا گیا کہ عزت دار خاندان کی عزت بس بوند بھر رہ گئی ہے اور وہ بھی لٹی جاتی ہے'' یعنی یہ بروقت امداد کی خاموش التجا تھی جسکو جواباً بہ انداز شریفانہ قبول کرنا لازم تھا۔۔۔۔ یہی اطوار ہوا کرتے تھے بزرگوں کی وضع داریوں کے۔۔۔۔ اگر محض ذرا سی نکتہ شناسی کی بو بھی ہوتی نقل نویسوں میں تو وہ ''جیو اور جینے دو'' کے ''کٹوری بھر سالن'' کی زبان کو بہ خوبی سمجھ جاتے۔ ''کٹوری بھر سالن'' وہ سالن ہے جسے محض دربدر بھیک مانگنے والے مسلمان بھکاری بھی اپنے باڑے کی سرحد لانگ کر نہیں منگواتے۔ ہاں البتہ مشترکہ خاندانوں یا حویلیوں کے مشترکہ ماحول کیلئے یہ نئی بات نہیں۔ جبکہ ماما / بیوی کے بدمزہ پکوانوں سے بیزار صاحب خانہ یا لڑکے ایک دوسرے کے یہاں سے منگوا لیتے ہیں اور خاندان بھر میں یہ تبادلے چلتے رہتے ہیں۔ یہاں سے کٹوری بھر سالن کا انسپریشن ملتا ہے۔ جبکہ اصل ڈرامے میں ''بارہ تیرہ بیوی بچوں کی موجودگی میں کٹوری بھر سالن منگوانے کا جواز ہی کیا ہے؟ کیا صدرِ خاندان اس قدر خود غرض چٹورا اور نفس پرست ہے کہ صرف اپنی زبان کے مزے کی خاطر بال بچوں کو نظر انداز کر کے کٹوری چاٹ جائے گا؟۔۔۔۔ نہیں!! یہ کٹوری بھر سالن ایک شکست خوردہ ٹوٹتے ہوئے مرد

۔۔۔ گرہست مرد کی زخمی چیخ۔ ایک فریاد ہے۔۔۔ ایک احتجاج!! جبکہ نقل میں اس ''مقدس کٹوری بھر سالن'' کو پھبتی بطور استعمال کیا گیا۔ جس میں بے حساب چوں کو لیکر جورو مرد ''کٹوری بھر سالن منگواتے ہیں۔ جس کا تصرف ہی کچھ نہیں۔ (مخفی مباد که یه اُس ڈرامه کا ایك اور بہترین ٹچ تھا بیمار نخریلی بیوی کے خود آپ پکانے کھلانے والے مجبور مرد کا احتجاج) ۔ دوسری جانب مسلم معاشرت میں احترام رشتہ کا یہ عالم ہے کہ خسر و خوشدامن روحانی والدین۔ سالے سالیاں نسبتی بہن بھائی سسرال کیلئے عزت و توقیر لازم۔ نقالوں نے خسر ساس اور سالوں کی جو فضیحتی کی ہے الامان الحفیظ: جنھوں نے اپنی بیٹی دیکر آپ کا گھر بسایا۔ آپ نے اُنھی پر آریاں تیز کیں۔ مختصراً یہ کہ ہر ہر کردار اور واقعہ کا الٹ پھیر کرنے کی کوشش میں ان کی فطری قابلِ فہم ہیئت کو ہی بگاڑ دیا گیا ہے۔ کس کس حصے کو گنوایا جائے؟ سرتاپا باوا آدم ہی نرالا ہے۔

قدرت کا فطری لایحۂ عمل ہے کہ حقیقت خود کو منوالیتی ہے۔ کوئی بھی معاملہ ہو اس لایحۂ عمل سے مستثنٰی نہیں ہے۔ ابتدائی حصے میں محولہ ''خون کھول جانے'' کے احساس و جذبات کے بعد فی الفور فیصلہ کیا گیا کہ ایک ہر دلعزیز معصوم سی تخلیق کے مسخ کردہ قد و خال کو صحیح معنی میں اُجاگر کرتے ہوئے۔ اُس کو اُس کا صحیح مقام دلوایا جائے۔

حق و باطل کے تشخص کا مقصد۔۔۔ مفادات محصلہ کا استحصال ہرگز نہیں۔ اس سے کوئی غرض نہیں کہ کس نے دیا کیا اور کس نے لیا کیا۔۔۔؟ ہمیں غرض ہے صرف اپنے اور اپنے اجداد کے کام اور نام سے۔۔۔

جس طرح ''امراؤ جان ادا'' کے حقیقی مصنف کی نشاندہی۔ اصل و نقل کی اشاعت کے لگ بھگ پچاس ساٹھ سال بعد کی گئی ہے۔ حق و انصاف کا۔۔۔ شرافت و انسانیت کا تقاضہ یہ ہے کہ ''جیو اور جینے دو'' کو نہ صرف اسکے حقیقی رُوپ میں پیش کیا جائے اور ''علامتی مسلمان'' کی شخصیت اور حیثیت پر چڑھائی گئی کیچڑ دھوی جائے بلکہ حقیقی مصنف / مصنفین کو اُن کے اپنے نام ملنے چاہئیں۔ تاکہ ذلیل و تاویل کے ساتھ آیندہ ادبی سرقوں کا سدباب ہو!!

لھذا پیش خدمت ہے ''جیو اور جینے دو'' کی اصل اسکرپٹ!

اک حشر پر نہیں موقوف ہے انصاف و عدل : زندگی خود بھی گناہوں کی سزا دیتی ہے

دعوتِ فکر: حقیقت!؟

ہر حقیقت خود آپ اپنی جگہ ایک زندگی ہے مستقبل کی جانب دوڑتی ہوئی جو جلد یا بدیر ایک افسانہ ایک

ماضی بن جاتی ہے لیکن ایک افسانہ کبھی بھی ایک حقیقت ایک ماضی ایک حال ایک مستقبل نہیں بن سکتا۔"

"جیو اور جینے دو" کوئی معمولی موضوع نہیں تھا۔ محض تفریحی یا رومانی۔ جس کو لیکر محض انگوٹھا چھاپ کہانی کار بھی کہانی بنا لیتے ہیں۔ "جیو اور جینے دو" ایک دقیق نفسیاتی اور معاشرتی موضوع تھا جسے قومی یکجہتی اور تفریح کی بیساکھیوں کے سہارے عوام کے آگے لانا تھا...... ایک معاشی/معاشرتی موضوع کو تفریح میں جذب کرنا...... ایک قلمکار کیلئے جوئے شیر لانے کے مماثل ہوتا ہے۔ یہ بات صرف اہل قلم ہی سمجھ اور سمجھا سکتے ہیں۔ ہندوستانی ادب مین فن ڈرامہ نویسی میں پہلا مقام کالیداس کو حاصل ہے جنھیں کہا جاتا ہے کہ الہامی علم عطا کیا گیا تھا اور وہ دیومالائی تاریخ کا غیر معمولی قلمکار بنے۔ دوسرا نمبر رابندر ناتھ ٹیگور جی کا جنھوں نے اعتراف کیا ہے کہ انھوں نے بڑی لگن اور ریاض سے اس فن پر عبور حاصل کیا۔ ابتدائی دور میں ان کی تخلیقات رد ہوتی رہیں لیکن انھوں نے ہمت نہیں ہاری اور مسلسل لکھتے رہے یہاں تک کہ ناشرین ان کے نام ہی پر ڈرامے خریدنے لگے۔ تیسرا غیر معمولی مقام حاصل ہے آغا حشر کاشمیری کو جنھین ید طولیٰ حاصل رہا ڈرامہ نویسی پر اور انھوں نے اس فن کے ذریعہ غیر معمولی عزت شہرت دولت حاصل کی۔ ان کو بھی اپنے ابتدائی دور میں زبردست پاپڑ بیلنے پڑے...... ڈرامے کی تاریخ میں جس شخصیت کا نام بین الاقوامی سطح پر سرفہرست ہے وہ ہیں European Dramatist شیکسپیر...... جن کے مقابل کوئی ڈرامہ نویس کھڑا ہونے کی جراءت بھی نہیں کر سکتا۔ اس کے باوجود ان میں سے کسی نے بھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ اس نے اپنی پہلی تخلیق صرف پہلی ہی اتفاقی کوشش میں ایک ہی نشست میں بغیر ایک انچ کاغذ ضائع کئے دو ڈھائی گھنٹوں میں تکمیل کر لی اور وہ ایک سنگ میل بن گیا۔ بالخصوص جبکہ جو اس زبان کی ابتدائی تعلیم سے بھی محروم رہا ہو۔ خاص طور پر آج سے پینتیس چھتیس سال قبل جبکہ کھلے عام فلم بینی کے فقدان کے باعث ہر گلی کوچے میں مشکل سے کوئی "قلم اٹھانے" کا دعویدار ملتا رہا ہو۔ زیر بحث تصفیہ طلب ڈرامے کا انداز تحریر خود آپ اپنی زبان ہے کہ یہ ڈرامہ...... چابکدستی کا نمونہ ہے جسے سوائے چابکدست ہاتھوں کے کوئی اور بُن نہ سکتا تھا۔ جس کا زندہ ثبوت حسب ذیل پالیسی ساز شائع شدہ مضامین ہیں جن کو عنقریب بطور مجموعہ شائع کیا جائے گا۔" بیشتر مضامین اپنے وقت کے کثیر الاشاعت روزنامے اردو ملاپ میں شائع ہوئے ہیں جن کا ریکارڈ اور متن دستیاب ہے۔ کچھ مضامین دوسرے اخبارات جریدوں بشمول شمع و بانو دہلی میں شائع ہو چکے ہیں۔

۱۔ یہ گلی کوچہ۔ یہ اخلاق کے مدفن۔ اصلاح سماج کا قانونی لزوم 1958-59ء

۲۔ نئے پیسے کی ستمگری...... نئے اور پرانے پیسوں کے چلن پر فوری قابو 1958-59ء

۳۔ انسداد گداگری...... بیگر زہوم کا قیام۔ 1958-59ء

۴۔ اردو اور اردو ادیبوں کے لئے امدادی اداروں کا قیام بہ معہ لائبریری سہولت۔ 1958-59ء

۵۔ سرکاری مدارس میں جرائم کا سدباب۔ یتیم بچوں کی باز آبادکاری۔ 60-1959ء

۶۔ فیملی فنڈ اسکیم (کمیونٹی فنڈ۔ میوچول فنڈ) پروپوزل۔ 60-1959ء

۷۔ امتناع جہیز۔ 60-1959ء

۸۔ بیروزگاری الاؤنس۔ 60-1959ء

۹۔ پہلا افسانہ "واپسی" جو بعنوان "آنچل کے سائے میں" میں شائع ہو کر "روسی زبان" میں کمپائل کیا گیا۔ جنوری 11/1961ء اردو ملاپ (شائع شدہ تصویر مسودے میں شامل ہے)۔

۱۰۔ ہندریا "رانی" کی داستان۔۔۔۔ انسانی سماج میں جانوروں کا رول۔

۱۱۔ ماہنامہ "بانو" دہلی میں طویل مضامین۔ کشیدہ کاری اور ملبوسات کے ڈیزائین اور پکوان کی ترکیبیں۔

۱۲۔ مدارس اور کالج میں اسٹیج شدہ ڈرامے "تیری دیوالی میری دیوالی" 1953ء۔ "جھنڈا اونچا رہے 1953ء "مانگی ہوئی روشنی" 1954ء۔ "باپو کی بنسی" 1954ء۔ "لکشمن ریکھا" (راماٗین) 1959ء۔ وغیرہ وغیرہ۔ (ان تمام مجموعوں کو انشاالله تعالیٰ عنقریب شائع کیا جائے گا)۔ ان مضامین کی روشنی میں جائزہ لیا جائے تو کوئی بھی ہوشیار ذی فہم جوہر شناس نگاہ یہ تسلیم کئے بغیر نہیں رہ سکتی کہ متنازعہ ڈرامے کا فیصلہ صرف دعویدار کے حق میں جاتا ہے!!

جیو اور جینے دو ...... تب اور اب :

جیسا کہ انہی صفحات پر واضح کر دیا جا چکا ہے۔ یہ ریڈیائی ڈرامہ 58-1957ء میں نجی محفلوں میں ناظرین میں کھلبلی مچاتے رہا۔ 1958ء میں آل انڈیا ریڈیو حیدر آباد کو تقریباً تین گنا اضافے کے ساتھ پیش کیا گیا جہاں کافی عرصہ تک زیر غور رہنے کے بعد 62-61-1959ء میں نشر کیا گیا اور کامیابی کی ایک نئی تاریخ بنائی۔۔۔۔ "جیو اور جینے دو" اس قدر پسند کیا گیا کہ رکشاؤں۔ آٹو رکشاؤں اور ٹیکسیوں پر پینٹ کیا جانے لگا۔ جو اسکی بے پناہ مقبولیت اور ہر دلعزیزی کا ثبوت ہے۔

اپنے ابتدائی دور میں ایک سیدھی سادھی سی کہانی تھی جو ایک کثیر التعداد بچوں کے مخبوط الحواس جوان باپ کے گرد گھومتی تھی جس کے کندھوں پر دس بارہ بچوں اور نخریلی بیوی کی ذمہ داریاں تھیں۔ جسکے ذرائع آمدنی مطلوبہ ضروریات زندگی کے مقابل انتہائی حقیر تھے۔ دفتری ذمہ داریاں ایک اور اضافی بوجھ۔۔۔۔ جسکے تلے دبے کچلے بدحواس مرد کی زندگی بذات خود اپنے وقت کی عظیم ترین حماقت تھی۔۔۔۔۔

جب یہ ریڈیو پر پہونچا تو اس میں مزید تیزی اور تبدیلی آگئی۔ کثرت اولاد کے عجیب عواقب انتشار ابتری بدحالی کے باوجود کا مریڈ شرما اصلاح اور یکجہتی کے ساتھ ساتھ بہ حیثیت لائن "Lion" سماج سدھار کے

ناطے اس خاندان کی سر پرستی کرنے لگے۔ یہ کردار سارے معاشرے کیلئے ایک روشنی کے مینار یعنی Beacon کی حیثیت میں روشناس ہوا اور ہاتھوں ہاتھ لیا گیا۔ بچوں کی ایک فتنہ ساز اکثریت کی شب وروز فتنہ انگیز شرارتوں کے باعث معاملہ محلے بھر میں فرقہ وارانہ تناؤ کا رنگ اختیار کر لیتا ہے اور فیضو نواب کے سامنے صرف دو ہی راستے رہ جاتے ہیں یا تو خودکشی کر کے نجات پالیں یا پھر بیوی کو طلاق دے کر ان ماں بچوں سے گلو خلاصی کر لیں۔ حالات کے اس فیصلہ کن اسٹیج پر مسز اور ڈاکٹر شرما دوڑے چلے آتے ہیں۔ اہل محلّہ اور گھر کے اندورنی حالات کو قابو کرتے ہوئے بمشکل میاں بیوی میں مصالحت کروادتیے ہیں۔ مستقبل کیلئے منصوبہ بندی سے پہلے ہی فیضو نواب کا سب سے چھوٹا چار سالہ لڑکا نیچے سے کرسی کھینچ ان کو گرا دیتا ہے غصے اور طیش کو بھول کر جاتے ہوئے لوگ طنزیہ ہنسنے لگتے ہیں۔ اور مصالحت کی ساری کارروائی جہاں کی تہاں رہ جاتی ہے۔ وہ اور ان کی مسز اس دارالشیاطین ء سے' پناہ مانگتے ہوئے دیوانہ وار نکل بھاگتے ہیں ڈراپ سین ہو جاتا ہے۔ یار زندہ صحت باقی!!

ڈرامے کی مرکزی کہانی کو بھائی لوگوں نے بیسیوں بار ہر دورخ پر اتنا کوٹا پیٹا ہے کہ اس کی شناخت ہی باقی رہ گئی نہ قدرو قیمت۔ صحیح معنی میں سکّے کی مہر ہی گھس گئی۔ اس کے باوجود اس کا پیغام زندگی کل بھی اچھوتا اور زندہ تھا۔ آج بھی اچھوتا اور زندہ باقی ہے۔ جسے موجودہ مزاج وماحول سے ہم آہنگ کرنے کے لئے مزید اضافہ کرتے ہوئے اس کو ایک A time being play category سے اٹھا کر ایک مکمل فیملی ڈرامہ-an ever-lasting complete family "Drama" بنا دیا گیا ہے۔ جو حسب حال ایک رخی یعنی One act play ہی ہے۔ جو' اپنی ابتدائی کہانی کے انجام کے مطابق صرف ڈاکٹر صاحب کے over ruled shot ہی پر ختم ہوتا ہے اسکی تزئین نو میں "ستارہ سحر گروپ" کے نشر کردہ یا شائع شدہ حسب ذیل ایک رخی ڈراموں رافسانوں سے استفادہ کیا گیا ہے۔

1- رانی بہو۔ نشر کردہ جولائی اگست 1958ء۔ ایک رخی ڈرامہ : بی جان لی کا مثبت کردار۔
2- سنہرا سویرا 1958ء ایک رخی ڈرامہ : غازی اور اعجاز کا معاشقہ۔ سسٹر صوفیہ کا رول۔ ڈھولک کے گیت وغیرہ۔
3- پھول والی 1958ء ایک رخی ڈرامہ : لڑکیوں کے ڈانس اور گراما فون والا معاملہ۔
4- پیار اور پیسہ 1959ء ایک رخی ڈرامہ : یکم الف بے۔ دوم الف بے کی شادیوں کا واقعہ۔
5- لفنگے۔۔۔۔۔ 1959ء ایک رخی ڈرامہ : غازی کا منفی کردار اور شرمندہ باشی کا رول۔
6- آخری کرایہ دار۔۔۔۔۔ 1959ء ایک رخی ڈرامہ : قرض دار پر خان بابا کی یورش۔
7- برائے فروخت : 1959ء ایک رخی ڈرامہ : صفدر اور مقتدر کردار پروفیسر کے رول میں۔
8- مجھے خرید لو : 1960ء ایک رخی ڈرامہ : سید احمد بیداد خان واردات۔
9- بقر عید : 1959ء ایک رخی ڈرامہ : نہم کی اتفاقی موت۔

10- واپسی : 1960ء افسانہ اردو ملاپ۔ بی جان بی کی موت۔

11- نئی ماں : 1959ء بچوں کا ایک رخی ڈرامہ : فیضو نواب کا عقد ثانی۔

12- عیادت : 1960ء اسٹیج کردہ ڈرامہ گاندھی بھون۔ شرمندہ باشی کی بسیار خوری۔

13- اپنی پیاری دنیا : 1958ء بچوں کا نشر کردہ ڈرامہ۔ اذان۔ مندر و کلیسا کے گھنٹے اور بھجن منڈلی وغیرہ وغیرہ۔

14- جیؤ اور جینے دو : 62-1959ء مرکزی کردار اور جوں کی توں کہانی۔

15- مانگی ہوئی روشنی : 1959ء ڈاکٹر شرما کا فیضو نواب کے گھر روشنی فراہم کرنا۔

16- چھمو کا دلہا۔۔۔۔۔ 1960ء ایک رخی ڈرامہ۔ شرمندہ باشی کی گرہستی۔

17- آوارہ۔۔۔۔۔ 1960ء ایک رخی ڈرامہ کافی والے کا کردار۔

18- ڈاکٹر زان ٹیڈی 1960ء ایک رخی ڈرامہ بی جان بی کی طویل بیماری اور علاج

19- غیر مطبوعہ مسودات 12 افسانوں کے سیٹ سے۔ ایک رخی ڈرامہ۔ " اُس کیلئے ایک قمیص " سے

20- غیر مطبوعہ مسودہ " لالہ صحرائی " سے۔۔۔۔۔

(اور ان سب سے مل کر بنا ہے یہ نظر ثانی شدہ مقبول عام و خاص تعمیری تفریحی شہ پارہ)

نوٹ : ...... اِس ڈرامے کو اسی نہج پر اگلے اڈیشن میں مزید اور طول دیا جائے گا اور ایک نہایت معیاری و شستہ تخلیق کو مزید نکھارا جائے گا۔

جیؤ اور ...... جینے دو!! ٹھوس دکنی ماسٹر پیس :

ہمارا درمیانی جدی سلسلہ دیار لکھنؤ سے جڑتا ہے۔ دکن میں آباد ہوتے ہوئے غالباً ڈیڑھ صدی گذر چکی۔ لیکن ہماری زبان و تہذیب پر وہی لکھنوی رنگ غالب رہا ہے۔ ہمارے خاندان میں زبان بے حد صاف شفاف میٹھی اور دل آویز ملتی ہے۔ جن دنوں ہم علی گڑھ میں تعلیم پاتے تھے دہلوی طلباء ہم بہنوں اور بھائیوں کے انداز گفتگو کی بڑی ہی ستائش کرتے! رشک کرتے اور اختیار کرنے کی کوشش کرتے۔ حالانکہ دہلی اور آگرہ اپنی کھڑی بولی کیلئے ہندوستان بھر میں مشہور ہے۔ جو آج بھی پاکستان میں زیر چلن ہے۔ جس کا شمالی ہندوالوں کو بڑا زعم رہا ہے۔ لیکن بچے چونکہ فطرتاً سلجھے ہوئے ہوتے ہیں اور ہر قسم کی دنیاوی سیاست سے بالاتر...... اس لئے ہماری زبان کی دلداریاں سکول کے علاوہ کالج کی طالبات۔ انٹر تا پوسٹ گریجویٹ بھی کرتی رہیں۔ جس سے احساس ہوتا ہے کہ وہی زبان موثر ہوتی ہے جو مٹھاس کی حامل ہو۔ اور اُسے بچوں جیسے معصوم کھلے دل کے ساتھ قبول کر لیا جانا چاہیئے۔ پیشرو پیڑھی ہی کے رسم و رواج کے مطابق کھڑی بولی والوں نے " اچھی بھلی " اردو کا دامن خواہ مخواہ علاقائی عصبیت سے باندھ رکھا تھا۔ جس کا ثبوت خود حضرت غالبؔ کی داستان حیات سے ثابت ہے۔ شمالی ہند

والوں کے تئیں بالخصوص جنوبی ہند والی اردو ایک مجہول زبان تھی بالخصوص مدراسی اور دکنی بولی۔ جسے اکثر کتابوں ،افسانوں ڈراموں فلموں اور دیگر ادبی اصناف میں بطور مزاح و تفریح وہجو۔ طنزاً استعمال کیا جاتا رہا...... یہی چلن آج بھی جاری ہے۔ حالانکہ آج مدراس خصوصاً دکن کی اردو کافی ترقی کر چکی ہے۔ دوسری طرف خود جنوبی ہند اور دکن والے جوں جوں لسانی معیار پر ترقی کرتے گئے تو نہ صرف خود آپ اپنی جدّی زبان سے دستبرداری اختیار کرنی شروع کی بلکہ اُسے حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے نفرت کا اظہار کرتے ہوئے نظر انداز کرنے لگے۔ اس طرح دکنی اردو پر زبردست ضرب لگی۔

ترقی کا رجحان اور بلند پروازی انسان کی فطرت ہے خواہ وہ کسی شعبہ حیات میں ہو۔ لیکن انتہا پسندی کے ساتھ خود اپنے ہاتھوں اپنے ورثے کو مٹا دینا۔ اپنی ہی ولادت کے گہوارے کی میخیں نکالنی شروع کر دینا۔ تحسین و توصیف کی نگاہ سے دیکھا نہیں جاسکتا۔ ہمارا اصول تو یہ ہونا چاہئے کہ ہمارے ماضی کی ہر سچائی ایک نگینہ ہے۔ جو نگینہ جس جگہ جڑا ہے بہت خوب بہت عمدہ ہے۔ ان جڑاوی گہنوں کو تاریخ کے زرنگار شیش محل میں سجائے رکھنا ہی توارث کا تحفظ ہے۔

اگرچہ کہ تصنیف ہذا پورب پچھم اتر دکن کی ملی جلی اردو کا دلچسپ امتزاج ہے لیکن اس رنگ پر حاوی ہے ''ٹھیٹ دکنی اردو کا رنگ!''۔

مسودۂ ہذا کی نشاۃ ثانیہ کرتے ہوئے ''دکنی'' کے بارے میں مجھے احساس ہوا ہے کہ یہ ایک مخصوص انفرادی بولی ہے۔ صحیح معنی میں غیر معمولی اپنائیت کے رشتوں کی زبان ہے۔ اس کے بعض مخصوص الفاظ اتنے موسیقی ریز ہیں کہ شمالی ہند کے شعراء اور فلمی شاعروں نے پلٹ پلٹ کر اپنی تخلیقات میں بکثرت استعمال کیا ہے۔ بلکہ اکثر صدا بندیاں انہی آوازوں اور الفاظ سے کی گئی ہے۔ مثلاً ''ہو۔ ہوُ۔ ہوَ!! ہوَجی ہوَ۔ ای یَ یَ یَ یا۔ اُ یو۔ اوئی۔ ووئی۔ وَوَوَا...... اوے۔ ہوئے۔ جیّ اجیّ۔ وغیرہ وغیرہ!!'' الفاظ کو کھینچ کر مخصوص نہج پرلے اور راگ پر ادا کرنے کے لئے دکنی اردو بہت بدنام ہے۔ حالانکہ اس نہج پر بولنا زبان کو مزید معصوم اور پرکشش بنا دیتا ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ اپنائیت کا احساس دلاتا ہے۔ مثلاً ''لب بولے تئیں جگ سنے من بولیا سو سنے ربا'' (مونہہ کی بات دنیا سنے۔ دل کی بات سنے اللہ) یا ''اب کے برس ہولی جم کو جلی پر کی دل کی آگ ٹھنڈی نئی پڑی'' یا پھر ''بات اچ الٹ کو گئی''۔ ''کھجور رہ گیا۔ گٹھلی گھل گئی'' یا کون اچ تمنا برا بھلا بول کو گئے جی ماں''۔ ''تمے کیا جی کو مار کو پڑ گئیں۔'' (تمھیں کس نے برا بھلا کہہ دیا کہ تم دل چھوٹا کر کے بیٹھ رہے) وغیرہ اچھے بھلے صحت مند الفاظ کا توڑ مروڑ کر استعمال مزید سونے پر سہاگہ کا کام کرتا ہے۔ مثلاً ''مجھے۔ منجے یا میں نے۔ منّ نے منا'' (مجھکو) ''تمناتے۔ تم ناسے (تم کو) یا ان کو۔ ان کا۔ ان کی۔ انکے انّ انا یا کو To ؛ کر = کو (آکو۔ جاکو۔ مل کو۔ بول کو) الفاظ کی توڑ مروڑ Twisting of

SITARA E SAHER'S one act play Jeô Aur Jene dô

words ۔ کھینچ کر لے میں ادا کرنا "Utterance in melodious way" انسان کی زبان دانی کا فطری نہج ہوتا ہے۔ اور یہ دنیا کی تقریباً ہر مروجہ و مُسلّمہ زبان میں رائج ہے۔ خواہ وہ انگلش ہو فرنچ ہو درشین ہو یا چائینیز! تو پھر اس کے لئے صرف اور صرف دکنی نشانہ ملامت کیوں؟ جبکہ "اماں یار" کے ساتھ بولی جانے والی اردو میں بیسیوں نقائص اور سینکڑوں لے اور راگ پائے جاتے ہیں۔

لھذا...... لسانی عصبیت کو ماضی کی محراب میں رکھ چھوڑ کر تسلیم کر لینا چاہئے کہ اردو کے سینکڑوں رنگ ہیں اور ان تمام رنگوں کے جڑنے سے ہی قوس قزح (RAINBOW) بنتی ہے اور قیامت کی دلفریبی کا رنگ جما دیتی ہے۔

اردو انقلاب' بردوش' امن واماں۔ ملنساری، بھائی چارہ اور پیار کی زبان ہے۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ اردو کے سینکڑوں الفاظ ہر ہندوستانی زبان میں استعمال ہوتے ہیں جن کا مادّہ ترکی عربی اور فارسی وغیرہ ہے۔ اور تو اور اب تو اردو محاورں، مقولوں اور الفاظ کو بری طرح انگریزی اور انگریزی سے دیگر زبانوں میں استعمال کیا جارہا ہے۔ اسی اردو کی ایک شاخ دکنی' اپنوں اور اپنائیت کی زبان ہے۔

۱۹۸۷ء میں میں نے "تحریک جدوجہد اردو" والوں کو "اردو بچاؤ" کی بجائے نعرہ "اردو سے انصاف کرو۔" دیا تھا۔ جو آج ساری دنیا میں گونج رہا ہے۔ اب میں اردو کے قد آور دانشوروں سے ملتمس ہوں کہ "دکنی سے خود ہم انصاف کریں" بالخصوص "گڑ کی ڈلی" جیسی اس زبان کو ادنیٰ طبقات کی بولی۔ مجہول طبقات کی علامت "چاکر پیشہ کی بولی" سمجھنا اور کہنا چھوڑ کر، اپنے لائحہ عمل کی اصلاح کریں۔" کہ دکنی اردو...... حضرت امیر خسروؒ جیسے بزرگان دین کے ماسواء شاہانِ دکن بالخصوص قطب شاہی خاندان کی درباری و محلاتی بولی ہے"۔ جسے دکنی ماؤں بہوں بیٹیوں نے بڑے چونچلے سے نکھار دیا ہے۔ ظاہر ہے ہم ان نیک و پاک اعلیٰ مرتب بزرگوں سے زیادہ اونچے ہو نہیں سکتے۔ مجھے فخر ہے کہ میں نے اس تصنیف میں روایتی دکنی اردو کا استعمال کیا ہے۔ جسے استعمال کرتے ہوئے زندگی میں پہلی بار مجھے اس زبان کی درباری و محلاتی شان و شوکت اور عمومی مٹھاس کا احساس ہوا ہے۔ اس کی اپنائیت کا رنگ منفرد ہے!!

چند از خود پیدا کردہ غلط فہمیوں کی ضروری وضاحت!!:

"جیو اور جینے دو" دکنی گنگا جمنی تہذیب کا ترجمان۔ "سالے اور بہنوئی کی نوک جھونک چھیڑ چھاڑ" کے خوشگوار ردّ عمل بطور وجود میں آنے والا سیدھا سادھا دل آویز ڈرامہ تھا جس کا مقصد نہ کسی مخصوص فرقے کی مذمت اور توہین تھا نہ ہی کسی مقابل فریق کی ستائش...... نہ کسی کی دل آزاری اور نہ کسی کی دلداری!! بلکہ اس دور میں پیار بھرے انسانی رشتوں کی پیار بھری عکاسی!! جس میں محض کثرت اولاد کے مہیب عواقب کو اجاگر کیا گیا تھا جو بذاتِ خود "فیملی پلاننگ" کا اشتہار نہیں تھا۔ کیونکہ "اولاد کی باقاعدہ پلٹن کھڑا کر چکنے کے بعد فیملی پلاننگ

کی تائید بذات خود حماقت ہے۔ جبکہ فیملی پلاننگ کا سوال نسل کشی کے بعد نہیں نسل کشی سے پہلے پیدا ہوتا ہے۔ " اور ہوا بھی ایسا ہی اس ڈرامے کے نشر ہونے کے باعث بھی یہ ڈرامہ "فیملی پلاننگ آئیڈیالوجی" کا محرک ثابت ہوا۔ اس میں سوائے عام فہم صداقت کے کوئی سیاست ہی نہیں تھی۔ "نیم حکیم خطرۂ جان نیم ملا خطرۂ ایمان " اصول پر ہمارے نقال بھائیوں نے خوامخواہ "انسانی ریوڑ پیدا کرنے کا ذمہ دار صرف اور صرف مسلمانوں کو قرار دے کر فیملی پلاننگ بل کی ساری توانائی کو مسلمان پر مرکوز کر دیا" اور گذشتہ تیس پینتیس برسوں میں صرف مسلمان "افزائش نسل کیلئے معتوب و مقہور بنے ذلیل اور خوار ہوتے رہے۔ جس لعنت ملامت اور مذمت کے گواہ اخبارات کی فائلیں آج بھی محفوظ ہیں۔ حالاں کہ در حقیقت ......بافراط افزائش نسل صرف ہندوستان ہی کا مسئلہ نہیں بلکہ ساری دنیا کا مسئلہ رہا ہے۔ خود ہمارے وطن ہندوستان میں کثرت اولاد کی شرح فیصد ماسوا مسلم دیگر فرقوں میں نسبتاً بہت زیادہ ہے دو سو کروڑویں ولادت آستھانہ کا تعلق کس سے ہے ؟! جسے ایک مکمل سروے سو فیصد ثابت کر سکتا ہے لیکن مفادات حاصلہ کی پذیرائی کے کریہہ مقصد کے تحت وفور چاپلوسی میں زبردستی "ایک ہر دلعزیز ملنسار معصوم مسلمان کو "عصبیت سے بدتر سیاست کی صلیب پر چڑھا کر "ذہن بنایا گیا" دراصل چغل خوری۔ خوشامد عمداً پیدا کردہ بدظنی وہ لسانی ہتھیار ہیں جن میں سازشی دماغ گھنے مطلبی لوگوں کا جاتا کچھ نہیں مگر آتا من بھر ہے۔ انہی ہتھیاروں کے سہارے صرف گھر دفتر محکمے شعبے ادارے ہی نہیں بڑی بڑی حکومتوں کے تختے الٹ دئے گئے ہیں۔ سیاسی ہواؤں کا رخ پلٹ دیا گیا۔ ایسے میں نام نہاد مسلمان افراد نے جلد سے جلد دولتمند بننے کا یہ موثر حربہ اختیار کر رکھا ہے کہ مسلم مخالف لابی میں خود مسلمان کہلاتے ہوئے اسلام۔ داعی اسلام یا مسلمانوں پر شدید نکتہ چینی کی جائے۔ خواہ مخواہ بال کی کھال کھینچ کھینچ کر عیب نکالے جائیں۔ اور گید رگید کر توہین اور سرکوبی کی جائے۔ دوسروں کی کمزوریوں، غلطیوں اور جرائم کو خود مسلمان کے سر منڈھ دیا جائے۔ ایک مسلمان کی معصومیت اور بے گناہی کو سب سے بڑا گناہ قرار دیا جائے۔ تو بے مانگے وہ کچھ اور اتنا کچھ ملتا ہے جس کے بعد آپ محتاج نہیں رہتے سچا مسلمان آپ کا محتاج بن جاتا ہے۔ ہو گئے آپ کے وارے نیارے۔ آپ جھونپڑی سے سرک کر محلوں میں آگئے۔ اترن مہنگے سوٹس اور پالش زدہ شوز بن گئے اور جھوٹن...... مہنگے فائیو اسٹار ہوٹل کے ڈنر۔ آپ سونے کے برتنوں میں کھانے۔ قوم کے گدوں پر سونے اور چاندی کے جھولوں جھولنے لگے ......اس سب کچھ کے لئے آپ کو بس یہ کرنا تھا کہ مسلمانیت کا ٹھپہ پیشانی پر لگائے "اسلام داعیٔ اسلام اور غیور مسلمان" کی کردار کشی ہجو اور توہین...... اور یہی کچھ سلمان رشدی اور تسلیمہ نسرین نے کیا اور سوٹ کیس بھر بھر کر انعام پائے۔ جبکہ نقالوں نے علامتی مسلمان کو جوتیوں کا ہار پہنا کر سرکاری مراعات وانعامات تو پائے ہی...... لیکن خود دوسرے مسلمانوں کو بھی جل دے کر اپنا ہم نوا بنا کر خوب ٹھٹھہ تماشا کیا اور ثابت کر دیا کہ "ایک مسلمان......اپنا اپنی آل اولاد کا پیٹ پالنے کیلئے کیسے کیسے اوچھے حربے استعمال کر کے خارش زدہ کتے یاد ستر خوان

کے بلاوڑ کی زندگی گذار رہا ہے.....''لہذا اب مسلمانوں کو اس ناکردہ گناہ کی ذمہ داری سے دستبردار کر دیا جانا ہی قرین حق وانصاف ہے!!

اگر مسلمان کی قوتِ عمل کو کثرت کا جواز بنایا جاتا ہے تو یہ حقیقت کے مغائر ہے۔ مسلمان کی قوت و طاقت کبھی بھی کثرت میں نہیں بلکہ قوت ایمان میں مضمر رہی ہے۔ جیسا کہ بابائے قوم مہاتما گاندھی نے اپنی حین حیات میں تسلیم کیا تھا کہ مسلمانوں نے اپنے وطن ثانی کو نام دیا اہل وطن کو شناخت اور زبان دی اور وحدتِ ملک و قوم کا نظریہ دیا۔

جبکہ وہ کل بھی اقلیت میں تھے اور آج بھی اقلیت میں ہیں۔

تاریخ گواہ ہے کہ کس طرح اقلیت میں ہوتے ہوئے انھوں نے چھوٹے چھوٹے رجواڑوں کی خانہ جنگیوں کو ختم کر کے اس سرزمین کی شیرازہ بندی کی۔ کس طرح محض ایک معمولی ضلع کے متوازی ہستناپور جیسی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جوڑ کر بر آعظم ایشیا کا عظیم تر ملک ہندوستان بنادیا۔ اور کس طرح شاہی پرچم تلے...... جمہوری آئین کو روبعمل لاتے ہوئے جمہوریت کو فروغ دیا۔ اور کس طرح وطن عزیز کو ایک عظیم ملک۔ عظیم قوم۔ ایک باوقار زبان کی پہچان ایک شناخت دی۔ اور یہ سب کچھ کرتے ہوئے انھوں نے ملک و قوم پر احسان نہیں کیا بلکہ اپنا فرض ادا کیا۔

کل کی حکمران اقلیت نے انگریزوں کی مانند ''لڑاؤ اور حکومت کرو'' پالیسی نہیں اپنائی بلکہ پیار و محبت خلوص و یگانگت کے ساتھ حکومت کی اور حکومت سنبھالنے کے موقعہ بھی دئے۔ ان کی اکثریت نے درویشانہ شب و روز کاٹے : انھوں نے رفاہِ عامہ کیلئے جو کچھ بھی کیا اس کا فیض آج بھی جاری ہے!!

کل کی حکمران اقلیت نے شانِ ملوکیت و حکومت کی جو شاندار تاریخ بنائی ہے اسے آج بھی منادر و کلیسا کے گھنٹے سناتے ہیں۔ اسکے باوجود حقائق کی نفی حق وانصاف کا خون ہے!

''آج کی محکوم اقلیت کی حیثیت میں مسلمان ہزاروں مسائل کے چنگل میں گھرے' اپنی صبح حسرت اور شام غریباں پر عزت نفس کی چادر اڑھائے ہوئے کس شانِ غربت پسماندگی و بے چارگی کے ساتھ اپنی حیات و بقا کیلئے سرگرداں سرگرم عمل ہے۔

اسکی جیتی جاگتی اصلی تصویر ہے ''جیو اور جینے دو''۔!

فیضو نواب کی ولادت باسعادت :

فیضو نواب کی ولادتِ باسعادت حسب روایت قدرتی اتفاق ایک حادثہ ضرور ہے لیکن علم وادب تو کجا محض ابتدائی تعلیم سے کوسوں دور دماغوں کی کرشماتی اختراع ہرگز نہیں ہے نہ ہی الہام۔ بلکہ عین قرین قیاس و

دلیل ہے !! فیضو نواب جن کا غریب خانہ حیدر آباد کے مشہور و معروف ریلوے جنکشن ناملی اسٹیشن سے محض دو تا پانچ منٹ کی مسافت پر واقع ہے اور وہ جن حالات میں جنم لیتے ہیں۔ ان کو ریکارڈ پر اجاگر اور محفوظ کر لینے والا صرف تیرہ برس کا غیر معمولی ذہین چلبلا شریر لڑکا ہے جو اپنے قیمتی اور بہت بڑے کوڈیک کیمرے کے ساتھ بظاہر شالٹس تلاشتا پھر رہا ہے۔

غالباً 5 یا 8 مئی 1956ء بروز ہفتہ۔ آدھی رات سے جاری بے موسمی شدید برسات تھم گئی ہے اس کے باوجود آسمان پر گھنے سیاہ بادل چھائے ہوئے ہیں بوندا باندی کے ساتھ ساتھ کبھی کبھار ایک آدھ جھڑی چاٹا لگا جاتی ہے۔ غالباً صبح کے ساڑھے چھ یا سات بجے ہوں گے۔ ماحول پر ابر کے باعث اندھیرا غالب ہے۔ باغ عامہ کی پچھلی دیوار سے متصلہ پلیٹ فارم پر گرانڈ ٹرنک اکسپریس ٹھیری ہوئی ہے۔ غیر متوقع بارش کے باعث اور کچھ ٹکنیکل وجوہات کی بنا پر ٹرین کے کافی لیٹ نکلنے کا اعلان ہو چکا ہے۔ سیکنڈ کلاس ریزروڈ کمپارٹمنٹ میں محترمہ شرین علی پاشا اپنے چار تا سولہ سالہ بچوں اور ملازمین کے قافلے کے ساتھ بیٹھی ہوئی ہیں۔ جن کے ساتھ بیگم نواب صاحب جو اپنے بچوں کے ساتھ وداع کرنے آئی ہوئی بیٹھی بار بار شوہر کی متوقع آمد کا جائیزہ لیتی ہوئی فکر مند ہیں۔ پلاٹ فارم پر مرد رشتہ دار و بہی خواہ جمع ہیں۔ تیرہ سالہ سب سے بڑا لڑکا کیمرے سمیت بلا مقصد پلیٹ فارم پر گھوم رہا ہے۔ اچانک سینکڑوں افراد کی آمد و رفت کی گھما گھمی کو نمایاں طور پر کاٹتی ہوئی ایک شخصیت ایک انفرادی حالت میں ہانپتے کانپتے سر تاپا بدحواسی کی تصویر بنی دوڑتی ہوئی محولہ پلاٹ فارم پر نمودار ہوتی ہے۔ اس حالت میں کہ بوندا باندی اور بوچھاڑ سے بچنے کیلئے کھلی چھتری ہاتھ میں ترازو بنی ہوئی ہے۔ شیروانی چونکہ ٹاپ گرے ہوئے رکشا میں بیٹھ کر پہنی گئی ہے اس لئے ہک کسی اور حصہ میں بری طرح دھنس چکا ہے۔ جس کے باعث متوازی بٹن لگانے کی معذوری ہے۔ ٹرین چھوٹ چکنے کی خدشے اور خوف کے باعث ذرا مہلت نہیں حاصل کہ شیروانی کے ہک کو نکال کر دونوں پلڑوں کو متوازی بٹن کر لیں کہ ان کو اپنی اکلوتی محسن بہن کو وداع کرنا ہے جو پاکستان جا رہی ہیں۔ پھر نہ جانے کب ملاقات ہو !! کیچڑ اور چھینٹوں سے بچنے کے لئے پاجامے کے پائینچے کافی اوپر چڑھے ہوئے ہیں قیمتی جوتے جن کی ڈوریاں ٹھیک سے کسی نہ گئی ہیں جبڑے کھول کر کیچڑ میں تر بتر لتھڑے ہوئے۔ سر پر ترکی لال ٹوپی کسی قدر ترچھی جمی ہوئی جسکا گھنا سیاہ پھندنا ہواؤں میں لہراتا ہوا۔ اور ٹوپی ترچھی ہونے کے باعث بالوں کے لچھے پیشانی سے آنکھوں تک احاطہ کئے ہوئے۔ سیدھے ہاتھ کی بغل میں فائل نما کپڑوں کا بڑا ڈبہ دبا ہوا اور پنجے میں تام چینی کا قیمتی بھوی توشہ دان۔ جس کے ڈبوں میں خود ان کے اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی (فاتحہ کا تبرک) قبولی۔ سوجی لوز۔ اور بگھارے بینگن بند ہیں۔ ابھی وہ کمپارٹمنٹ تک پہونچ بھی نہ پائے کہ (علی گڑھ) مسلم بوائیز ہائی سکول اور بعد ازاں دار الشفاء ہائی سکول کے مسلمہ و مصدقہ شریر اور چلبلے طالب العلم ......اساتذہ کی آنکھوں کا تارہ۔ ہیڈ ماسٹر صاحب رضاء سر کے منظورِ نظر شاگرد قمر زماں عرفِ عام "بتانا" نے اُچک لیا۔ اللہ جانے کیا پٹی پڑھائی کہ سیدھا لے جا کر اسی احاطے میں موجود سگنل ہاوز کی چھت پر

سب سے اونچے مقام پر اس طرح کھڑا کر دیا کہ پس منظر میں صرف سرمئی سیاہ بادلوں سے ڈھکا آسمان اور بارش کی پھواریں ہیں...... اور خود آپ پٹریوں پر کیمرے کا اینگل اڈجسٹ کرنے کا مسلسل بہانہ بناتے ہوئے۔ بے چارے سادہ لوح نواب صاحب کیمرے کی ٹھنڈی تاریک آنکھ کے سامنے کم و بیش دس منٹ بے حس و حرکت مسکراتے کھڑے پوز مارتے رہے۔ پلاٹ فارم اور کمپارٹمنٹ میں موجود سارے کے سارے افراد انھی کو مرکز نگاہ بنائے ہوئے مارے ہنسی کے محض دو فقرے مونہہ سے نکالنے سے معذور...... کہ کس طرح ایک چھوٹے سے شریر لڑکے نے ایک پختہ العمر معزز شخص کو ازخود "فول" بننے پر مجبور کر دیا۔ اور بے چارہ آداب تصویر کشی کو ملحوظ رکھتے ہوئے سارے ماحول سے بے نیاز و بے خبر صرف کیمرے سے آنکھیں لڑا رہا ہے۔ دفعتاً ان کے بھتیجے نے چلا کر آواز دی "چچا! اتنے گہرے ابر اور اندھیرے میں تصویر کھینچتی کہاں ہے" (حال مقیم کینڈا) اور وہ چونک کر بات کو سمجھنے کے بعد چنگھاڑتے ہوئے **"لاحول ولا قوۃ"** کے ساتھ نیچے اترنے لگتے ہیں تو چھوکرا "پلپلی صاحب زندہ باد" کا بے ہنگام نعرہ بلند کرتے ہوئے رفو چکر۔ (پڑوسی کمپارٹمنٹ کے ٹائلیٹ میں "انڈر گراونڈ")! یہی وہ لمحہ تھا جب نامپلی اسٹیشن کے سگنل ہاوز کی چھت پر اس ڈرامے کے مرکزی کردار "فیضو نواب المتخلص بہ پراگندہ حیدر آبادی کی ولادتِ باسعادت واقع ہوئی جسکے عینی شاہدین پاکستان ہندوستان۔ لندن۔ امریکہ کینیڈا اور خلیجی ممالک میں بفضلِ تعالی بقید حیات ہیں) اور چھتری۔ توشہ دان۔ فائل۔ الجھی ہوئی شیروانی۔ ترچھی ٹوپی۔ اونچے پائنچے۔ پھٹے پرانے گندے جوتے اس ہر دلعزیز سادہ لوح عام مسلمان کی مستقل علامت اور پہچان بن گئے۔ اور یہ لطیفہ اس قدر مشہور ہوا کہ خاندان کے واحد (اس وقت) شاعر و قلمکار نے محض اپنے خوش مذاق خوش خوراک بیوی اور بچوں پر جان نچھاور کرنے والے سعادتمند اطاعت گزار خدمتگار برادر نسبتی کی کھنچائی کی نیت سے یہ ہجویہ فکشن (1956-57.) "بے چارہ" قلمبند کیا جسے مسلسل سال ڈیڑھ سال تک تمام گھریلو تقریبات کے اجتماعات میں گرمجوشی کے ساتھ پڑھا جاتا اور بڑی دلچسپی کے ساتھ سنا جاتا رہا۔ سالے اور بہنوئی کے رشتے کے پیشِ نظر کسی کو روکنے ٹوکنے کی ہمت نہ ہوئی۔ یہاں تک خود فیضو نواب محظوظ ہوتے۔ تیزی سے بڑھتے ہوئے حاضر دماغ بچوں کے دل و دماغ میں یہ خاکہ کچھ اتنا پیوست ہو گیا کہ وہ چلتے پھرتے ایکٹنگ کے ساتھ اس کے دلچسپ حصوں اور مکالموں وغیرہ کا ڈرامائی انداز میں تبادلہ کرتے۔ گویا فیضو نواب اور ان کی بیگم بی جان بیگم کی ہجو سارے خاندان اور عزیز و اقارب کیلئے ضرب المثل بن گئی۔ یہ تفصیلات تھیں ان کی واردات ولادت کی جو ایک اہم Source of Inspiration بن گیا۔

مورخہ 4-11-2000

ایمن برکات ولا

حیدر آباد۔36

(بانو) انجمن آراء

مکمل ایک رخی ڈرامہ : جیو اور جینے دو

مقام :- حیدر آباد

دور :- 1956-60ء

کیفیت :- تباہ حال جاگیر دارنہ ماحول۔ پولیس ایکشن کے نتیجے میں تباہ حال مسلمانوں کا ترجمان۔ بالعموم تلنگانہ عوام کی معاشی بد حالی و بربادی کی تصویر

جائے واقعہ :- دکنی وضعدار شرفاء کا محلّہ۔ مخلوط ہندو مسلم غریب وامیر۔ ترقی پسند اور کٹر پرست طبقات کی پر سکون بستی۔

منظر :- از اول تا آخر تباہ حال دیوڑھی کا پچھواڑا جو رہائیشی پورشن بنا دیا گیا ہے۔

ماحول :- کثرت اولاد۔ معاشی بد حالی اور تہذیبی تناؤ کا مظہر۔ لوگ جن کے شب و روز کا انحصار حالات کے جزرومد پر ہے۔

کردار :-

فیضو نواب :- صدر خاندان

بی جان بی :- فیضو نواب کی حسین و جمیل اہلیہ

یکم الف و بے :- پہلن جڑوان بیٹیاں۔

دوم الف و بے :- دوسری جڑواں بیٹیاں۔

سوم، چہارم، پنجم :- بیٹیاں

ششم :- چھٹویں نمبر پر آٹھوان پہلن بیٹا

ہفتم الف و بے :- ساتویں نمبر پر جڑواں بیٹے

ہشتم الف و بے :- آٹھویں نمبر پر جڑواں بیٹے

(جملہ ۱۳ اولادیں) نہم :- نویں نمبر پر تیرھواں آخری بیٹا۔

ڈاکٹر اندر راج شرما :- لائن کا مریڈ۔ فیضو نواب کے پڑوسی۔

ڈاکٹر مسز زینتا راج شرما :- بیگم شرما

سسٹر صوفیہ :- ایور ریڈی نرسنگ ہوم کی سینئر نرس۔ بیوہ خاتون

کامریڈ مخدوم	:-	جناب مخدوم محی الدین مخدومؔ شاعر دکن
پنڈت پتنکو	:-	سنسکرت ہندی تلگو پنڈت برہمن
والد صاحب	:-	بی جان بی کے بزرگ والد
روشنیئے	:-	روشن علی خاندانی بھگیلا
سکندر صاحب	:-	فیضو نواب کے حقیقی سالے
پھوپا جان	:-	فیضو نواب کے نسبتی بہنوئی
شرمندہ باشی	:-	بی جان بی کا بھانجہ
ظہور صاحب	:-	متصل پڑوسی
چشتی بیگم	:-	بیگم ظہور صاحب
غازی	:-	دونوں کا نو عمر بیٹا
اعجاز	:-	غازی کا چچازاد۔ اور دوست
سطوت آپا	:-	محلے کی بزرگ خاتون
ممانی جان	:-	فیضو نواب کی بزرگ ممانی
قاضی صاحب	:-	روائتی قاضی
ماسٹر صاحب	:-	راوئتی ٹیوٹر
انسپکٹر	:-	اور مشہود و مسعود دو بیٹے
مہمان کردار	:-	
بتول بی۔ زہرہ بی چنوماں۔ انسویا	:-	بی جان بی کی بے تکلف پسماندہ طبقے کی پڑوسنیں
بڑی دلہن	:-	(بھاوج)
بنارسی بیگم جھانسی بیگم	:-	بڑی بھاوج کی بہنیں
آفتاب خان	:-	بڑی دلہن کا رنڈوا بڑا بھائی
ثمینہ، رضیہ ریحانہ، سلطانہ، زاہد	:-	آفتاب خاں کی معمر اولادیں جنھیں کم سنی کی خوش فہمی لاحق ہے۔
بیداد خاں	:-	جھانسی بیگم کے جیٹھ کا معمر بیٹا
سید احمد	:-	جھانسی بیگم کا دوسرا جیٹھ

گنیش :- پڑوسی کم عمر لڑکا
باب میاں :- پڑوسی لڑکا
بول ملی کے دو بیٹے :-
ارشاد علی :- خودّار خان کے حقیقی بڑے بھائی
بابو، کلیم اور چند نوجوان :- محلے کے لڑکے (اور محلے والے)
آوازیں :- سائیلہ۔ سائل۔ مجذوب۔ خاکروب۔ بھنگی رکشاران۔ گورکھا۔ اور رنگیلا (مرغ) بجلی (بلی) وغیرہ۔ وغیرہ

"کشادگی"

ایک سیاہ لبادہ پوش سایہ۔۔۔۔۔ صلیبی انداز میں معلق خلا میں نمودار ہوتا ہے۔
دو مختلف سمتوں میں پھیلے ہوئے ہاتھ گویا شکوہ طراز ہیں۔

"تن پے کپڑا بھی نہیں پیٹ کو روٹی بھی نہیں ہائے کس حال میں جیتے ہیں یہ جینے والے
ناخدا۔۔۔ ناخدا! تیری خدائی ہے انہی کے دم سے دیکھنا ڈوب نہ جائیں یہ سفینے والے

سایہ اسی حالت میں بڑھتا ہوا بالکل سامنے آجاتا ہے۔ بالکل صاف اور واضح۔۔۔ معاوہ بائیں ایٹری پر دائیرہ بناتے ہوئے گھوم جاتا ہے۔

اک مجسم بد حواس سہا سہا خوفزدہ اور مسکین مرد! دلآویز پر کشش نقش ونگار۔ معصوم آنکھیں۔ گورا رنگ نحیف و لاغر۔ عمر تقریباً چالیس سال۔ قد"9-'5 جسم پر بٹنوں سے محروم خستہ حال شیروانی جو بدن پر درمیانی ہک کے ذریعے یوں اٹکی ہوئی ہے گویا ہینگر پر شیروانی بہ معہ بوسیدہ قمیض ٹنگی ہوئی ہو۔ ٹخنوں کے قریب قریب اونچا چڑھا رفو کیا ہوا چوڑے پائنچوں والا پاجامہ۔ جس پر پیوند لگی بوسیدہ قمیض کا دامن جھول رہا ہے۔ پاؤں میں بے حد بوسیدہ اور میلے بغیر ڈوری والے کینویس ٹینس شو۔۔۔ بائیں پاؤں کے جوتے کو ستلی کی مدد سے پنجے میں باندھ کر رکھا گیا ہے۔ سر پر میلی ترکی ٹوپی۔ جس کا چھدرا چھدرا پھندنا کبھی کبھار ہوا کے ساتھ لہرانے لگتا ہے۔ جس کے نیچے سے پیشانی پر بکھرے ہوئے آوارہ بال اور چھدری خشخاشی ڈاڑھی۔ اس کی معصومیت میں مزید اضافہ کر رہی ہیں۔ گویا کہہ رہے ہوں۔

کچھ اس طرح سے گزاری ہے زندگی میں نے حیات دیکھ کے مجھے جیسے کوئی بھول گیا

شروانی کی بائیں جیب سے روائتی جیبی گھڑی کی چین جھانک رہی ہے بائیں کان میں نہ صرف ایک آدھا پنسل ٹنگا ہے۔ بلکہ عینک کی ڈوری بھی کانوں سے جھول رہی ہے بائیں ہاتھ میں خستہ حال کھلی چھتری اٹھائے بوندا باندی سے بچنے کی ناکام کوشش کر رہے ہیں۔ سیدھی بغل میں فائیل نما ڈبا دبا ہے اور پنجے میں تین ڈبوں والا تام چینی کا توشہ دان۔ ان کے چہرے سے بے پناہ ضبط و تحمل کے باوجود بے بسی اور مایوسی عیاں ہے جو زبان حال سے کہہ رہی ہے۔۔

اب کے بچھڑیں جو ہم شاید کہ پھر خوابوں میں ملیں جیسے سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں

منظر کچھ اور واضح ہوتا ہے۔ گہرے آسمان پر گہرے سیاہ بادلوں کے پس منظر میں پانی بھیگے ہواؤں میں سوکھتے کھڑے وہ جبراً مسکرانے کی ناکام کوشش کر رہا ہے اور بتدریج اونچا اٹھ رہا ہے۔ اب لوہے کی راڈوں سے بنے ہوئے سگنل

ہاوس کی سب سے اونچی چھت دکھائی دے رہی ہے جس پر وہ اس طرح ایستادہ ہے کہ نگاہوں میں صرف اور صرف معلق خلاؤں میں ایستادہ ہونے کا منظر نمایاں ہو جاتا ہے۔ اُس کے قدموں کے نیچے دھاتی سیڑھی ہے وہ جوں جوں نیچے اترتا ہے سلسلہ حسب نسب اوپر رینگتا چلا جاتا ہے نیم پلیٹ پر لکھا ہے۔

"(خان بہادر) سید خودّار خان (بی۔اے۔ عثمانیہ) عرف فیضو نواب متخلص بہ پراگندہ حیدر آبادی۔۔۔۔
اہلکار (سوم درجے) دیوانی اطراف بلدہ

خلف

(خان بہادر) سید دلدار خان افغانی۔ جاگیردار قاضی آباد۔

خلف

(خان بہادر) سید طرحدار خان گولی مار جنگ آف پالاکھل۔ قاضی آباد۔

وغیرہ وغیرہ وغیرہ

صدا:۔ بسکہ دشوار ہے ہر کام کا آساں ہونا۔
آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

"ستارۂ سحر کا"

جیو اور جینے دو

(پوپھٹے ملگجے اندھیرے میں معطر ہواؤں کے دوش پر تیرتی ہوئی دلگداز " اذان " گونج رہی ہے ۔ اذان کے ختم ہوتے ہی مندر کی دلآویز گھنٹیاں بجنی شروع ہوتی ہیں اور روشنی تیزی کے ساتھ پھیلنا شروع ہوتی ہے ۔ جس کے ساتھ ہی گرجا کے "۱۲" گھنٹے اپنے مخصوص انداز میں گونجتے ہیں ۔

پس منظر سے تیلی راجہ کی گھنگھرو ڈنڈے کے ساتھ پکار گونجتی ہے ۔ جئے جئے رام ..... جئے سیا رام !!

منظر ایک مخصوص مکان پر تھم جاتا ہے ۔ یہ ایک بڑا سا ہال ہے جس کے پشت پر دائیں اور بائیں قوس نما مکانیت ہے ۔ بائیں ہاتھ پر چھوٹے چھوٹے دو کمرے جو اسٹیج کی جانب پہونچتے پہونچتے (کچن چونکہ اسٹیج کے بالکل مقابل ہے اندر کا نظارہ صاف دکھائی دیتا ہے جہاں اونچی مینڈھ والا حوض اور پانی کا نل ہے ۔ اسی کے ساتھ دو فٹ اونچی منڈیر میز کا کام دیتی ہے) کچن اور بیت الخلاء میں بٹ جاتے ہیں ۔ بیت الخلاء میں‌چڑھ آنے والی دھوپ کی تیز روشنی بتلاتی ہیکہ بیت الخلاء جزوی بغیر چھت کے کھلا ہے ۔ بائیں ہاتھ والے حصے میں ایک لانبی مستطیل کھڑکی ۔ ایک تین خانوں والی محراب اور باہری دروازہ جس پر بہت ہی خستہ لیکن پاک و صاف پردہ پڑا ہوا ہے ۔ یہ دروازہ اسٹیج پر سیدھی جانب کھل رہا ہے ۔ جس کے باعث تقسیم کرنے والی دیوار سے مُتصِلہ گلیاری اور مکانوں کی دو طرفہ سیڑھیاں بالکل نمایاں ناظرین کے سامنے ہیں ۔ دائیں اور بائیں جانب والی قوس کے بیچوں بیچ اسٹیج کی لمبائی کے ساتھ ۔ اسبسطاس کی چھت سے پیوستہ مکان کے اونچے اونچے تین امرود کے درخت پوری طرح نمایاں ہیں

SITARA-E-SAHER'S one act play Jeo Aur Jene Dô

۔ ان درختوں کے درمیان ایک عارضی مچان بھی بنی ہوئی ہے ۔ ان درختوں سے پرے اونچی دیوار نظر آرہی ہے ۔ جسکی قلعی پوری طرح اتر چکی ہے ۔ کالی سفید دھاریاں دیوار کو ڈراؤونا بنا کر پیش کررہی ہیں ۔ لگ بھگ ۸ فٹ کے بعد دوسری منزل کی دیوار بالکل اجلی ہے جس میں چا ر دروازں والی ساڑھے چار فٹ لانبی ، سوا دو فٹ اونچی سفید رنگ کی کھڑکی پر سفید رنگ کا پردہ دوہرا (اوپر اور نیچے) تنا ہوا ہے ۔ جو بڑی خوبصورت جالی کا ہے جس کے آرپار دکھائی دیتا ہے ۔ اسی کھڑکی کے اوپر جلی حروف میں پینٹ کیا ہوا ہے ۔

" EVER READY "

Dr. Mrs & Mr Sharma's Meternity & Nursing Home

ڈاکٹر مسز اینڈ مسٹر شرما ز ہاسپٹل

اسی کھڑکی سے ساڑھے چار فٹ نیچے میلی اور شفاف دیوار کے درمیان پیوست دیوار کے متوازی ایک ڈیڑھ فٹ چوڑا چھجہ (اثالہ) ہے ۔ اس دیوار اور مکان کے درمیان امرود کے تینوں گھنے درخت بڑی خوب صورت تصویر کا نظارہ پیش کرتے ہیں ۔ اس چھجے پر فی الوقت ایک توانا بلی اپنے چار بچوں کے ساتھ سو رہی ہے ۔ پیڑوں پر چڑیاں چہچہاتی ہوئی پھدک رہی ہیں ۔ اندر ہال میں دروازے کے بازو دیوار پر ایک چھوٹا سا دیوار گیر چراغ ابھی ٹمٹما رہا ہے ۔ کھڑکی کے نیچے بان کی کھٹیا پڑی ہوئی ہے جس کے سرہانے بوسیدہ بستر تہہ کرکے دھرا گیا ہے ۔ دونوں کمروں اور کچن سے دو فٹ کا ڈوپٹہ چھوڑ کر ایک میلی کچیلی لانبی شطرنجی پر بوسیدہ سفید چاندنی بچھی ہوئی ہے جس پر پیوند لگے غلاف چڑھے صاف ستھرے تکیے لگے ہیں ۔ ایک خاتون کی دائیں جانب سات لڑکیاں اور بائیں جانب چھ لڑکے ، جن کی عمریں بس پانچ تا تیرہ سال ہیں ۔ پیارے پیارے گڈّوں اور گڈّیوں کی مانند خستہ حال بوسیدہ پیوند لگی گوڈریوں میں دبکے یا سورہے ہیں یاپھرسونے کا بہانہ کررہے ہیں۔ بار بار کروٹیں بدل کر سر اٹھا کر جھانک کر دوبارہ لحافوں مین دبک جاتے ہیں ۔ بیت الخلاء کے آخری کونے Dead end پہ ایک بڑی جھانپ کے اندر ایک بھاری بھرکم دیسی مرغ تیز غصیلی آوازیں نکالتا ہوا بانس کی دیواروں پر ٹھونگیں لگا رہا ہے ۔ گویا آزاد ہوجانے کے لیے بے چین اور بے قرار ہو ۔

ہال کی اسی دیوار سے لگی ایک بہت ہی قدیم یادگار اونٹ کے سر والی دستی چھڑی کھڑی

ہے ۔ پشتی دیوار کے بیچوں بیچ لگی بہت ہی پرانی گھڑی چھ بج کر سات منٹ بجارہی ہے ۔ اس ہال کی دہلیز جو اسٹیج کے بالکل مقابل ہے لگ بھگ ایک فٹ اونچی ہے اس پر پرانا بیدری ٹونٹی دار لوٹا رکھا ہے ۔ اس کے پیچھے قدیم صراحی اسٹینڈ پر صراحی اور گھڑے پر بیدری گلاس دھرا ہے ۔ دیوار پر نچلی دوری پر ڈونگا لٹک رہا ہے ۔)

صدا : زندگی اپنی کچھ اس طور سے گذری غالب !

ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے !!

(اور ...... منظر باروچی خانے (کچن) پر مرکوز ہوجاتا ہے ۔

کچن کے اندر برپا ہونے والا برتنوں کا شور ناظرین کو اپنی جانب متوجہ کررہا ہے جہاں کوئی مرد حوض کی منڈیر پر اکڑوں بیٹھا برتن مانجھ رہا ہے ۔ چاول سبزی وغیرہ دھورہا ہے ۔ اسکی پیٹھ اسٹیج کی جانب اور مونہہ پچھلی دیوار کو ہے ۔ وہ اپنے کام کے ساتھ ساتھ وقفے وقفے سے کچھ نہ کچھ مصرعوں کی تکرار " پکّی لئے میں کرتا بھی جاتا ہے ۔ جس کی دلآویز اور پرکشش آواز ...... ایک سماں باندھ دیتی ہے ۔)

ساقی کی ہر ...... نگہ پہ ارے ۔ ہاں ساقی کی ہر نگہہ پہ

بیل کھا کے پے گیا ...... بیل کھا کے پے گیا ...... ارہاں ...... پی گیا ۔

لہروں سے کھیلتا ہوا ...... لہرا کے پے گیا ۔ لہرا کے پے گیا ۔

یہہ ہاں ۔ لہرا کے پے گیا ۔

(منڈیر پر بیٹھے بیٹھے تیار سامان میز نما چبوترے پر ڈھکیل کر برتن دھونے والے ڈٹرجنٹ صابن سے سر ۔ مونہہ ۔ ہاتھ دھولیتا ہے ۔ سر دھوتے ہوئے سردی سے لرزتی ہوئی آواز میں '' ریاض " مزید تیز رفتاری سے جاری ہے ۔)

اے رحمتی تمام ...... تمام ...... میرے ہر خطا معاف !

ت ۔ ت ۔ تہ تہ توبا ...... توبا ۔ توبا کو توڑ تاڑ کے ......

(دھماکہ خیز انداز میں) ...... گھبرا کے پے گیا !!

(اوپر رکھے ٹوکرے سے پھٹّی پرانی تولیہ کھینچ کر مونہہ ہاتھ پونچھ کر سر کے گرد لپیٹ لیتا ہے ۔ منڈیر کے کنارے رکھے تیار چاول کے بگونے پر دھلی ہوئی ترکاری کا لگن دھر کر ایک لانبی " ہونہہ " کے ساتھ ...... " یا علی مدد " ...... کہتے ہوئے اسٹیج کو رخ کرتے ہوئے منڈیر پر کھڑا ہوجاتا ہے ۔)

اوہ ! یہ تو عالیجناب !

(خان بہادر) سید خوددار خاں (بی - اے) عرف فیضی نواب المتخلص بہ پراگندہ (تھرڈ کلاس) اہلکارِ دیوانیِ اطراف بلدہ شہر حیدرآباد دکن ہیں - چالیس بیالیس کا سن دیکھنے میں کافی معمر - مریل ، مدقوق منحنی جسمانیت پانچ فٹ دس انچ کو مزید اونچا دکھلاتی ہوئی - پانی سے رِستے پاؤں میں پھٹی پرانی " ٹائر سول " چپلیں جسم پانی میں شرابور ......میلے پاؤں کے اوپر پیوند لگی سفید لنگی دوہرا کر رانوں تک چڑھی بندھی ہوئی - جس کے اوپر کمر میں بوسیدہ قمیض کو سامنے سے کمر میں کس کر گرہ لگائی گئی ہوئی - جیسی دیہاتی عورتیں بلاؤز کو لگا لیتی ہیں - ہلکے رنگ کی لکیروں والی قمیض کا کالر بٹن کے غلط لگنے کی وجہ سے اونچا نیچا ہوگیا ہے - سیدھے ہاتھ کا آستین بازو پر منڈھا ہوا - بائیں ہاتھ کا آستین کہنی سے کھلے کف کے ساتھ لٹکتا ہوا - پتلی سی گردن میں آواز کے ارتعاش کے ساتھ ساتھ گڑھے پڑتے ہوئے - معصوم سا چہرہ ، گالوں پر اُبھری ہوئی ہڈیوں میں دھنسی معصوم سی آنکھیں ، چہرے پر خشخشی کھجوری ڈاڑھی - کھڑے کھڑے جسم سے پانی جھاڑنے کی کوشش کرتے ہوئے......)

"شوقاسے ناکامے کے بدولت - کوں چُپے دل ہی ٹوٹا گیا......

ہاں...... ساری امیدیں ٹوٹا گئیں...... دِلا بیٹھا گیا - جے چھوٹ گیا......

شوقاسے ناکامے کے بدولت...... فسال گل آئی کہ اجل آئے......

کیوں...... کیوں...... کیوں درِ زنداں...... آں - اں - ان

کیوں درِ زنداں کھلتا ہے...... یا کوئی قیدی...... اور آپہونچا -

(دروازے پر زبردست کھٹکا ہوتا ہے فیضو نواب جھک کر لڑکھڑا جاتے ہیں - ہاتھوں میں پکڑے بگونے سے کسی قدر پانی چھلکتا ہے - وہ کسی قدر گیلے ہوجاتے ہیں - انتہائی ناپسندیدگی اور کرب کے عالم میں وہیں سے دوہائی لگاتے ہیں -)

فیضو نواب : کون...... ؟......کاؤن......ہائیں ہے کون ؟ !

(باہر سے کھٹکا بتدریج تیز ہوتا جاتا ہے - اور گھٹی گھٹی آواز میں دروازہ کھولنے کے لیے اصرار بڑھتا جاتا ہے -)

آواز : کھولو......دروازہ کھولو......باہر آؤ......ذرا ...... !

(فیضو نواب اسی حالت میں آہستہ آہستہ دروازے کے قریب پہونچ کر اس طرح کھڑے ہوجاتے ہیں کہ گویا کوئی ایک پٹ کی آڑ لے رہا ہوں - ان کا رخ اسٹیج پر ہے اور پشت

پلنگڑی کی جانب)

فیضو نواب : کیوں کھولوں...... کوئی زبردستی ہے بے ؟!

آواز : اجی۔ کھولو تو سہی ...... کھولو جی۔

فیضو نواب : (پنچم سر پر ڈھارتے ہوئے) بولتے کیوں نہیں۔ ہے کاؤن۔ بولو !!

آواز : پہلے کھولو!

فیضو نواب : پہلے بولو......

آواز : پہلے دروازہ......

فیضو نواب : پہلے کھول مونہہ...... بول...... بول۔

آواز : (غصے کے ساتھ) نئی بولتا جی...... کرلیو جو کرنا چ ہے!

فیضو نواب : نئی کھولتا رے...... کرلے جو کرنا ہے!! اچھا...... سمجھ گیا۔ میں سمجھ گیا۔ ماتادین۔ آخر نکلا نہ وہی بنیا چہ۔ دھوکہ دے کر دروازہ کھلواتا ہے ؟ کل تو نے اپنے باپ کے روبرو...... میرا اسامان گھسیٹ لے جانے کی دھمکی دی تھی۔ اور اب خود آدھمکا ...... ارے...... باپ کے ساتھ بدمعاشی کرکر کے جی نہیں بھرا تیرا...... جو میرے سر پر سوار ہو گیا۔ ارے بدکار...... ارے بدمعاش! تجھے کچھ خدا کا خوف ......

آواز : (ڈھٹائی اور زیادہ تیز کھٹکے کے ساتھ) اجی...... حجت مار رئیں۔ دروازہ کھولو نا جی

فیضو نواب : (پاؤں پٹختے ہوئے زیادہ خوفزدہ تیز آواز میں) نئی ماتا دین نئی ...... میں تیرے چکر میں نئی آنے کا تجھ سے تو تیرا باپ بھی پناہ مانگتا ہے۔...... میں بھلا کس کھیت کی مولی ہوں...... ؟ تو باپ کو کبھی باپ نئی سمجھا رے...... مجھے کیا چچا سمجھے گا ؟۔ باپ کو چکمہ دے کر ننگے ہاتھوں پکڑ کے تیلن کے بستر میں سے تو نے نکال کر بستی بھر میں ذلیل اور خوار کیا۔ اب مجھے چکمہ دے کر میرے گھر سے نکالا چاہتا ہے ؟ ”گراکوں“ کو چکمہ دے کر پکڑنے میں تو حریف ...... غریب انسویا کو محض پچاس روپیوں کی خاطر کھم سے باندھ کر پٹوایا...... اور اب مجھے پکڑنے آیا......

آواز : (دروازہ تقریباً پیٹتے ہوئے) دیکھو دروازہ کھول ڈالو ورنہ......

فیضو نواب : (اچانک چاپلوسی اور انکساری کے ساتھ) بھتیجے !! ماتے !! بیٹا...... سن میری بات !!...... تجھے ذرا شرم نئی آتی ؟ ارے میں کل اچ رات کو تیرے پتا جی کو بہتر روپے ضمن میٹھا تیل دیدے کے سمجھا دیکے آئیوں۔ اب صرف ستر روپئے۔ آٹھ روپے ضمن دال چنا۔ تین

روپے بھمن گڑ۔ تین روپئے بھمن بناسپتی بھمن فاتحہ گیارھویں شریف ...... جملہ ستر پو چودہ روپے، دو آنے بھمن "پیپر میٹ" گویا چوراسی روپے دو آنے۔ کیسالی کر کے دس تاریخ تک دے ڈالتوں بھئی۔ دے ڈالتوں بولا دے ڈالتوں ...... تم ماتا دین کو گھر پر مت بھیجو مجھے عزت کا ڈر کچھ نئی۔ ماتا دین آیا نئی کہ محلّے والے سب کے سب جمبوان سنبھال کے گھروں میں چھپ جاتیں بھاگ کو ...... سنسان ویرانے میں اس کے چلانے سے میرا کیا بگڑتا ہے ...... ؟ بس یہی کہ ذرا ...... بیگم اور بچوں کی نیند خراب ہو جاتی ہے۔ مجھے مت پریشان کرو۔ (غراتے ہوئے) مگر ...... تم آ اِچ گئے نا ...... مجھے کوئی گنڈپا کی گوڈری سمجھا ہے کہ نوٹاں سی سی کو رکھنوں ؟ یا پھر حُمن تیلی ...... صبح سے شام تک ملاوٹ کا تیل چوٹے تول پو بیچ بیچ کو چکنا گھڑا ان بیٹھنوں ...... ہاں! ملازم سرکار ہوں بیٹے ...... تیس دن بیٹھک پو گوند چپّپ کے بیٹھتوں تو کیم کو تنخواہ کو صورت دکھائی دے ...... ہاں !! (زور دار قہقہے کے ساتھ دروازے تھپتھپایا جاتا ہے) ذرا سی صبر کرو ...... چار آٹھ دن میں فیسٹول لون ملنے کا اِچ ہے سب بقایا صاف ...... جو ہے سو وہ بھی جو لینے کا ہوا تو وہ بھی !!

آواز : (فیصلہ کن جارحت کے ساتھ) دروازہ کھول دیو ...... ورنہ ...... !

فیضو نواب : (تیوری چڑھا کر) ورنہ ؟ ...... ورنہ۔ ؟ کیا اکھاڑلو گے ...... ؟

آواز : (نہایت مسکینی کے ساتھ) الٹے پاؤں چلے جاتوں اور کیا کر توں ...... ! پھیکر کا گھسّہ خود اپنی جھولی میں اور کیا ...... !!

فیضو نواب : جاؤ ...... جاؤ ٹھینگے سے۔ بیگن ستی۔ کوئی بلانے آیا تھا مئی تم کو ؟ ...... جاؤ ...... پولیس لیکے آؤ مئی بھی دیکھ لیتوں۔ ہاں۔ (قہقہے کے ساتھ بہت ہی واضح اور صاف آواز) "جاؤں کیا پاشا ؟"

فیضو نواب : (اچھل پڑتے ہیں۔ پانی گرنے سے برتنوں کے ہاتھ میں ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ چلاکر) ارے تو ہے ...... روشن علی !! (کھسیا کر) مال زادے ...... نکٹے بندر! ڈھکیل لے دروازہ کھلا پڑا ہے۔

(آنے والا دروازہ ڈھکیلتا ہے جو ذرا سے زور کے ساتھ اپنے پیچھے لگے پتھر کو گھسیٹتا ہوا کھل جاتا ہے ٹوٹی ہوئی کنڈی تیزی سے ہلنے لگتی ہے)

روشن علی : (سر اور آنکھوں کے اشارے سے) بندگی چالا توں سرکار۔

(روائتی دکنی منحنی سا ٹھگنا خادم جیسے عرفِ عام میں "بھگیلا" کہا جاتا ہے ہاتھوں میں سجا سجایا خوان سنبھالے ادب کے ساتھ اندر آجاتا ہے۔ جس کی لباسی اور شخصی

حالت بہرحال فیضو نواب سے بدرجہا بہتر ہے ۔ شائستگی اور سعادتمندی کی مونہہ بولتی تصویر ۔ انتہائی حیرت کے ساتھ) اذے لیو! مئی یہ کیا تئی اِچ افتاداں دیکھ روں لپشا؟ قمیض اپنے ہینگر پواُنچی اُنچی لٹکتی اے۔ دوہری لنگ کمر پو چڑھی۔ کھندھے پو گیلا رومال......

فیضو نواب : (کھلی ہوئی باچھوں کے ساتھ) الوّ کے پٹھے ...... بد جانور! تونے تو میری جان اچ نکال لی۔ یہ کیا ہے رے ؟

روشن علی : (برا مان کر) الوّ کا پٹھا بولیو، بھٹا ہدر بولیو، جو بولو سو بولیو پاشا...... "پر بچے نوار" نکو بولیو آپ کا نمک خوار غلام ہوں چھوٹے پاشا...... یہ کیا نقشہ (نقشہ) ہا کو اٹھ کھڑ ئیں ہاں ؟ پاواں میں پھٹے چپلیاں۔ کمر پو چڑھی لنگ۔ سینے پو کسی کھمیز۔ اور یہ کیا کی کتے ...... ہاتاں میں دُھلے چانول کا دیچہ ...... اور ترکاری کا لگن ...... اوپر سے نیچے تک پانی اِچ پانی ٹپک کو جاریائے ...... نہائے ناتھ۔ یہ کیا میک اپ ہنائے سرکار؟ ادے کچھ تو موسے بولیو سر سے کھیلو پشا ...... اور کیا کی سوب کے سوب سو کو پڑئیں اُدر دن چڑھ کو آیا۔

فیضو نواب : (برتن کھٹیا پر دھرتے ہوئے) وہ سوب چھوڑ۔ تیری لی جانی دولن پاشا بیمار پڑ کو ہیں انوں سور ئیں تو سوب کے سوب سور ئیں۔ آخر اماں کے بچے ہیں۔ چھٹیاں بھی مل رئیں۔ تو بول کیا لایا ہے ...... (خوان ہاتھ سے لے لیتے ہیں)

عشق نے غالب نکما کر دیا ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے

اب جو رُوچیاں کو پالنا ہے بول کے چلھا پھونک رئیں ...... وقت وقت کی بات ہے۔

روشن علی : (خوان پر سے غلاف اتارتے ہوئے) قبول فرمایئے پاشا ...... لی لی پاشا کے رتجگے کی کھیر ملیدہ گلگلے ...... اور ناستا!!

فیضو نواب : (جن کے مونہہ میں پانی بھر آیا ہے ۔ اک ذرا وقفے سے بیوی بچوں کو پکارنے کی تیاری کرتے ہوئے) آہاہہ ...... ملیدہ ۔ گلگلے ۔ کھیر۔ اور ناشتا ...... ارے مردود ...... سردی کے مارے لق ہو کو "چا" بنانے کو جاریا اِچ تھا کہ تو کمذات ٹپک کو ایک گھنٹہ پٹادیا سارے کپڑے جسم پر اِچ سوکھے ...... اِتنی سردی میں۔ بھاگ۔ دوڑ کے کٹورے طشتریاں چمچے سمیٹ لا۔

(روشن علی اپنی لیدر چپل دہلیز میں اتار کر کچن کی جانب دوڑ جاتا ہے ۔ فیضو نواب دھماکہ خیزاندازمیں چلا کرخوان کھٹیا پر رکھ کرچھوٹاساگلگلہ اٹھالیتے ہیں) "بول جانی بسم اللہ ......" (بڑا سا مونہہ پھاڑ کر گلگلہ حلق میں ٹھونستے کے بعد) لی جان اجی

اٹھو۔ اٹھو۔ دیکھو روشن علی بھائی جان کے ہاں سے حصہ لے کر آیا ہے۔ کیا کیا لے کر آیا۔ برتن تو خالی کر دیو۔ !

(روشن علی پرانی چوبی کشتی میں کچھ برتن لاکر کھٹیا پر دھر کر ادب سے ہاتھ جوڑ کر سونے والوں کے پائنتی کھڑا ہوجاتا ہے ۔ فیضو نواب کھیر ملیدے گلگلے سے شغل شروع کردیتے ہیں ۔

روشن علی : بی جان دولن پاشا...... بندگی بجالاتوں۔ میں خادم روشن علی۔

(بسترکے درمیان سے پراگندہ حال کمزور سی خاتون جماہیاں لیتے ہوئے اٹھ بیٹھتی ہے ۔ اور دونوں جانب پلٹ پلٹ کر بچوں کو ہلاتے ڈلاتے ہوئے)

بی جان بی : اٹھو...... اٹھو...... بچے ہوت...... چھٹی کا دن آجاتا تو بس ایک قیامت ہے۔

روشن علی : بچے اچ ہیں نا دولن پاشا۔ اٹھو پاشا لوگ اٹھو۔ اٹھو بی بی پاشا۔ میں خادم روشن علی۔ ہاتھ مونہہ دھلوا دیتوں ماں !!

بی جان بی : (انگڑائی لیتے ہوئے) کیم الف۔ کیم بے۔

فیضو نواب : (بھرے ہوئے مونہہ سے بڑے پیار اور چونچلے کے ساتھ) دوم۔ سوم۔ چہارم۔ پنجم...... ہونہہ۔ ششم۔ ہفتم۔ ہشتم (بڑی مٹھاس کے ساتھ) نہم بیٹے۔ میری جان !!

(ایک بے حد خوب صورت نازک بچہ ماں کی بغل سے جھانکتا ہے "نہم۔ ابو میں یاں ہوں۔ " گلو گلا " اور ایک ایک کرکے سب کے سب اٹھ کر چھلانگیں مارتے کھڑے ہوجاتے ہیں)

فیضو نواب : ہاں۔ آن دے ڈھیر سارے گل گلے۔ تیرے جیسے !!

روشن علی : (فیضو نواب کی جانب دست بستہ آگے بڑھ کر) سرکار...... جان کی امان۔ یہ الف۔ بے کیا ہے ؟

فیضو نواب : (کھلے دل سے ہنستے ہوئے) ارے روشنیے۔ جو جڑواں آئے وہ الف بے۔ جو سنگل آئے ۔ وہ خالی نہم۔

روشن علی : پاشا! اِن کے نام نئی کیا۔ ؟

فیضو نواب : ارے پورے تیرہ ہیں۔ نام کہاں یاد رہیں گے ؟ پھر انگی۔ ڈنگی۔ لپوڈبو۔ جل۔ بل۔ پام رکھنے کا فائدہ۔

(دریں اثنا ...... بی جان بی بیت الخلاء کی جانب کوچ کرجاتی ہیں ۔ بچے سارے حمام میں گھس جاتے ہیں ۔ لڑکیاں بستر تہہ کرنے اور صفائی میں جٹ جاتی ہیں ۔ خوب سیر ہونے کے بعد فیضو نوا ب چاول کا دیگچہ بمعہ

سبزی کا لگن روشن علی کو سونپتے ہوئے) ”صورت شناسا ہوتی ہے۔
پکارتے اچ انوں سمجھ جاتیئں۔ کی کس کو بلارئیں۔ بس اب اور کیا ہونا ؟“ جا یہ برتن
جاورچی خانے میں رکھ کے آ۔

(روشن علی برتن سنبھال کر کچن کی جانب بڑھتا ہے فیضو نواب بھرپور انگڑائی لے کر کلاسیکی راگ الاپ شروع کردیتے ہیں ۔) ساتے کے ہر بجھہ پے بیل کھاکے پے گیا۔۔۔ بیل کھاکے پے گیا۔

ہشتم الف اور بے (روشن علی کے قریب آکر بازو سے پکڑ کر) ماموں! ہمارے ابو کنگ کانگ ہیں۔ ہاں پتہ ہے تم کو ؟

روشن علی : (جھک کر رازداری سے) یہ کن کان کیا ہوتا ہے پاشا؟

ہشتم الف : وہ ایک کنگ کانگ ہوتا ہے ماموں۔

ہشتم بے : رات بھر یہ بڑے بڑے جانوروں کو مار کر کھاجاتا ہے پھر ندی بھر پانی پی جاتا ہے۔

ہشتم الف : ہمارے ابوّ روز صبح صبح مونہہ اندھیرے ایک بیل کھا کے ......(ہاتھوں سے اشارہ بناتے ہوئے) یہ بڑاسا ایک مٹکہ پانی پی لیتے ہیں۔

روشن علی : (اوئی والے اشارے کے ساتھ انگلی مونہہ پر دھرتے ہوئے) ”ایسا“ ؟

ہشتم بے : اور چلا چلا کے بولتے ہیں۔ بیل کھاکے پی گیا۔

روشن علی : ہاؤ...... پیٹ خوب بھر لیا تو گیدڑ بھی چلاتا ہے۔ یہ تو آدمی ہیں آدمی۔ بوم مارینگے اِچ۔

نہم : (قریب آکر) ”ماموں ماموں۔ ای وّاتے...... امی ان کو پے بھر کے کھانے کو نئی دیتے۔ ڈال لیے...... چراچرا کے کھاجاتے ائیں۔

روشن علی : (بچوں کوتھپک تھپک کر ہٹاتے ہوئے) سمجھ گیا پاشا سمجھ گیا ...... رکل لئے ...... توٹ پڑ کو کھاجاتیں۔ (جھٹ پٹ کھٹیا کے پاس آ کر برتن خالی کرکے خوان باندھتے ہوئے) سرکار...... بولاچالا معاف فرمائیے۔ چلتوں......

فیضو نواب : (دوڑ کر محراب کے قریب جاکر کچھ تلاش کرتے ہیں ۔ قریب آکر کھسیانے پن کے ساتھ) لے ...... یہ دو آنے ...... انعام رکھ لے ...... کچھ خیال مت کر پہلی پو پورا انعام دوں گا۔

(روشن علی ادب سے لے کر آنکھوں سے لگاتا ہے)

روشن علی : ...... ”پاشا...... تبرک بھدرے بادام...... آپ کا ہاتھ لوپر ہے بس ہے آپ کا نمک خوار خلام ہوں پاشا!!

(سلام کرتے ہوئے) بی جانی دولن پاشا چلتئوں سرکار خدا حافظ۔

میاں بیوی : (ایک ساتھ) ہمارا اسلام عرض کرنا بھائی جان کو۔ بچوں کو دعا پہونچانا۔ ہاں

روشن علی : (پلٹ کر) ہئی مائی باپ !!

(بی جان بی کھیر ملیدہ۔گلگلوں پر قبضہ جماکر کمزور سی پلنگڑی پر براجمان ہوگئی ہیں۔ نہم اُن کی بغل میں پیوست ہاتھ اور منہ جم کر چلا رہا ہے۔ یکم تا ہشتم اکہرے اور دوہرے Singles and doubles جملہ بارہ بچے بے تحاشہ گھٹنوں کے بل لپٹے لپٹائے بچوں کی روایتی چیخ و پکار اور اُدھم کے ساتھ لوٹ مچائے ہوئے ہیں۔ کہ ایک غیر معمولی بھاری بھرکم دیسی مرغ جس کے پاؤں میں گھنگرو بج رہے ہیں۔ دھماکے کے ساتھ۔ انتہائی تیز چیخ مارتا ہوا بیچوں بیچ ہال میں کودتا ہے۔ ایسے کہ سب کے سب بُری طرح چونک جاتے ہیں)

فیضو نواب : (بلبلاکر) رنگیلے! آجا میری جان آجا۔

(مرغ جم کر دوچار بانگیں ٹھونک دیتا ہے۔ اور ساتھ ہی حملہ آوری کے انداز میں فیضونواب کی جانب بڑھتا چلا آتا ہے۔ فیضو نواب قمیض کی جیب سے ایک موٹا سا گلگلہ برآمد کرتے ہوئے چلاتے ہیں) یار...... غصہ حرام ہے...... لے۔ لے رکھا ہوں نا چھپا کے تیرے حصے کا گلگلہ ...... لے جا...... لے جا۔

(مرغ گلگلے کو جھپٹ کر چونچ میں دباکر۔ لمبی کر اک کے ساتھ فیضو نواب کی پیٹھ کے پیچھے چھپ جاتا ہے۔ فیضو نواب دونوں طرف سے ہاتھ ڈال کر ڈھونڈتے ہوئے) "کیا ہوا میری جان ...... کیا ہوا رنگیلے ...... میرے بچے !!

بی جان بی : (بیزارگی سے) چھوڑو جی مرغ کو میرا بچہ۔ میرا کہنا۔

فیضو نواب : کیسے چھوڑدوں ؟ یہ تو نہم کا جوڑی دار ہے۔ بھول گئے۔ نہم جس دن جس گھڑی پیدا ہوا ...... یہ بھی اُسی دن اُسی گھڑی پیدا ہوا ...... سب چلے گئے یہ بچ گیا ......!

(گھر کے باہر انتشار انگیز شور برپا ہے۔ جو تیزی کے ساتھ قریب آرہا ہے۔ اور اچانک دروازہ بری طرح پیٹا جاتا ہے) "الٰہی خیر ...... کیا ماتا دین ...... سارے موحلے کو اٹھالایا؟"

پہلی پکار : جناب سید خوددار خان پراگندہ صاحب ......!

دوسری پکار : جناب فیضو نواب پراگندہ صاحب

تیسری آوازیں : فیضو بھائی ...... فیضو بھائی ...... ذرا باہر تو آیئے ہم لوگ آپ سے کچھ کہنا چاہتے ہیں

(جوں ہی اٹھنے لگتے ہیں رنگیلا ہاتھ پاؤں میں منڈلانے لگتا ہے ۔ فیضو نواب جھنجھلاکر) : ارے یار پیچھا چھوڑ باہر جانے دے ۔ دیکھوں معاملہ ہے کیا۔

(دروازے کو بند کرکے مجبور ہوکر رنگیلے کو اُٹھاکر سیدھی بغل میں دبا لیتے ہیں ۔ اور اس طرح برآمد ہوتے ہیں گویا بڑی طاقت محسوس کررہے ہوں) آیا بھائی آیا ...... کون ہو...... کیوں صورِ اسرافیل پھونک رہے ہو ...... ارے معاملہ کیا ہے۔ کیا قیامت برپا ہو گئی ؟

(پردہ اٹھاکر باہر نکلتے ہی ایک غیر معمولی مجمع کھڑا ملتا ہے جس کے سامنے دو کمسن لڑکے اور ایک چھوٹا بچہ ...... زخمی بلی کو گود میں اٹھائے کھڑے ہیں ۔ بلی کے چہرے کا بایاں حصہ لہولہان ہے ۔ مجمع اور زخمی بلی کو دیکھتے ہی مرغ بغل میں سے نکل بھاگنے کو چیخ و پکار کے ساتھ جھٹپٹانا شروع کرتا ہے ۔ فیضو نواب دونوں ہاتھوں سے جکڑتے ہوئے) ”حکم فرمائیے سرکار......“

بڑا لڑکا : چاچا! آپ کے رنگیلے نے ہماری رانی کی آنکھ پھوڑ دی۔

فیضو نواب : کون !! میرے رنگیلے نے...... ؟...... آپکی رانی یعنی آپکی بلی...... (بڑی ملائمت سے) بیٹے ؟ کہیں مرغ بھی بلی پر حملہ کرتا ہے ...... ؟ وہ تو بلی کے ننھے بچے سے بھی ......!

ایک صاحب : فیضو بھائی ! وہی تو پوچھنا ہے آپ سے ؟ کیا آپ نے اپنی ساری مردانگی رنگیلے کو بخش دی اور خود مرغا بن گئے ؟

فیضو نواب : جی مہربان...... یہ آپ کیسی ناشایستہ گفتگو فرما رہے ہیں۔

دوسرے صاحب : پھر آپ مان لیجئے کہ رنگیلے نے سارے موحلے کا جینا حرام کر رکھا ہے...... اس کے خوف سے تو مرغیاں ...... ڈربے سے اور بچے ماؤں کی گود سے باہر نہیں نکلتے...... کسی کے سر پر کودا کسی کے دستر خوان پر ہلہ بول دیا...... کسی بچے کے ہاتھ سے پاپڑ مرکل اُچک لئے ......کسی عورت کے سر پر ٹھونگ ماردی......کسی کے کپڑے گندے کر دیئے...... ارے صاحب !! یہ آپ نے کس بلا کو ہمارے سروں پر مسلط کر دیا ہے ؟

ایک اور صاحب : اور آج اس نے...... ہم نے خود دیکھا ہے اس حرامی نے اُس معصوم بلی پر حملہ کر دیا۔

پہلوان : (غرّاتے ہوئے) اجی......اس معصوم رانی کی آنکھ پھوڑ دی......مذاق نہیں ہے کیا سمجھے ؟

(گریبان پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے فیضو نواب جھٹکا دیکر خود کو چھڑالیتے ہیں ۔ اسی جدوجہد میں رنگیلا اُن کی بغل سے کود کر نکل بھاگتا ہے ۔ سارے مجمع میں چیخ و پکار مچ جاتی ہے)

فیضو نواب : چھوڑیئے ...... چھوڑیئے ۔ یہ کیا بد تمیزی ہے ؟" آپ جو کہہ دیں وہ مان لوں ہاں (ایک اور صاحب بیچ بچاؤ کراتے ہوئے) ہٹیئے پہلوان ...... (فیضو نواب کی تھوڑی کو ہاتھ لگاکر) چچا...... پہلوان ہی نے نہیں ہم نے بھی دیکھا سب نے دیکھا پہلوان صاحب نے پکڑنے کی کوشش کی تو جُل دے کر اُن کو موری میں گرادیا ...... دیکھئے اُن کا چہرہ کس طرح چھلا جاکر لہولہان ہو رہا ہے ؟...... اور خود بھاگ نکلا!!

فیضو نواب : (جواباً تھوڑی پکڑکر) بھائی وہ تو بے عقل معصوم جانور ہے۔ پہلوان صاحب توانسان ہیں عقل مند ہیں ...... آپ نے کہا چہرہ چھیل دیا چلیئے مانا...... آپ نے کہا بلی کا دیدہ پھوڑدیا...... اور بلی نے چپ چاپ پھوڑوالیا۔ بلی نے ...... گویابلی نہ ہوئی ......

چھوٹا سا بھولا بھالا بچہ : (فیضو نواب کے قمیض کا دامن پکڑ کر کھینچتے ہوئے) انکل بلی کی آنکھ پر مکھی بیٹھی تھی۔

فیضو نواب : آہاہا...... ارے وہ مکھی کو مارنے گیا ہوگا...... مکھی اُڑ گئی چونچ بلی کی آنکھ میں ...... لگ گئی...... اگر وہ بھاگ لیتی یا اوپر آجاتی ....

بچہ : وہ کیسے حرکت کرتی انکل ......وہ تو ہمیشہ زنجیر سے بندھی پڑی رہتی ہے۔

پہلوان صاحب : (تلتلا کر اس طرح ناچنا شروع کردیتے ہیں جیسے مست علم بردار علم کو لیکر ناچتے ہیں) چھوڑوں گا تو نئی...... سید صاحب دیکھ لینا۔ چھوڑوں گا تو نئی...... (خم ٹھونک کر) میں اُسے ہنڈی میں سلا کے اچ دم لیوں گا...... ہاں اِتا لال ڈوری پنا کینچ دم لیونگا۔ ایک دن دیکھ لینا اپے...... (مٹھی پر مٹھی مارتے ہوئے) دیکھنا لینا ...... سید صاحب...... سالے کو ہنڈی میں سلا کے اچ......

(اندر سے مرغ کی گرجتی ہوئی بانگیں سنائی دے رہی ہیں)

فیضو نواب : (دو ہاتھ جوڑکر) معاف کیجئے پہلوان صاحب ...... بھائی !!ایک ناسمجھ معصوم جانور سے اتنی دشمنی ...... انسانیت دشمنی کی بدترین مثال ہے ۔ (اندر گھس کر دروازہ بند کرلیتے ہیں) "رنگیلے !! آجا میری جان ! (گود میں لے کر سہلانے لگتے ہیں-مرغ بھی بڑی سادگی سے سینے پر سر ٹکا لیتا ہے) رنگیلے یار ! یہ بدمعاشیاں کب تک ؟ تری بد معاشیاں تری جان اور میری عزت لیکے جائیں گی کیا...... ؟ لاکھ سمجھاتا ہوں یار انسان بن جا...... سمجھتا ہی نہیں۔

نہم : (قریب آکر مرغ کا پنجہ کھینچتے ہوئے) کل چھے اسکول جایا کر......ہفتم بے کے ساتھ۔

فیضو نواب : (چونچ تھام کر سمجھانے والے انداز میں) کیوں جا کے اُس مردار نجتی چمکی جیسی بلی کا گندہ دیدہ پھوڑ ڈالے؟ رنگیلے!! وہ کتیا اس لفنگے پہلوان کی جو رُو لگتی ہے۔ اب اُس قصائی کے آگے نکو جا...... ہاں بھون کر کھا جائے گا تجھے کہے دیتا ہوں! پھر نہ کہنا ...... چاپا نہیں ظالم سے (پکار کر) بچے ہوت ” خبردار!! رنگیلے کو کھلا مت چھوڑو......“

(بڑی مشکل سے جھانپ میں بند کرکے وزنی پتھر دھر دیتے ہیں۔ رنگیلا زبردست احتجاجی بانگ سے اس فرمان کا خیرمقدم کرتا ہے)

♦ ❀ ♦

(روشنی کے اتار چڑھاؤ اور چراغ کی بڑھتی گھٹتی لو سے دن اور رات بدلنے کا اشارہ ملتا ہے۔ گھڑی بارہ کے گھنٹے بجاتی ہے۔ کچھ ہی دیر بعد بیگم کسمساتی ہوئی، عاجزی اور انکسار کے ساتھ آواز دیتی ہے)

للی جان بی : اجی...... سنو جی۔ نہم کے ابو!! سنتے ہو؟! (فیضو نواب جان بوجھ کر کھٹیا پر دبک جاتے ہیں) ذرا کی ذرا میری کمر دبا دیو جی......ٹوٹ کو ٹکڑے ہو رہی اے۔ آنکھ نئیں جھپکتی......اجی!

فیضو نواب : (فیضو نواب بادل نخواستہ ہڑبڑا کر جاگنے کا بہانہ کرتے ہوئے اٹھ جاتے ہیں) یار عجانی...... غضب کرتی ہو تم بھی۔ او نیک بخت۔ ذرا دو گھڑی سو لینے تو دے۔ ساڑھے چار بجے سے کام پر چڑھنا ہوتا ہے۔ (طوہاً و کرہاً آکر بیٹھ جاتے اور ڈل ڈل کر کمر دابنے لگتے ہیں۔ گھڑی دو بجاتی ہے۔ نہم جاگ پڑتا ہے اور دیدے پھاڑ کر باپ کو ڈل ڈل کر ہاتھ پاؤں دابتے دیکھ کر مونہہ بسورنا شروع کرتا ہے)

نہم : ابو......ابو سو سو!!......

فیضو نواب : (ہاتھ ڈال کر بچے اور پھر بستر کو ٹٹولتے ہوئے) ہت تیری کی۔ گیلا کر دیا نا بستر ...... ارے۔ رے۔ رے کیا سرکاری نل، بغل میں دابے سوتا ہے۔ اب صبح مجھے اچ دھونا پڑیں گا۔ سارا بستر!! اتار چڈی اتار کے پائینتی پھینک۔

(بستر کو کسی نہ کسی طرح ترتیب دینے کے بعد بچے کو تسلی دیکر ساتھ لیجاکر اپنے بستر پر گرجاتے ہیں - بی جان بی خراٹے بھرتی مست سو رہی ہیں) لے اب سوجا گرم گرم میری بغل میں۔ہاں ...... اب مگر نہ موتیو راجا۔

(سونے والوں کے خراٹوں کی گونج کے ساتھ ساتھ پو پھٹتی ہے۔

دلنشیں نہج میں مصری طرز کی اذان

مندر کے گھنٹے۔چڑیوں کی چہک گرجا کے گھنٹے

اور تیلی راجا کی گھنگھرؤں کی گونج کے ساتھ "جے جے رام جے سیارام"

اور پھر...... جھانپ کے اندر سے رنگیلے کی زبردست تان۔)

فیضو نواب : (ہڑبڑا کر بچے کو کنارے کھسکاتے ہوئے اٹھ بیٹھتے ہیں - مونھہ پر ہاتھ رکھ کر جماہی لیتے ہوئے کھٹیا سے اتر کر کس کر انگڑائی لیتے ہوئے) اٹھ گیا۔اٹھ گیا۔میرے چچا!! میری جان!! ہاپ! کافی دن چڑھ آیا...... ارے باپ رے (جھانپ اٹھا کر پچکار کر نکالتے ہوئے) جا...... بھر پور اُجالا ہونے سے پہلے گھوم پھر کر آجا۔کسی آنگن میں مت اترناہاں۔ (مرغ زبردست بانگ کے بعد ایک ہی چھلانگ میں پہلے فیضو نواب کے کندھے اور پھر دیوار پر چڑھ جاتا ہے) اور ہاں......کہیں پرائی مرغیوں کومت چھیڑیو...... (فیضو نوا ب مشترکہ طور پر کچن اور حمام میں رپٹ کر روزمرہ کے کام نپٹارہے ہیں - ساتھ ہی ساتھ گرم جوشی کے ساتھ رسیلی آواز میں استادی لئے دہراتے چلے جاتے ہیں)

"...... فصل گل آئی ......آئی۔آئی

فصل گل آئی ...... کہ اجل ۔ اجل آئی آ ئے ......آ ئے ......آئی!! فصل گل آئی ...... کہ اجل ...... کیوں درِ زنداں کھلتا ہے!! کیا کوئی وحشی ......اور آپہونچا یا کوئی قیدے چھوٹا گیا (متعلقه دیوار کے پیچھے سے لانبی چیخ) یاھو"

فیضو نواب : (ایک ہاتھ میں اپنا روایتی ٹفن پکڑے عادی دوروں میں گول گھومنے والے انداز میں)...... "آہاں۔آن۔خشکہ کھٹی دال تیار۔پالک کا ساگ ...... ؟ بھون دیا!! عجانی کے لئے ساگو ...... ؟ بنادیا...... توشہ بندھ گیا...... ارہان۔چاء کے لئے پتی گڑ ملا کے انگاروں پر دھر دیا...... اب صرف دفتر کی تیاری"...... (رپٹ کر کمرے میں گھس کر پردہ کھینچ لیتے ہیں جس کے سوراخوں اور نچلے حصے سے ان کی تیاری

کی جھلکیاں دکھائی دے رہی ہیں۔ ساتھ ساتھ ہلکی لئے میں گانا جاری ہے)

" نہ جاؤ کہانا...... نہ جاؤ کہانا روویں گی ساری گئیاں روویں گی ساری گئیاں جمونا کا دِل ٹوٹو جائے گا۔ برنداون سونا ہو جائے گا گئیاں پکاریں گی کرشنا کنھیا۔ کرشنا کنھیا۔ نہ جاؤ کاہنا۔ نہ جاؤ کاہنا۔

(ہال کا تفصیلی کلوز اپ۔ دیوار ی گھڑی سات بج کر پندرہ منٹ بتا رہی ہے۔ روایتی انداز میں کھٹیا پر نہم سو رہا ہے ساتھ میں پرانی دقیانوسی کرسی لگا کر گرنے سے تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ بستر میں بی جان بی اور بارہ بچے مدہوشی میں غلطاں خراٹے بھر رہے ہیں۔ ان کے پائینتی بیچوں بیچ فیضو نواب تیز روشنی کے درمیان۔ دفتر کے لئے مکمل تیار دم بخود کھڑے ہیں ان کا مونہہ ناظرین کی جانب اورپیٹھ سونے والوں کی طرف ہے۔ مریل سے منحنی جسم پر لانبی ڈھیلی ڈھالی بٹنؤں سے محروم شیروانی درمیانی ہك سے ٹکی ہوئی ہے۔ سینے کلائیوں اور دامن پر پیوند لگی رفوشدہ بوسیدہ قمیض جھلك رہی ہے۔ سر کے پریشان بال پیشانی پر جھولتے ہوئے بالوں پر ٹکی میلی ترکی ٹوپی۔ جس کا چھدرا چھدرا پھندنا ہوا سے اٹھکھیلیاں کررہا ہے۔ شیروانی کے سینے کی جیب سے جھانکتی ہوئی جیبی گھڑی کی صرف زنجیر۔ نچلے لباس بطور، ڈھیلے پائینچوں والا بہت ہی خستہ حال پائیجامہ۔ پاؤ ں میں میلے پھٹے پرانے کینویس کے جوتے۔ بغیر ڈوری والے۔ بائیں پاؤں کے جوتے نے پوری طرح مونہہ کھول رکھا ہے۔ شاید اسی لیے بائیں پاؤں کے جوتے کو ستلی سے کس کر پیرمیں جمایا گیا ہوا ہے۔ بائیں ہاتھ میں اونٹ کے سر والی اونٹ کی ہڈی کی چھڑی۔ دائیں ہاتھ میں تین ڈبوں والا تام چینی کا توشہ دان اور بغل میں بھاری " طبلق " (فائیل)۔ کانوں سے جھولتی ہوئی ڈوری میں ٹنگی عینك ...... مجسم بدحواس ...... بڑے ہی ذمہ دارانہ انداز میں ملائمت کے ساتھ۔ بیگم سے مخاطب ہوتے ہیں۔) بیگم۔ بیگم !! بی جان۔ سواسات بجے ہیں۔ اٹھ جاؤ۔ دفتر میں ہڑتال چل رہی ہے نا ذرا جلدی پہونچ کے اندر جا کے بیٹھ جاتوں دیر ہو گئی تو یونین والے دھرنا لگا دینگے اندر جانے نئی دیں گے۔ خواہ مخواہ تنخواہ کی کٹوتی ہو گی...... بی جانی بارہویں ہڑتال ہے۔ آج تک مئی کسی ہڑتال میں حصہ نئی لیا...... ہمیشہ بہ پابندی حاضر رہا۔ عہدیداران بالا کو فخر ہئی کی مئی کبھی بھی یونین والوں کا ساتھ نئی دیتوں...... ہمیشہ سرکار کا وفادار رہیوں۔ اسی لیے مطالبات منظور کرتے ہوئے سب سے پہلا فائدہ مجھی کو دیدیتے ہیں۔ بجانی...... اٹھو...... اٹھو...... ذرا جلدی میں ہوں۔ جانے دیو بھئی۔ دیکھو...... خشکا کھٹی دال بنادئیوں پالک کا ساگ بھون دیئوں...... تمارا ساگوٹی بناڈالیوں...... کھالئیو بچوں کو کھلالیو بی۔

بی جان بی : (بستر میں کسمساتے ہوئے) اون ہون۔ سونے دیئیو جی۔ ساری رات تڑپتے کٹ گئی نا......

فیضو نواب : تم سوتے جاتیں تو پوتا ٹین بھی سوتے چلے جاتیئں۔ سوتے سوتے کیا قسمتوں کو سلا لینگے تم لوگاں ......؟ صبح کا سونا ہلاکت ہے...... ہلاکت ...... چلو ! اٹھولی......

(ایک ایک کرکے سب اٹھنے لگتے ہیں اور یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کو سلام بجالاتے ہیں)

فیضو نواب : (گردن کے اشارے سے سب کے سلام کا جواب دیتے ہوئے) مجانی...... میں چاء پی لیئوں۔ تمارے لیے بھوبل پے رکھ چھوڑوں۔ یکم بے کو بول کے ہوالیو۔ اچھی ہناتی ہے اور ہاں ...... پنجم الف کو بول کے دو آنے کا دودھ یلا کے پاس سے منگوالیو...... دو وقت کر لینا...... چلوں اب ؟

بی جان بی : (جماہیاں لیتے ہوئے) تم توشہ لے لئے جی ؟

فیضو نواب : (زور زور سے ڈبّہ ہلاتے ہوئے) یہ کیا۔ لے لیا۔

(دفعتاً توشہ کھل کر گر پڑتا ہے ۔ اندر سے پاؤ ٹکڑا جوار کی روٹی دو چمچے ساگ چند لچھے پیاز کے باہر گرتے ہیں بچی جھپٹ کر گری ہوئی اشیاء ٹفن میں ڈال کر ٹفن بند کرنا چاہتی ہے لیکن بی جان بی جھپٹ کر ہاتھ میں لے لیتی ہے اور تمام ڈبوں کو کھنگالتی ہوئی ۔ کچھ نہ پاکر روٹی کا ٹکڑا ہاتھ میں لے لیتی ہے ...... اور بڑے افسوس کے ساتھ)

بی جان بی : کیاجی...... رات کی باسی جوار کی روٹی کا پاؤ ٹکڑا؟ رکھ لئے۔ ناشتہ بی یہی اچ۔ دوپہر بھی یہی اچ ؟

فیضو نواب : آٹا ختم ہو گیا ہے۔ چاول ذرا کم ہیں۔ مبادا۔ تم لوگوں کو کمتی نہ ہوں۔

بی جان بی : ساتھ بیٹھنے والے کیا بولیں گے جی۔ اتنے بڑے ڈبّوں میں......

فیضو نواب : مجانی میں پندرہ برسوں سے گرہستی چلاروں بچہ تھوڑی ہوں۔ ایسے موقعوں پر خاموشی سے کھسک کے پبلک گارڈن میں چلے جاتوں جی۔ لاؤ لاؤ بند کر کے دیئو۔ (ہنستے ہوئے) ہم لئے سب کے سب بولتیں آج فیضی نواب کے توشے میں ضرور بریانی کباب میٹھا ہوں گا۔ اور کیا (ڈبّہ لیتے ہوئے) ڈرو مت ! ! بند مٹھی بھرم بھاری ...... کام چلالیوں گا (بیوی کے قریب جاکر جھک کر بڑی عاجزی کے ساتھ) ایک آنہ دیتے ؟

بی جان بی : (ہچکچاتے ہوئے) تھیلی کے اندر سے ایک آنہ نکال کر دیتے ہوئے) چھوڑو نا جی روز کا اصراف...... لئیو...... ایک آنہ ۔ دو دن چلالئیو۔ (رنگیلے کی تڑاخ دار بانگ)



(ہال میں فیضو نواب فرش پر گاؤ تکیے سے لگے نیم دراز مست حالت میں بیٹھے ہیں ایک کھڑی ٹانگ پر دوسری ٹانگ آڑی رکھی ہے ایک ہاتھ سر کے نیچے رکھا ہے اور دوسرے ہاتھ کی بند مٹھی میں سگریٹ لیے کش پہ کش لگا کر دھوئیں کے مرغولے چھوڑ رہے ہیں۔ ان کی ادھ کھلی غلافی آنکھیں راحت اور سکون کی چغلی کھارہی ہیں۔ سامنے کھٹیا پر سکندر صاحب اُن کے سالے بیٹھے ہوئے ہیں)

فیضو نواب : بڑے صاحب سے بول کے آج آدھے دن کا پرمیشن لے لیا ہوں میاں۔ اب اطمینان سے لنچ کے بعد دفتر جاؤں گا...... چلو اچھا ہوا سکندر میاں آپ سے بہت دنوں بعد ملاقات ہوگئی عمدہ سگرٹ بھی ملا۔

سکندر صاحب : آپ کو دیکھ کے مجھے بھی بڑی خوشی ہوئی بھائی جان۔ کوئی خاص کام تھا آج...... ؟

فیضو نواب : نئی جی ۔ بس یکسانیت سے طبیعت اوب گئی تھی۔ ادھر دو دن سے سیدھی ہتھیلی بہت کھجارہی ہے۔

سکندر صاحب : (قہقہہ لگا کر اپنے بالوں کو پیچھے ڈھکیلتے ہوئے) گویا آپ کو مال ملنے والا ہے

(بی جان بی چھوٹی سی پرانی کشتی میں دو چھوٹے چھوٹے فنجانوں میں " سلیمانی " چائے لیکر آتی ہیں)

سکندر صاحب : آپا۔ آپکی سلیمانی میں میری جان اٹکی رہتی ہے۔

(پنجم الف اور بے کمرے کا پردہ ہٹا کر ناگن سپیرا کاسٹیوم پہنے برآمد ہوتی ہیں۔ اور جھک کر دونوں کو سلام کرتی ہیں۔ سکندر صیاحب اٹھ کھڑے ہوجاتے ہیں)۔

سکندر صاحب : ہائیں! کون! پنجم الف پنجم بے۔

پنجم الف و بے : جی ماموں جان۔

فیضو نواب : (اطمینان سے) اجی جناب آج ان کے مدرسے میں کلچرل پروگرام ہے دو بجے سے...... پنجم الف ناگن بنی ہے بے سپیرا...... ذرا ان کا ڈانس تو دیکھو...... چلو...... شروع ہوجاؤرے

پنجم بے : اوں...... چاء ختم کر کے پہلے آپ تو شروع ہو جاؤ!!

(دونوں بچیاں جلدی سے فرش صاف کرکے، فرش پر فرنچ چاک چھڑک دیتی ہیں۔ فیضو نواب سنبھل کر سمٹ کر بیٹھ جاتے ہیں فیضو نواب : ریڈی۔ اسٹیڈی...... دونوں بچیاں اپنی اپنی پوزیشن لے لیتی ہیں " بِگن " ساتھ ہی فیضو نواب دونوں ہاتھوں سے ناک اور مونہہ کو ڈھنک کر " بین کی ناگن لئے " بجانا شروع کرتے ہیں۔ آٹھ نو سالہ بچیاں کمالِ مہارت کے ساتھ انتہائی پرکشش رقص پیش کرتی ہیں۔ سکندر صاحب ایک کنارے

مونہہ پھاڑے کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں ان کے ہاتھ میں چاء کا فنجان جوں کا توں مونہہ اور سینے کے درمیان معلق ہے بی جان بی ایک کنارے کھڑی مسکرا رہی ہین ۔ یہ سلسلہ سات منٹ جاری رہتا ہے ۔ اور جب پہلے رقص اورپھر مصنوعی موسیقی ختم ہوتی ہے تو دروازے پر ڈاکٹر مسز اینڈ مسٹرشرما اور اُن کے اسٹاف کا احساس ان کی تالیوں کی گونج سے ہوتا ہے ۔

ڈاکٹر مسز شرما : (آگے بڑھ کر دونوں بچیوں کو گلے سے لگالیتی ہیں) ویری گڈ۔ ایکسیلنٹ۔ کیا خوب کیا کہنے ...... اتنی غربت، کسمپرسی اور لاچاری میں آپ کے بچوں کی یہ صلاحیت ہے۔ انہیں اگر اعلیٰ ماحول ملتا......

ڈاکٹر شرما : تو کچھ نہ بنتے...... خداداد صلاحیت، قابلیت اور خوش بختی وہ کنول ہیں جو ہمیشہ کیچڑ میں ہی پیدا ہوتے ہیں (فیضو نواب کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے) قبلہ !!آپ چھپے رستم نکلے۔ حلق سے بین بجادی !!

ایک اور ڈاکٹر : اور اگر سچ مچ ناگوں کے جوڑے آجاتے تو ؟

سکندر صاحب : (قہقہہ لگاکر) آپ...... تو سب آگئے۔

(پیچھے سے آواز ....) چلو بچوں استانی ماں آگئیں۔ رکشا حاضر ہے !!

ڈاکٹر مسز شرما : چلو پنچم الف بے۔ پرائز لیکر آنا...... ہم سب بھی سرپرائز دیں گے...... ! چلئے ہم بھی چلتے ہیں۔

(سب کے سب باہر نکل جاتے ہیں ۔ فیضو نواب اور سکندر صاحب دوبارہ اڈجسٹ ہوجاتے ہیں)

فیضو نواب : حلق ٹوٹ رہا ہے...... میاں ایک سگریٹ ملے گا ؟

سکندر صاحب : (ڈبی نکال کر بڑھاتے ہوئے) یہ آپ کب سے جانتے ہیں ؟

فیضو نواب : جانتا نہیں تھا۔ بچوں کو ریہرسل کرانی لازم تھی۔ گراموفون اور ریکارڈ کہاں سے لاتا...... ؟ سکول کے چپراسی کو کچھ دے دلا کے، وہیں بیٹھ کے پہلے خود ریہرسل کی۔ تو ان کو اتنی ریہرسل کرا یا کہ۔

سکندر صاحب : کہ ہو سکتا ہے یہ نقد پرائز لائیں ہتھیلی جو کھجلا رہی ہے آپ کی۔

(بی جان بی آکر فیضو نواب کے بازو دھم سے گاؤ تکیے کے کونے پر بیٹھتے ہوئے)

بی جان بی : نئی بات وہ نئی ہے جب جب شمع معمہ جاتا ہے تب تب ان کی سیدھی ہتھیلی کھجاتی رہتی اے اور جب نتیجہ الٹا ہو جاتا ہے تو بائیں کھجلا کھجلا کر کنگال کر دیتی اے۔ ہزار بار کہتی ہوں۔ پانچ روپے اچ کیوں نہ ہوں بتو ضائع کرو۔

فیضو نواب : (روٹھتے ہوئے) بی جانی...... مجھے نہ چائے پان کا شوق نہ سیر و تفریح کا نہ پکچر بازی کا نہ ہوٹل بازی کا...... ایک ماہانہ پانچ روپے خرچ سے تین شمع معمے بھیجتا ہوں۔ اس امید پر کہ

دینے والا جب بھی دیتا ہے چھپّر پھاڑ کے دیتا۔ کچھ لگ گیا تو دِناں پھر جائینگے اپنے چو نکے۔

سکندر صاحب : ہاں۔ ہاں۔ چھپّر کے پھٹنے کا کوئی تو ذریعہ ہونا ہے۔

لی جان لی : (چیں به جبیں ہوکر) برسوں سے لگا رئیں...... ملی کبھی کوئی پھوٹی کوڑی ؟ اور نئی تو ابی تک ہزار پانچ سو تو لگ اچ چکے......!!

فیضو نواب : دیکھ لئیو سکندر میاں۔ یہ انوں اب بول رئیں۔ "اب"۔ جب۔ انعام لگ جائینگانا۔ تب یہ ایسا نئی بولیں گی...... ہاں

لی جان لی : وہ ایک نہ ایک دن کے انتظار میں انتقال اچ ہو جائیگا۔ بات آئی گئی ہو جائینگی۔ دیکھ لینا تمے دیکھ لینا۔ ہاں!!

سکندر صاحب : آپا: قسمت آزمانے میں کیا برائی ہے۔ لاٹری تو رکشا والے کے بھی نکلی ہے ؟

لی جان لی : (روہانسی آواز میں) کبھی ملے تمے اس رکشا والے سے ؟ کبھی دیکھے تمے وہ لاٹری لگے رکشا والے کو...... جھانسے ہیں یہ سوب جھانسے۔ (آنکھیں پونچھتے ہوئے)وہ پانچ روپے ہمارے سارے خاندان کا دو دن کا خرچہ میاں...... دو دن کا ہاں......!! میری دوا ہفتے بھر کی۔

(دروازے پر تیز کھٹکا اور آواز "پوسٹ میاں۔ منی آرڈر!)

(فیضو نواب چھلانگ مار کر دروازے پر پہونچنے سے پہلے دوبارہ گرم جوش پکار)

پوسٹ میاں : سید خودّار خان پراگندہ صاحب!

فیضو نواب : (شہد آگیں لہجے میں) جی سرکار! حکم کیجئے!!

پوسٹ میاں : شمع معمہّ کا انعام لگ گیا۔ آپ کے نام منی آرڈر آئی ہے۔

(سکندر صاحب لپک کر فیضو نواب کے ساتھ لگ کر کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بی جان بی جھٹ سے سر پر پلّو ڈال کر پرنم آنکھوں کے ساتھ دامن پسار کر شکرانہ ادا کرنے اور تعریفِ خدا کرنے میں محو ہوجاتی ہیں۔ آواز)"دستخط کر کے حاصل کرلیجئے۔ لیجئے یہ قلم"۔

فضو نواب : بس ایک منٹ توقف کیجئے (سکندر صاحب کا ہاتھ پکڑ کر کنارے لاکر) ارے بھائی۔ اک ذرا پانچ روپے نکالنا۔ بس ابھی منی آرڈر لیتے ہی لوٹا تا ہوں۔

(سکندر میاں کا چہرہ کھنچ جاتا ہے لیکن کسی نہ کسی طرح پانچ روپیے نکال لیتے ہیں فیضو نواب جھپٹ کر روپے لیکر پوسٹ میان تک پہونچتے ہیں۔ سکندر صاحب بھی ساتھ ہیں۔ فیضو نواب پوسٹ مین کو رقم دیتے ہیں۔) "لو بھائی۔ انعام رکھ لو...... تم بھی بال بچّے والے ہو۔ لاؤ پین۔ بتاؤ دستخط کہاں کروں، بسم اللہ......" (پوسٹ میان کے قلم دینے اور جگہ

بتادینے پر فیضو نواب دستخط کردیتے ہیں ۔گواہ کے دستخط بھی ہوجاتے ہیں)

پوسٹ میاں : شکریہ صاحب ! بھگوان آپ کو لکھ پتی بنا دے ۔ کون خیال کرتا ہے اس زمانے میں (رسید اور روپیے نکالتے ہوئے) یہ لیجئے۔ تیسرا انعام۔ پورے تین روپے بارہ آنے

فیضو نواب : (چلا کر) پورے تین روپے بارہ آنے ؟.....مگر تیسرا انعام تو پورے پچاس ہزار روپے کا تھانا ؟

پوسٹ میاں : جی صاحب !! میرے کو بھی اتا اچ انعام آیا ہے۔ تین روپے بارہ آنے ۔ پچاس ہزار روپے پورے پندرہ ہزار دو سو ستائیس جیتنے والوں میں بٹا ہے سرکار۔

(پوسٹ میاں سائیکل پر پاؤں ڈال کر چلتا بنتا ہے ۔ فیضو نواب گاؤ تکئے پر ڈھیر ہوجاتے ہیں ۔ سکندر صاحب مردہ دلی کے ساتھ کھٹیا پر گر جاتے ہیں ۔ بی جان بی وفورِ جذبات کے ساتھ سجدے سے سر اٹھاتی ہیں اور بڑے درد کے ساتھ شوہر کو تسلی دینے کی کوشش کرتی ہیں ۔)

بی جان بی : اجی ۔ پیسے کتے آئے بھو سوچو ۔معمّے کا انعام لگ جانا اچ افتخار کی بات ہے ...... میں لائیوں میرے پاس ہیں پانچ روپے۔ سکندر بھائی کے پیسے دے دیو۔

سکندر صاحب : ارے نئی آپا...... رہنے دو۔ میں نے کیا ہی کیا ہے اپنے بہوئی اور بہن کے لئے۔

(فیضو نواب اپنی چپل آپ اٹھا کر اپنے گالوں پر تابڑ توڑ مارتے ہوئے)

فیضو نواب : توبہ...... میری توبہ۔ توبہ جوتیوں سے توبہ ...... اب بھو اچ بھو مجھے شمع معمّہ لگنا۔

(سکندر صاحب اور بی جان بی بڑی مشکل سے روکتے ہیں ۔ مونہہ پر پانی کا چھینٹا دیکرپانی پلاتے ہیں ۔ سکندر صاحب فرش پر پڑے ہوئے تین روپئے بارہ آنے سمیٹ کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

سکندر صاحب : بھائی مونہہ پونچھ لو...... میں سوا کلو جلیبی لا رہا ہوں۔ شمع معمّے پے فاتحہ پڑھیں گے۔ بال بچے جم کر عیش کریں گے۔

فیضو نواب : (چلا کر ہتھیلی رگڑتے ہوئے) سالی...... پھر کھجائی ...... (مردہ آواز میں ......) بھجانی...... میں تیار ہو جاتا ہوں۔ دفتر جانا ہے۔

سکندر صاحب کے ہاتھ میں جلیبی کا چنگیر ہے بی جان بی کے ہاتھوں میں تین اگربتیاں اور ماچس بیچوں بیچ فیضو نواب اپنے روائتی کاستیوم میں پورٹریٹ بنے کھڑے ہیں ۔



(فیضو نواب کے گھر کا وہی روائتی منظر پیشِ نظر ہے ۔ یکم الف اندرونی دہلیز پر بیٹھی

سوپ میں چاول چن رہی ہے - یکم بے دو م اور سوم تینوں مل کر مقابل بیٹھی آلو چھیل رہی ہیں - ان کے بازو صاف کی ہوئی پیاز ہرا مصالحہ وغیرہ رکھے ہوئے ہیں - یکم بار بار کہتی ہے - " چلو ...... ہاتھ جلدی چلاؤ بہنا ...... شام ہوتی جاری ہے " ...... بچیاں ہنسی خوشی سے کام نپٹا رہی ہیں - پچھلی دیوار سے ریکارڈنگ ساتھ ساتھ ہوٹنگ جاری ہے۔ "محبت ایسی دھڑکن ہے جو سمجھائی نہیں جاتی " اچانك غل غپاڑہ مچتا ہے - " بجلی چلی گئی ...... اسی اثناء میں فیضو نواب کے مکان کے مقابل کی دیوار سے لگے بجلی کے کھم سے ایک مجذوب قسم کا نوجوان لگا کھڑا ...... مسلسل فیضو نواب کے گھر کے اندر جھانك رہا ہے - دوم بے پسوائے ہوئے آٹے کا ڈبہ لئے ہوئے اندر آکر یکم کے پاس ڈبہ دھر کر ہاتھ پر پیسے رکھتی ہے)

دوم بے : (سب کی جانب سر گھماتے ہوئے) وہ اس دن ایک فقیر گاناگاتے ہوئے بھیک مانگتے ہوئے آیا تھا نا...... جسے یکم بے نے کھانا اور پیسے دیئے تھے۔

یکم الف و بے : ہاں۔ہاں

دوم بے : اور اس کی بہوت تعریف بھی کرے تھے۔ تماری آواز بہوت اچھی ہے۔ رفیع اور طلعت کی جیسی تم ریڈیو پے کیوں نئی گاتے ؟!

(سب کی سب اطراف اکٹھا ہوجاتی ہیں اور ایك زبان ہوکر " ہاں بھئی ہاں")

دوم بے : وہ اس دن سے برابر...... بجلی کے پول کے نیچے کھڑا ہو کر اپنے گھر کے اندر گھور تا رہتا ہے۔آج بھی گھور رہا ہے۔ دیکھو!!

(سب کی سب دوڑ کر کھڑکی میں جاتی ہیں اور جھانکتی ہیں - یکم الف پر دے کے پیچھے سے ڈپٹ کر مخاطب کرتی ہے -)

یکم الف : کیوں سائیں...... دوچار دن سے مسلسل تم ہمارے گھر کے سامنے کھڑے ہو کر اندر جھانکتے رہتے ہو...... کیوں کیابات ہے !! (جواب میں مذکورہ شخص وحشت زدہ لال لال دیدوں سے گھورے چلا جاتا ہے -)

یکم الف : سائیں! سیدھی راستی سے جواب دئیتیں یا...... بلا نا مردانے کو :

سائل : (انتہائی مشتعل جذباتی آواز میں گا کر جواب دیتا ہے) جس چور کی تلاش ہے وہ چور گھر میں ہے

(لڑکیاں ایك دوسرے کا مونہہ تکتی رہ جاتی ہیں - کسی کے مونہہ سے کچھ نہیں نکلتا - سائل

موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے...... اشارہ بازی کے ساتھ اپنا مفہوم ادا کرنا شروع کر دیتا ہے۔)

بس وہ نہیں ہے اس کا سراپا نظر میں ہے
جس چور کی تلاش ہے وہ چور گھر میں ہے !!

(دو چار چھوٹے چھوٹے بچے اطراف جمع ہوکر ناچنے لگتے ہیں۔ تمام بچے ایک ساتھ ''جس چور کی تلاش ہے وہ چور گھر میں ہے'' ایک موٹی ادھیڑ عمر عورت کولھے پر مریل سا بچہ اور ہاتھ میں جھاڑو کا کٹھ لٹکائے ہوئے آتی ہے اور چلّا کر ان سب کو مخاطب کرتی ہے)

عورت : پوٹا ٹین...... تمارے مونہہ جلو...... کیا ہلڑ مچار کھے رے۔ بھاگو اپنے اپنے گھروں کو

بچے : بتول بی خالہ پتھر ماررئی اے۔ بھاگو رے بھاگو۔ (سب ڈوڑ جاتے ہیں سائل اور بھی زیادہ جوش و خروش سے دہرائے چلا جاتا ہے)

بس وہ نہیں ہے، اس کا سراپا نظر میں ہے
جس چور کی تلاش ہے وہ چور گھر میں ہے

بتول بی : (انتہائی ٹھنڈے لہجے میں) سائیں بابا...... اللہ کے نام پو پیٹ پالنے نکلئیں تئی کی گانے سنانے...... (جواب نہ پاکر) سراپا نظر میں ہے ؟

(سائل سر کے اشارے سے "ہاں" میں جواب دیتا ہے)

بتول بی : (اسی لہجے میں)...... چور بھی گھر میں ہے ؟

(سائل ہاتھ اٹھا کر فیصو نواب کے گھر کو نشان زد کرتا ہے ......)

بتول بی : (اسی لہجے میں) اس گھر میں ہے ؟

(سائل ہاتھ سے گھر کو نشان زد کیے ہوئے اور شدت کے ساتھ اسی ایک مصرعے "جس چور کی تلاش ہے وہ چور گھر میں ہے" کی تکرار کئے چلا جاتا ہے)

بتول بی : (خود بھی ہاتھ کے اشاروں کے ساتھ) کون تمارا چور...... اس گھر میں ہے ؟ عورت ہے کی مرد ہے ؟

(سائل سینے پر ہاتھ رکھ کر دل کا اشادہ کرتے ہوئے جھک کر سلامی دیتا ہے)

بتول بی : دل چرا لے کے چھپا ہے ؟

(سائل سر کے اشارے سے ہاں کہتا ہے۔ اور مصرعہ نمبر ایک پر آجاتا ہے)

بتول بی : معلوم ہے وہ لوگاں کون ہے ؟ بہوت بڑے عزت والے لوگاں ہے۔ بستی والوں کو معلوم ہوگیا تو تم کو پچھاڑ کو پچھاڑی پو تابنے کی موہر مار دیتیں...... سیدھی راستی سے جائتیں کی نئی...... ؟

(جھاڑو کا کٹھ الٹ کر جم کر دو مار مارنے کے ساتھ ساتھ ...... !!)

''ارے او...... زہرہ لی۔ چنوں ماں۔ قاسم لی۔ بچہ ہوت۔ ذرا آڑے ہاتھوں لے لئیو۔ اس مجنوں ففٹی فائی کو''

(سائیل تیزی کے ساتھ نکل بھاگتا ہے ۔ فیضو نواب کے گھر کی کھڑکی سے لڑکیوں کے قہقہے سن کر پلٹتی ہے)

بتول لی : ہزار بار بولئیوں...... عورت چھیاں باہر جھانکنا نئی...... نئی سنتے تو دیدوں میں مرچی کی بکنی ڈال دے یتوں ہاں۔ عورت بیٹی جگ کی بیٹھی ...... چلو بھاگو اندر...... بسم اللہ بول کو بھکاری گھر پو کھڑا ہے بچاری بن کو...... کاں راجا کاں پر جا۔ !! پہلے اچ امی بابا بہوت پریشان ......(لڑکیاں کھڑکی کے آگے سے بھاگ جاتی ہیں ۔ اور سب اپنی اپنی جگہ اپنے کام میں جٹ جاتی ہیں)

یکم الف : دیکھے...... بھکاری اشارے کر کر کے کیسے گندے گندے باتیں بول رہا تھا...... ؟ اسی لئے نا امیّ بولتے عورت چھیاں بڑوں کی غیر موجودگی میں کسی سے بات نئی کرنا۔ گھر میں آنے نئی دینا خیر خیرات بھی نئی دینا۔

یکم بے : (روتے ہوئے) ابو کے جیسا اچھا گا رہا ہے بول کے خیرات دی مئی......!

یکم الف : تو گانے کی تعریف پے تعریف کیون کر دی...... لے سزا بھگت۔

یکم بے : اللہ میاں اُسکی صورت اتنی گندی بنا کے آواز اتنی اچھی بنائے (لڑنے والے انداز میں) ابو نئی بولتے ایک بڑے پروڈیوسر کو ریل کے سفر میں ایک ننھی بھکارن گا گا کے بھیک منگتی ملی تو اسے لے جا کے گانے کی تربیت دیا تو وہ بڑی ہو کر ہندوستان بھر کی سب سے مشہور اور دولت مند گانے والی بنی (پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے) اگر ہم کسی غریب انسان کو ترقی کا رستہ بتاتے ہیں تو اتا بڑا گناہ ہو جاتا ہے۔

یکم الف : ہاں ہاں ہاں ہاں...... جو عورت' چاہے بچی ہو یا بڑی جب غیر عورتوں یا غیر مردوں کو ترقی کا راستہ بتانے کی کوشش کرتی ہے تو وہ لوگ سب سے پہلے اسی کو پچھاڑ کر پاؤں رکھ دیتے ہیں۔ امیّ نئی بولتے۔

دوم الف : اور خود اس کو اچ ترقی کے راستے کا زینہ بنا لیتے ہیں۔ یہ بھی امیّ نئی بولتے ؟

دوم ب : اور یہ سب باتیں تو امیّ ابو پھوپی جان...... ہمیشہ اچ بولتے رہتے ہیں۔ تم نصیحت کیوں بھُولے ؟

یکم بے : (دونوں ہتھیلیوں سے اپنے گالوں پر چانٹے مارتے ہوئے) توبا۔ توبا۔ توبا۔ اب میں بھُولے سے کسی کی بھی تعریف نئی کروں گی۔

(یکم الف کی قیادت میں سب لڑکیاں آواز میں آواز ملا کر)
ہم کسی بھی غیر عورت یا مرد سے بات نئی کریں گی۔
ہم کسی بھی غیر عورت یا مرد کو گھر پر یا گھر کے اندر آنے نئی دینگی۔
ہم کسی بھی غیر عورت یا مرد کی تعریف نئی کریں گی۔
ہم کسی کو بھی بغیر اجازت خیرات تک نئی دینگی۔
ملاؤ ہاتھ ہم سب کا وعدہ ہے۔
چلو...... چلو جلدی جلدی کانپٹالو...... امی جان آتی ہی ہوں گی۔



(لڑکیاں تین چھوٹے چراغ جلا کر ۔ ہال کچن اور کمرے میں رکھ دیتی ہیں ۔ چراغوں کی لوئیں بتدریج تیز ہوتے ہوتے منظر خاصه واضح اور نمایاں ہوجاتا ہے ۔ فیضو نواب کے گھر کا روائتی ماحول بنا ہوا ہے ۔ سبؔ کے سب بستروں میں دبکے ہوئے مارے سردی کے " سی سی " کررہے ہیں بسترکے ایك سرے پر بی جان بی اور دوسرے سرے پر فیضو نواب درمیان میں تمام بچوں کو سمیٹ کر سونے کی کوشش کررہے ہیں ۔ اسٹول پر لالٹین تیزی سے روشنی اورگرمی پھیلانے کی ناکام کوشش کررہی ہے ۔)

لی جان لی : (نندراسی لہجے میں) سردیاں بہوت بڑھ گئے ہیں جی...... تم پہلے اچ کمزور ہوگئے...... پتھر کی سردی بُری ہوتی ہے...... پہلی پو ایک دو کلوبان کی رسّی لالیو...... کھٹیا کس لیناجی...... تمارے دم سے یہ کارخانہ چلتا ہے جی...... اللہ پاک تمنا آباد آباد سلامت رکھے۔

فیضو نواب : (ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں اور اپنے ارد گرد گودڑی لپیٹتے ہوئے روہانسی آواز میں) نئی بیگم نئی۔ گھر تو عورت سے ہوتا ہے۔ عورت گھر کی رونق۔ خاندان کے لئے برکت ہوتی ہے۔ دیکھو بزرگوں کا کہنا ہے "کوٹھوں والا باپ بھو...... ٹاٹوں والی ماں ہونا...... ماں کی بڑی شان ہے رے...... ماں آٹش پلا کر پال لیتی ہے باپ کے لئے دودھ پلا کر پالنا مشکل!!

لی جان لی : (تلملا کر اٹھ بیٹھتی ہیں اور اسی حال میں بیقراری کے ساتھ) بس !! بس !! بس !! اب کچھ بھو بولو جی (روتے ہوئے) تم ایسے باپ ہو جی۔ تمارے اوپر سو مائیاں قربان باپ لی تم اچ۔ ماں بھی تم اچ۔ اللہ تمارا سایہ ہم سب کے سروں پے ہمیشہ ہمیشاں خائم رکھو۔ (دو ہاتھ اٹھا کر) آمین ثما آمین...... چلو سو جاؤ...... سردیاں بہوت اچ ہورئیں۔

(دونوں کے مونہہ سے بیك وقت نکلتا ہے " اللہ ہمارے بچوں کو سدا سلامت رکھ ان کے

نصیبے نیک کر۔ آمین " اور دونوں اپنے اپنے بستروں میں دبک جاتے ہیں۔ بچوں کی خراٹوں کی آواز کی گونج میں تھوڑی دیر بعد دونوں کروٹ بدل کر ہاتھ بڑھا کر بچوں کے لحاف برابر کرتے ہیں ......)

فیضو نواب : سُن رئیں۔ مجھے نیند اچ نئی آرئی اے۔ دس تو ج اچ گئے ہوں گے۔ بی جان بی (غنودگی کے عالم میں) "اپنے پاس نہ کام کرنے کو کچھ نہ دل بہلانے کو کچھ ...... اس لئے رات جلدی ہو جاتی ہے۔" (اچانک یکم بے نیند میں گھرے اور ڈراؤنے خراٹے لینے لگتی ہے۔ جو گھٹی گھٹی ہچکیوں میں بدل جاتی ہے) "آئیں...... اسے کیا ہوا...... بیٹی ...... اوبچی...... یکم بے!!"

(دفعتاً یکم بے ہذیانی انداز میں چلاّتی ہے) "ابو پنجرہ...... پنجرہ ابو۔ بچاؤ۔ بچاؤ" (اور قبل اس کے کہ والدین کچھ کرسکتے خود آپ جاگ کر پسینہ پسینہ بیٹھ جاتی ہے اور متوحش پھٹی پھٹی آنکھوں سے چاروں طرف دیکھتے ہوئے روپڑتی ہے۔ فیضو نواب اٹھ کر ہاتھ پکڑ کر) "آجا میری بچی۔ آجا۔ میرے پاس سو جا۔ تجھے کوئی ستا نہیں سکتا۔ میں سورۃ شریف پڑھ کر دم کر دیتا ہوں" (بچی کو ساتھ لیکر اپنے بستر میں دبک جاتے ہیں۔ بی جان بی۔ انتہائی تھکی ماندی آہ کے ساتھ) "اللہ تو فضل کر ہمارے حال پر......(باپ او ربیٹی آمین کہتے ہیں)

یکم بے : (خوفزدہ لہجے میں) ابو میں خواب میں دیکھی۔ ایک بہت بڑا شیطان مجھے بند کرنے کی نیت سے ایک پنجرہ لے کر میرے پیچھے دوڑ رہا تھا۔ آپ بہت دور کھڑے تھے میں آپ کے پاس دوڑ کے آگئی......"

فیضو نواب : سبحان اللہ! بڑا اچھا خواب ہے بیٹی۔ تو فتح یاب تیرا دشمن ہلاک۔ بیٹے سونے سے پہلے عبادت کر کے سونا ہزار بلاؤں کو کاٹتا ہے۔ سو جا

(تھپکیوں اور گنگنانے کی آواز ...... "سو جا را جکمارے سو جا۔ سو جا میں بلہارے سوا۔ سو جا...... می۔ ٹھے۔ سپ۔ نے " دیکھتے ہی دیکھتے سب کے خراٹوں کی آواز گونجنے لگتی ہے۔

بیت الخلاء اور جزوی کھلے حصے میں چڑھ آنے والی دھوپ بتلا رہی ہے کہ دن کافی چڑھ آیا ہے " ویک اینڈ" جیسا ماحول بنا ہوا ہے۔ چاروں لڑکے چھوٹا سا کیرم بورڈ رکھے کیرم کھیل رہے ہیں۔ کیرم بورڈ پر سفید اور کالی گوٹیاں اور رانی بکھرے پڑے ہیں۔ ہشتم الف ہر گوٹی کے ساتھ نہ صرف استادی لے میں گیت گائے چلا جاتا ہے بلکہ اپنی باری آنے تک اٹھ کر " راک اینڈ رول اسٹیپس " میں بھاؤ بھی بتلاتا جاتاہے۔ کلاسکی راگ اور انگلش

ڈانس کا امتزاج بڑا دلپذیر لگتا ہے۔ جب جب ہشتم الف اپنی باری کر کے رقص کرنے لگتا ہے۔ باقی دونوں پارٹنر بورڈ پر طبلہ اور تالی بجانا شروع کردیتے ہیں۔

ہشتم الف :(گوٹی پر نشانہ لگاتے ہوئے بڑی سنجیدگی کے ساتھ اسٹرائیکرزون پر دبا کر)

کالی ! ی۔ ی۔ کا آ آ لی۔

اے میری کوائن تو...... جلدی جا۔

اے میری کوائن تو جلدی جا۔ جلدی جا۔ جلدی جا تو۔ جل۔ دی

جل۔آ۔د۔ی جل۔ جل۔ جل جلہ دی۔

(ایک گوٹی گرادینے کے بعد دوسری کو تاکتے ہوئے) جا...... ہش۔(دوسری مس ہوجاتی ہے) رقص۔ بغلی تال پر۔ فٹ فٹافٹ۔ فٹ ہاں۔

فٹ فٹافٹ۔ فٹ۔ ہاں

جلدی جا تو جلدی جا ...... جا۔آ۔ جا۔آ

جلدی کوئن کو پٹا۔ پٹا۔ پٹا۔ پٹ پٹاپٹ پٹ پٹ پٹا پٹاء۔پٹا ۔۔ پٹا۔ ہان'

جھٹ جھٹا جھٹ۔ جھٹ۔ ہان۔

جھٹ جھٹا جھٹ۔ جھٹ۔ ہان !!

فیضو نواب : (فرش پر بیٹھے ہوئے قدیم طرز کا آئینہ سامنے رکھ کر شیو بناتے بناتے چرکہ لگ جانے پرتڑپ اٹھتے ہیں)"ارے او...... پراگندہ تان سین کی اوباش اولاد۔ یا تو کھیل یا تو ناچ یہ عین ناشتے کے وقت پر کھیل اور ناچ کا کیا جوڑ ہے رے۔ اتوار ہے تو کیا ہوا...... کوئی تیری شادی کا دن ہے۔"(چاروں بچے جہاں کے تہاں دبک جاتے ہیں۔ دفعتاً بتول بی کی گرجدار آواز) "کیا آنا پاشا"(آتی ہے جس کے ساتھ ہی پردہ اٹھتا ہے او رپھٹی پرانی کمبلی میں لپٹا ہوا گولا نما وجود اندر ڈھکیل دیا جاتا ہے جو پلنگڑی کے عین سامنے گرتا ہے۔ جس کے دھماکے سے سارے بچے اور خود فیضو نواب اچھل پڑتے ہیں اور ساتھ ہی سب کے سب ہال میں جمع ہوجاتے ہیں۔ فی الفور اس ملفوف گولے کے ساتھ دونوجوان اور ان کے پیچھے شیر خوار بچے کو کولھے پر لٹکائے بتول بی اندر در آتی ہے۔ اور چلاتی ہے) "نکالو کپڑا لانڈ گے کا"......(دونوں لڑکے کپڑا ہٹاتے ہی دو ہاتھ پیچھے بندھا ہوا وحشی نما گندے کپڑوں میں ملبوس تیس پینتیس سالہ جوان مرد برآمد ہوتاہے۔ جس کے بال چکنے گرد آلود لٹیں بن گئے ڈاڑھی بڑھی ہوئی اور دیدے لال ہیں۔ بتول بی اور اس کے جوان بیٹے فاتحانہ کھڑے ہوجاتے ہیں)

فیضو نواب : (آگے بڑھ کر لرزتی آواز میں) بتول بی آپا......آخر ماجرا کیا ہے ؟

بی جان بی : (بیلن پکڑے ۔ آٹے سے لسّے ہاتھوں کے ساتھ آتی ہے) ائی مٹی پڑ جاؤ اس پے......
یہ جوانا مرگ ہے کون مان !

بتول بی : دولن بیگم آج کئے دنوں سے میں اس کی تاک میں تھی......مائی ملا سر شام عجلی کے کھمبے کے نیچے کھڑا ہو کو آپ کے گھر کو تاڑ تا تھا۔ اور گائے چلا جاتا تھا (گاتے ہوئے) گائے چلا جا۔ گائے چلا جا۔ (اپنے بیٹے کو ٹھونسنی مارتے ہوئے) ارے تم بولو نا رے۔

یکم الف : (تیزی سے آگے بڑھ کر) اُس کا سراپا نہیں' وہ خود نظر میں ہے
جس چور کی تلاش ....

(ساتھ ہی شخص مذکورہ ڈراونی آنکھیں یکم بے پر گاڑ دیتا ہے ۔ جو "ابوّجی" چلاتی ہوئی دوڑ کر باپ کی پیٹھ کے پیچھے دبک کر دونوں ہاتھوں سے کمر مضبوط پکڑ لیتی ہے ۔)

--- وہ چور گھر میں ہے !!

فیضو نواب : کون چور۔ کیسا چور۔ کس کا چور کس کے گھر میں ہے ؟!

بتول بی : پاشا......دل کا چور......چتی چور۔ یہ

ایک لڑکا : ......پاشا...... یہ مجنوں ففٹی فائیو ہے !!

فیضو نواب : ......ارے...... تو ہوگا۔ میں کیا کروں......

بی جان بی : ہم سے کیا تعلق ہے ماں ؟

بتول بی : دولن......اب وہ آپ ان چھوکریوں سے پوچھو؟ (ساری بچیاں مونہہ بند سہمی کھڑی ہیں)

فیضو نواب : (لڑکیوں کی جانب پلٹ کر) میں پوچھتا ہوں کیا چکر چل رہا ہے ؟ ایک ایک کو چیر......

بتول بی : (ہاتھ فیضو نواب کے سینے پر مار کر) چکر چکر کچھ نئی چل ریائے پاشا۔ تھوڑے دن پہلے۔ یہ بھک منگا اسی حال میں گاتا ہوا بھیک منگتا آکر (اشارہ بتاتے ہوئے) یاں اپنے چور استے پو کھڑا تھا۔ یکم الف یکم بے آرئے تھے۔ کھڑے رہ گئے۔ بے چاری یکم بے پکار کے بولی "اللہ کتی اچھی آواز ہے۔ رفیع۔ طلعت کے جیسی۔ سائیں سائیں تم ریڈو پے کیوں نئی گاتے۔ خوب پیسے ملیں گے تب تم بمبئی چلے جانا"

فیضو نواب : ......ہاں...... تو ٹھیک اچ بولی ہونگی۔ کوئی گلہ کاٹ دیا۔

بتول بی : اجی سنو تو...... سوب لوگاں دو پیسے چار پیسے دئے۔ یکم بے اپنے غلے میں سے آٹھ آنے لا کے دی بمبئی جاؤ بول کے۔

بی جان بی : آئیں......پوٹی ہے کر گزری ہونگی۔ کیا قیامت آگئی......؟

بتول بی : سنو آپ لوگ جی...... ؟ گڑگڑا کو بولا "بھوکا ہوں دو دن کا۔ کھانا دیو۔ کوئی بھی کچھ نئی دیئے یکم بے اپنا ڈبہ نکال کو بولی "اَڈے۔ میں ٹفن نئی کھائی نا۔ الف...... میں سائیں کو دیدیتوں۔" دونوں مل کو دیدیئے۔ پانی منگیا تو میری بچی (ہاتھ سے قد بتاتے ہوئے) شمیم لا کو پلائی......"

فیضو نواب : وہ سوب تو ہوگیا......اب کیا بیماری چھوٹی ؟

بڑا لڑکا : اماں! دو تین دن پہلے ہم کو بتائے وہ دن سے اِنے آکو گھر پر گانا لگاتا ہے "جس چور کی تلاش ہے وہ چور گھر میں ہے"......اور کھڑکی میں سے ساری پوٹیاں جھانک جھانک کو مرتیں۔

بتول بی : اَڈے پاشا۔ میں بی کوئی "وہ اچ نئی ہوں" جوان۔ بچے جملہ سترہ بچوں (فیضو نواب یکم بے سمیت دھم سے پلنگڑی پر گرتے ہیں اور ٹوٹی ہوئی بان سمیت تہہ نشین ہوجاتے ہیں) کی ماں ہوں۔

فیضو نواب : (پھنسی ہوئی آواز میں) سترہ......بچے...... تقریباً ڈیڑھ درجن

بتول بی : اُڑتی چوڑی کے پراں گن کو پھینک دیتوں۔ بولی گیارہ برس کی ننھی سی جان خالی خیرات دے کو تعریف کیا کرڈالی۔ پیر تسمہ پائن کو گلے میں اچ پڑگیا ہے اِنے۔ تاک میں تھی (ساتھ ساتھ بتول بی اور اس کے بیٹے دونوں کو اٹھاتے ہیں بندھا ہوا شخص بے چینی کے ساتھ ہاتھ پاؤں مار رہا ہے ۔ بچیاں ساری ایک دوسرے سے چمٹ کے کھڑی ہیں ۔ لڑکے تتّر بتّر کھڑے بندھے ہوئے شخص کو دیکھ رہے ہیں ہشتم الف آستین چڑھا رہا ہے اور بی جان بی آٹے میں لسّے ہاتھوں کے ساتھ بیلن لئے کمر پر ایک ہاتھ دھرے کھڑی ہیں)

بتول بی : (بیچوں بیچ آکر) اوے تماشا دیکھے۔ تین دن سے رات کے تین بجے خالی سنسان گلی میں آکو کھڑکی کے مقابل کھڑے ہو کو تمارے گھر میں "بکنی" مارتا ہے......بتا دے پنجرہ...... (لڑکا ہاتھ میں پکڑی تھیلی کے اندر سے بچوں کے کھلونے کا چھوٹا سا پنجرہ برآمد کرتا ہے جس کے اندر پلاسٹک کی ننھی سی رنگین چڑیا بیٹھی ہے) اور نکال رے حیدر...... وہ تعویزاں گنڈاں فلیتیاں۔ بُکنی رائی کلونجی دانے۔ جو اس کے پاس سے نکلے۔

حیدر (بڑا لڑکا تھیلی میں سے سب چیزیں نکال کر فرش پر ڈال دیتا ہے۔ جکڑا ہوا شخص قہر بھری نظروں سے لڑکے اور بتول بی کو دیکھتا ہے) پاشا...... ہم تینوں رنگے ہاتھوں پکڑئیں

سرِشام یہ رائی کلونجی بُکنی۔ چو طرف سے آپ کے گھر پو ڈالتا ئے۔

چھوٹا لڑکا : (نپے تلے تیز تیز لہجے میں) تین بجے رات کو کھڑکی سے لگ کو منتر بولتے جاتیا ئے پھر اس پنجرے میں یہ دروازہ بنا کو ہے نا (کھول کر بتاتے اور حسب ضرورت اشاروں کے ساتھ) وہ کھول کے...... بولو اماں کیا کرتا ئے انے......

بتول بی : (بچے کو نیچے بٹھا کر پنجرہ لے کر عملاً نمائش کرتے ہوئے) ایسا چھپ کو پنجرہ کا دروازہ کھول کو سیدھے ہاتھ میں پنجرہ بائیں مٹھی میں وہ اس کی پڑھی سو مٹی وٹی۔ منتر بولتے جاتا ئے اور تین بار...... مٹی ڈال کو ہاتھ کھڑکی کو کر کو پنجرے میں کھینچ تیا ئے ...... کیا بول کے ؟...... ہاں...... "آجا مُنیا پنجرے میں......" تین بار۔ پورے تین بار۔

ہشتم ب : (دوڑ کر کھڑکی کا جائزہ لیتا ہے) اَبو...... یاں کھڑکی میں تعویذاں لگیں۔ بکُنی بھی ہے۔ دروازے کو جانچ کر) اَبو یاں بی

بی جان بی : (ایک چیخ مار کر) حرام زادے...... دس باپوں کی اولاد!! میرے معصوم ننھے بچیاں پے "چھو چھا کرتا ئے"...... اوئے...... ماں!!

(بیلن سے مار مار کر ادھ موئی ہوجاتی ہیں۔ فیضو نواب بی جان بی کو ہٹاتے ہوئے)

فیضو نواب : بجانی...... تو ہٹ...... اس کا کام میں تمام کر توں۔

حیدر : پاشا! ہم تینوں رات سے پکڑ کر خوب ٹھوک کو پاخانے میں بند کر کے ڈالے کی صبح ہونے دیئو۔ ناشتے واشتے ہو جاتگے تو بتائینگے بول کے۔ اب تمے کیا مٹی بھی ڈالتیں سو ڈالو۔

فیضو نواب : (ٹھوکر مار کر) کیا نام رے تیرا۔ کاں سے آیا۔ کام کیا کرتا۔

حیدر : نام سروتا بتایا۔ مانگوڑ قبیلے کا ہے...... خانہ بدوش ہوتے نا۔ کام بھیک منگنا چوری کرنا۔ چھو چھا کرنا ...... بچے بیچنا......!

فیضو نواب : ہاں...... یہ سارے کے سارے کاماں پولیس کے اِچ مطلب کے۔

حیدر : پاشا!! اس کا جادو توڑنے کو میں سامنے کا دانت توڑ کو چھوٹے سے مونہہ میں شُو شُو کرادیئوں...... اب انے جادو گیدو نئی کر سکتا!!

فیضو نواب : (بی جانی پر کڑک کر) دیکھے تم لوگ...... جاں عورت بچی ہو کیا کیا کرتیں لوگاں؟ جادو منتر...... لالچ...... حرص۔ منتھارنا۔ ورغلانا...... کیسا نہ کیسا کر کے پوٹی پٹانا...... لیجا کے برے کام کرا کے کھانا......

حرامزادے ...... کیا دکھیا گیارہ برس کی پوٹی میں ...... جن کے رکھتا تو اس سے چار برس بڑی بیٹی نئ رکھتا...... جاؤ تمے لوگاں رکشا بلا کو لاؤ...... چلو اپن پولیس کے حوالے کر دیں گے حرامخور کو...... اجی لاؤ میری شیروانی !!

(لڑکے باہر نکل جاتے ہیں ۔ پچھلے مکان سے ریکارڈ بجنا شروع ہوتا ہے ۔ ''بابو جی دھیرے چلنا پیار میں ذرا سنبھلنا ہو، بڑے دھوکے ہیں اس پیار میں'' ۔ بندھا ہوا شخص فرش پر پڑا پڑا بھپک بھپک کر روتا ہے ۔ ساری بچیاں دور ہی سے جو ہاتھ لگا پھینک کر مارتی ہیں ۔ لڑکے خوف سے ''ریچھ ریچھ'' پکارتے ہوئے دور ہی سے مکّے بتاتے ہیں)

یکم بے : امی...... رات کو میں یہی اچ خواب میں دیکھی تھی نا شیطان اور پنجرہ ......

بی جان بی : (لپٹا کر) ہاں میری بچی اللہ بچالیا...... احسان ہے بتول بی خالہ کا تماری''

بتول بی : ائی ماں ...... عورت بیٹی جگ بیٹی ...... احسان کائے کا...... اب پورے موحلے کو بتاتیوں تاکہ عورت بیٹیاں والے چمک جائیں۔

بی جان بی : اللہ تم کو سوا سو برس کی عمر دے اور اٹھارویں بیٹا بھی......

بتول بی : ...... نکو ماں خشو...... دیکھے نئ...... پڈا انسویا کی جان گیارویں زچگی میں اچ چلے گئی...... پوٹا ٹین گلی گلی کے ہو گئے ...... بس !! (لانبی آہ بھر کے) راملما پھانسی ڈال لیکے نئ مرگئی بچوں کو پالنے سے مجبور ہو کے...... یادگیری چار بچوں کو لیکے خودکشی نئ کرلیا...... ؟ ! بس...... بس یہ زمانے میں دو چار ہی بس کرو اماں...... بس !!



(" افوہ رے ! ڈسمبر کے جاڑے گھرے اندھیرے سے فیضو نواب کی تیز آواز گونجتی ہے '' نئ جی...... اب کی سردیاں کچھ اور اچ طور کی ہیں'' بی جان بی کا جواب آتا ہے ۔ یکم الف ''امی جان ! ایک ڈسمبر دوسرے رات ...... جاڑوں کی لانبی رات !! پھر اپنے پاس ناکافی گرم کپڑے ۔ سردی زور نہ دکھائے تو کون دکھائے......'' بشتم الف چلاکر ''پہلوان کا کا دکھائے زور ہہ ہا'' فیضو نواب سی سی کرتے ہوئے ۔ ''کیوں چو !! مزہ تو بہوت آرہا ہے نا'' سارے کے سارے بچے سُرملا کر تالیاں بجاتے ہوئے...... ''سردی سردی ہائے رے سردی ۔ سارے بدن میں برف سی بھر دی ۔ سردی کی لانبی راتیں کالی ۔ چھپ جاتا ہے سورج جلدی ۔ ساسا ساسا سُو سُو سی لگتی ہے اُس کو بی سردی ہائے رے سردی ہائے سردی ۔ ساسا ساسا سُو سُو سی سی ۔ سارے بدن میں برف سی بھردی'' دور آواز گرم کا فی کافی گرم ہے)''

آہستہ آہستہ چراغ کی لو بڑھتی ہے تو منظر ابھرتا ہے ۔ فیضو نواب کے گھر کا روایتی

ماحول بنا ہوا ہے۔ بستر پر بیچوں بیچ لال دستر خوان بچھا ہوا ہے جس کے بیچوں بیچ استعمال شدہ خالی برتن اور پانی کے گلاس دھرے ہیں ...... مٹی کے ایک چیو نئی دان پر چھوٹی سی انگیٹھی رکھی ہے جس میں کچھ کوئیلے جل رہے ہیں۔ اطراف سب کے سب ایک دوسرے کی گوڈری میں دبکے بیٹھے ہیں۔ پاس میں بھنے ہوئے گوشت کا تھال رکھا ہے جس میں گوشت کے کچھ بھنے ہوئے ٹکڑے پڑے ہیں۔ یکم الف ہاتھ بڑھاکر سب کو ایک ایک ٹکڑا دیتی ہے جو کھانے والے بڑے مزے لے لے کر چبارہے ہیں۔)

ہشتم بے : ابو...... میں ایک بہت بڑا دلیپ کمار بن جانے والا ہوں۔!!

(فیضو نواب کے ہاتھ سے گوشت کا ٹکڑا گرجاتا ہے۔ جسے وہ جھٹ سے اٹھا لیتے ہیں) کیا کہا؟

ہشتم بے : میں بولا...... اب میں ایک بہوت بڑا دلیپ کمار بن جانے والا ہوں۔

فیضو نواب : ہائیں مگر کیوں!!

ہشتم الف : (چٹخارہ بھرکر) اجی...... وہ ہماری ٹیچر ہے ناُنو بولے اس کو' تم ایسا اچ ایکٹنگ کرتے رہو تو ایک دن دلیپ کمار بن جاؤ گے!!

فیضو نواب : اچھا...... یہ بات ہے۔

ہشتم بے : میں ڈرامے میں ہوں نا...... (بڑی سنجیدگی کے ساتھ) میں زبردست ایکٹنگ کررہا ہوں

یکم الف : ارے...... تو ڈرامے میں رول کررہا ہے؟

ہشتم بے : (مزید سنجیدگی کے ساتھ) رول نہیں ایکٹنگ کررہا ہوں ایک...... ٹینگ...... ایاک ٹین ہاں!!

یکم بے : (روٹھے ہوئے انداز میں) آخر کیا ایکٹنگ کررہے ہو......؟

ہشتم بے : (غیر معمولی مرعوب کن سنجیدگی کے ساتھ) میں "راجارام کا مرغا بنا ہوں ...... راجہ رام کا مرغا......"

(دفعتاً ایک زبردست اجتماعی قہقہہ پڑتا ہے۔ ہشتم بے حیرانگی کے ساتھ گردن اوپر اٹھاکر بار بار ادھر ادھر سب کی طرف دیکھتا ہے ......)

ہشتم الف : اور میں راجا بنا ہوں ......

(سب کے سب تالیوں کے ساتھ دوگروپ میں)

پہلا گروپ	دوسرا گروپ
ککڑوں کوں کوں	کس کا مرغا

راجارام کا ...... کائیکو آیا
دولن لینے ...... دولن کائے کو
گھر بسانے ...... گھر کائیکو
بچے دینے ...... بچے کائیکو

اللہ میاں کی حمد گانے ...... ککڑوں کون ...... کون۔

(منظم تہیم پر بہت اونچی لے میں) ککڑ کون ...... کون۔ جوابار نگیلا تین بانگ ٹھونک دیتا ہے)۔

(بشتم بے روہانسا ہوکر روٹھ جاتا ہے اور الٹ کر بستر پر گرتے ہوئے) جاؤ...... ہم تم لوگوں سے نئیں بولتے......

فیضو نواب : (ہاتھ بڑھا کر سمیٹتے ہوئے) چلا تھا میرا بیٹا ایک بہوت بڑا دلیپ کمار بننے ۔ تم لوگاں اُسے مرغا بنا دیئے ...... خیر کیا ہوا ...... آج مرغا بنا ہے بڑا ہوکر ایک بہوت بڑا دلیپ کمار بن جائے گا ...... اور سوب دلیپ کماروں کو پیچھے چھوڑ دے گا ...... یکم الف۔ یکم بے ۔ چل بیٹا۔ بڑھاؤ۔ دستر خوان ...... چلو سو جائیں گے ...... بھائی غضب کا گوشت بنایا۔ مزہ آگیا ...... ہاں ذرا چائے ہو جاتی تو مزہ آجاتا۔

یکم الف : نئی ابو ...... گڑ اور پتی صبح کو نئی ملیں گے۔ رات بہوت ہو گئی ساری دنیا سو گئی......

(گھڑی آٹھ گھنٹے بجاتی ہے)

اب سو جائیں گے ...... (دور سے آواز آتی ہے کافی گرم ہے - جو بتدریج قریب آنے لگتی ہے - کافی گرم ہے) -

لی جان لی : میرے پاس ہے جی ایک آنا ...... لے کے پی لیو ...... گرم گرم اچھی کافی دیتا ہے۔ ایک آنا پیالی۔

فیضو نواب : . نئی لی جانی ...... پینا ہے تو سب کے ساتھ۔ جینا ہے تو سب کے ساتھ اکیلے کھانے کا مزہ نہ پینے کا مزہ ۔

یکم بے : (چلاّکر) اورنہ ۔ آ (سب کے سب) جینے کا مزہ۔

فیضو نواب : (لحاف میں گھستے ہوئے)

حیات لے کے چلو کائینات لے کے چلو
چلو تو سارے زمانے کو ساتھ لے کے چلو

(دروازے پر آواز گونجتی ہے ...... "کافی گرم ہے" ......اور دور چلی جاتی ہے ۔کافی گرم ہے - فیضو نواب کروٹ بدلتے ہوئے ۔ "آئے بھی وہ گئے بھی وہ ختم فسانہ ہو گیا۔" بتدریج یکے بعد دیگر

میٹھے خراٹوں کی آواز گونجنے لگتی ہے ۔ ذراسے وقفے کے بعد فیضو نواب زیر لب گنگنا رہے ہیں۔ "اے ری میں تو پریم دیوانی مورا درد نہ جانے کوئے!! نہ میں جانوں......

فیضو نواب : ...... سنتی ہو...... ؟ کیا سو گئیں ۔

بی جان بی : (غنودگی سے بھاری آواز میں) ۔ "ہو...... لو۔"

فیضو نواب : (پر سوز کسک کے ساتھ) آج پھر نیند نہیں آرہی ہے ...... آخر ہو کیا گیا مجھے۔

بی جان بی : (اٹک اٹک کر) کروٹ بدل کر نیند میں خیال ڈالو...... غلاٹا۔ آجائیگا...... فی۔ امان۔ اللہ۔

فیضو نواب : (دوبارہ کھنکھارنے لگتے ہیں) آسان ہونے والی ہیں سب تیری مشکلیں
تھوڑا سا صبر اور دلِ بیقرار کر

گھڑی تھکے ہوئے انداز میں "نو" بجاتی ہے۔ فیضو نواب جماہی لیتے ہوئے۔ کراہ کے ساتھ کروٹ بدل لیتے ہیں۔

فیضو نواب : ...... نو بج چکے...... نیند کا کوسوں پتہ نہیں۔ اجی ...... سن رہیں نا ۔

بی جان بی : (ادھورے خراٹوں کے ساتھ) تماری نیند...... تمہارے پاس اچ پڑی ہے۔ دربدر مارے مارے نکو پھرو کوسوں دور دور ڈھنڈلاتے۔

فیضو نواب : جانی...... تم وہ روٹ بچا کے رکھے تھے نا...... وئی روٹ تجمین کی امی بھجوائے تھے...... بیگم ۔ بیگم ایک ٹکڑا دیدیو جی...... نیند نہیں آرہی ہے...... شاید میٹھی چیز کھانے سے آجائے...... جانی !!

(بی جان بی اور سارے بچوں کے زبردست خراٹوں کی آواز اور بے نیازی سے مجبور ہوکر سرکے نیچے ہاتھ دیئے لیٹے لیٹے بائیں کھڑی ٹانگ پر سیدھی ٹانگ آڑی رکھی پوزیشن سے یکدم ایون Even میں آجاتے ہیں)

فیضو نواب : (اپنے آپ سے) : اُٹھ باندھ کمر کیا ڈرتا ہے
پھر دیکھ خدا کیا کرتا ہے

(یا " ہو " کے ساتھ چھلانگ مار کر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ سر پر بندھا شملہ کسنے کے بعد دیوا رپر تنگے دیوار گیری چراغ کی لو تیز کرکے ساتھ لے لیتے ہیں۔ کچن میں گھس کر مربع نما چھوٹے سے ہوا دان پر چراغ رکھ کر دونوں دروازے کھول کر اندر سر ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہیں۔سرکا اوپر ی حصہ اورچراغ متوازی سطح پرہیں۔دفعتاًزبردست شوربرپا ہوتا ہے فیضو نواب : (گھٹی گھٹی آواز میں ۔ ہوادان میں سر پھنسائے چلا رہے ہیں)

بچاؤ۔ بچاؤ...... بچاؤ...... مر گیا ...... مرا ...... بچاؤ!

(تمام سونے والے بڑبڑاکر اٹھ بیٹھتے ہیں - یکم بے لپک کر لالٹین کی بتی تیز کرکے اٹھا لیتی ہے - اُسکی قیادت میں سب کے سب کچن کی جانب دوڑتے ہیں - جہاں لیمپ کی بڑھی ہوئی روشنی کے زاویے کے مطابق دیوار پر ایک بھاری بھرکم ریچھ کا سایہ دیوار پر پڑرہا ہے جو فیضو نواب کی پیٹھ پر سوار ہے - اُن کا سر ہوا دان میں ٹھنسا ہوا ہے وہ پوری طرح تھنس کر اکڑوں بیٹھے ہوئے ہیں - سائے کے مطابق ایک قوی ہیکل ریچھ ایک ٹک لیمپ کی لو پر نظر جمائے ہوئے ساکت و جامد ہوگیا ہے - سارے کے سارے ایک ساتھ چلا اٹھتے ہیں - ریچھ ریچھ - ڈاکٹر چاچا...... غازی بھائی...... بابو بھائی (ہشتم الف دوڑکر دروازہ کھول دیتا ہے) سلیم بھائی...... یسین انکل ...... جلد آؤ...... ابو کو گرا کر ریچھ چڑھ گیا...... کھڑکی میں سے ڈاکٹر شرما کی آواز ''ڈرومت سنبھالو...... جانے نہ پائے - بندوق لیکر آرہا ہوں ...... (مونہہ پر ہاتھ لگاکر للکارتے ہوئے) گھازی...... کلیم...... بابو یا سین...... تم لوگ فٹافٹ لاٹھی کلہاڑی لیکے گھسو گھر میں سید صاحب کے (پیچھے چیخوں کا سلسلہ جاری ہے - ریچھ ...... ریچھ - جلدی آؤ...... بچاؤ) ڈاکٹر شرما آگے اور پیچھے آٹھ دس نوجوان گھس جاتے ہیں -

ڈاکٹر شرما : چلو باہر نکل جاؤ...... ہوشیار - خبردار...... سید بھائی ہلنا مت !!

(بچے باہر نکل جاتے ہیں - بی جان بی دہلیز پر سرکو ہاتھ لگائے بیٹھی رورہی ہے - گھر کے باہر ایک مجمع لگ جاتا ہے جہاں تمام بچے اپنے ہاتھوں سے بھاری بھرکم ریچھ کا ڈیل ڈول بتلارہے ہیں اور وہ کس طرح فیضو نواب پر سوار ہوچکا ہے - لوگ چیخ چلا کر دور دور تک اطلاع دے رہے ہیں - ''ریچھ گھس گیا - ریچھ !!'' اچانک بارہ بور سے ''ٹھائیں'' کی آواز کے ساتھ فیضو نواب کی زبردست چیخ ''مرگیا'' اور کسی چیز کے گرنے کی معمولی سی آواز گونجتی ہے - ڈاکٹر شرما لپک کر فیضو نواب کو ہوادان سے نکالتے ہیں - غازی میاں دُم پکڑکر جانور کو لٹکاکر کھڑے ہوجاتے ہیں -)

غازی میاں : دھت تیری کی...... کھودا پہاڑ نکلا چوہا ...... موٹی تازی گھونس ہے - کامریڈ! دیکھو - مری کہ جیتی ہے -

کامریڈ : (اُسی حالت میں ہلا ڈلاکر) ارے - رے - رے خدا معاف کرے - بھروان پیٹ

ڈاکٹر شرما : مادہ گھونس ہے - دردزہ اٹھا ہوگا انوں رستے میں آگئے - گھبراکر اُن کی پیٹھ پر چڑھ گئی ...... روشنی سے آنکھیں چندھیا جانے پر جم کے ٹک گئی ...... ہلی نہ ڈلی ...... جیسا کہ شب بیدار جانوروں کی فطرت ہوتی ہے -

بی جان بی : (ان سب کے قریب پہونچ کر) دیوار پر تو بہت بڑا ریچھ گر رہا تھا نا اِن کو دبوچے ہوئے تھا - اُنے گھونس کیسے بن گیا......

کلیم میاں : خالماں...... ریچھ گھونس نئی بن گیا۔ گھونس ریچھ بن گئی۔ لالٹین کی روشنی جس زاویے سے اس پر پڑھ رہی تھی۔ دیوار پر اُس کا سایہ اتنا بڑا گمبھیر آرہا تھا۔

. بی جان بی : اوئی گے ماں......

غازی میاں : آپ کے نوشتہ دیوار نے سارا محلہ سر پر اٹھالیا۔ جب دیکھو شیر آیا...... شیر آیا......

کلیم میاں : کچھ نہ کچھ لگا رہتا ہے۔

کامریڈ شرما : (سب کو باہر ڈھکیل کر لے چلتے ہوئے) ارے صاحب۔ انڈیا ہے انڈیا...... آپ ہم یہ سب ہندوستانی...... سیدھے سادھے عام انسانوں کی بستی ...... چھل نہ کپٹ۔ لاگ نہ لپٹ...... بد حواس خوفزدہ وہمی...... احساس کمتری کا شکار...... بال بچوں والے لوگ۔
کچھ نہ کچھ لگا رہتا ہے۔ ہوتا رہتا ہے۔ قدرت کا فطری پہیہ گھومتا رہتا ہے۔ ایک فطری زندگی جینا اور جینے دینا...... یہ سب نہ ہو تو رس کیسے بنے مٹھاس کہاں سے آئے۔

بابو بھائی : ارے کامریڈ چاچا...... یہ گھر ہے یا بچوں کا اصطبل ...... آپ نے انھیں سکھایا نہیں کہ ''چھوٹا کنبہ سکھ کا'' گھوارہ...... خود آپ جئیو اور جینے دو'' دوسروں کو۔

غازی میاں : بال بچوں والے کیا ہوئے احسان کر دیا...... بارہ خون معاف !

کامریڈ شرما : کس کس کو سمجھاؤں ...... کس کس کو سکھاؤں ! اب دل مُسکھا را ما حکومت کے چیف سکریٹری کے یہاں گیارھواں پڑھ نواسہ تولد ہوا ہے...... ہم سب ایک ہیں ہمارے مسئلے ہمارا کلچر...... ہمارا ٹرینڈ سب کچھ ایک جیسے ہیں۔

(اندر والے باہر چلے جاتے ہیں اور باہر کھڑا خاندان اندر آجاتا ہے)



(فیضو نواب کے مکان کا روایتی منظر ۔ چھن چھن کر گرتی ہوئی تیز روشنی کھڑی دوپہر کی ترجمانی کر رہی ہے تقریباً سارا گھر خالی ہے۔ کھٹیا پر کیم بے، دوم الف مست سو رہی ہیں۔ دوم بے اپنی کاپیاں پھیلائے کچھ پڑھائی کر رہی ہے ۔باہر دکن کی روایتی گوڈرے سینے والیوں کی پکار سنائی دیتی ہے۔

''رائیں رائیں رائیں یو............'' دوم بے دوڑکر کھڑکی پر جاکر باہر جھانکتی ہے اور پھر مایوسی کے ساتھ پلٹ کر دھیرے سے نقل اُتارتی ہے ۔''رائیں رائیں رائیں یو......' ہونہہ گوڈرے سلوالیو...... گوڈرے سلوانے سے پیٹ تھوڑی بھرتا ہے...... یاں بھوک لگی ہے'' پیٹ اندر دباکر......''بھوک بھوک'' واپس آکر پھر کام میں جُٹ جاتی ہے ۔کچھ وقفے بعد چاکنا

فروش کی روائیتی پکار گونجتی ہے ۔ "چاکنا گرم کلچے" دوبارہ دوڑکر کھڑکی پر جاتی ہے اور بایاں ہاتھ کہنی سے کھڑکی کی دہلیز پر لگاکر اپنا چہرہ رکھ دیتی ہے اور بڑے صبر کے ساتھ چاکنا فروش کو آواز لگاتے ہوئے دورتک جاتا دیکھتی ہے ۔ دوبارہ مایوسی سے دونوں ہاتھ جھٹکتے ہوئے واپس آجاتی ہے اور چڑھاتے ہوئے ۔ "چاکی نا ۔ گرم کلچہ ...... یہاں پیسے کہاں اجڑئیں ؟ واپس آکر فرش پر اوندھی لیٹ جاتی ہے اور وقفے وقفے سے پیراکی کے انداز میں ہاتھ پاؤں مارنے لگتی ہے ۔ کہ اتنے میں دکن کی روایتی گھنگھیاں فروش عورت کی آواز آتی ہے ۔ دوم بے دوڑکر کھڑکی میں انتظار کرتی کھڑی ہوجاتی ہے ۔ یہاں تک که آواز قریب تر آجاتی ہے ۔ یکم بے مونہہ سے "شوشو" اور انگلی سے آنے کا اشارہ دیتی ہے ۔ گھنگھیاں والی کا پہلے ٹوکرا دکھائی دیتا ہے اور پھر وہ خود کسی پتھر پر چڑھ کر کھڑکی پر ٹوکرا رکھ کر نمودار ہوجاتی ہے)

گھنگیاں والی : پوریاں ۔ سون پٹی ۔ چکی پٹی ۔ لوبیہ ۔ چنا ۔ مونگ ہنس اودی سیم کی پکی اور ابلی گھنگھیاں ۔ ناریل مٹھائی ۔ کچا ناریل ۔ دودھ پیڑے ...... کیا دینا ...... تم کیا دے رئیں ...... کیا لے رئیں ؟

(دوم بے ٹھیرنے اشارہ کرکے سوتی ہوئی بہنوں کو دیکھ کر اطمینان کرلینے کے بعد دوڑکر کاغذ میں بندھے ہوئے آٹے اور چاول کے پوڑے اٹھا لاتی ہے ۔ گھنگھیاں والی گردن ہلاکر ٹھہرنے کااشارہ دیتے ہوئے اشیا کو ناپ لیتی ہے ۔ "ایک ناپ چاول اور ڈیڑھ ناپ آٹا" زیر لب ۔ " بس پاؤ پاؤ سیر اچ ہے " دوم بے ڈوپٹے کا کونا پسار دیتی ہے ۔ گھنگیاں والی " دو میٹھی پوریاں ۔ دو سون پٹی ۔ دو کلیاں گھنگھیاں ڈال دیتی ہے ۔ دوم بے ...... "بس اتنا اچ ...... آں ؟ !" گھنگھیاں والی ٹوکرا اٹھا کر نیچے اترتے ہوئے ۔ ہو وبیٹی ...... مہنگائی بہوت ہے ۔ زیادہ نئی آتا (وقفه) اچھا لیو ایک ناریل کا ٹکڑا اور دودھ پیڑا ......" اشیاء ڈوپٹے میں ڈال کر جانے لگتی ہے ۔ یکم بے دوڑتی ہوئی آکر ہاتھ ڈال کر ٹوکرا پکڑ لیتی ہے اور چلاّ پڑتی ہے ۔ "دوم الف دوم الف جلدی آو ...... دوم بے ہکا بکا کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہے ۔ دوم الف ہڑ بڑا کر جاگ پڑتی ہے اور دوڑی چلی آتی ہے ۔ دونوں بہنیں ۔ ٹوکرا مضبوطی سے پکڑ لیتی ہیں)

دوم بے : (دونوں کے قریب آکر مدافعت میں) مجھے کل اسکول میں پچھلے ہفتے کا جیب خرچ دو آنے دیئے تھے نا " آپا " تو دو پوریاں لینے بلائی ۔ پھر ایک آنے کے گھنگھیاں اور میٹھی بھی لئے ۔

یکم بے : تو جھوٹ بول رہی اے ۔ تو ابی ابی ۔ آٹا اور چاول چرا کے دی ۔ اے دیکھ ...... اس کے ٹوکرے میں سے نکالتیوں ؟!

دوم بے : (روہانسی ہوکر گھنگھیاں والی سے جو ٹوکرا چھڑانے کی کوشش کررہی ہے) خالا...... میں دوآنے دی نا تمنا......آٹا لی چاول دی کیا ؟! ۔

گھنگھیاں والی : (سخت تیور بدل کر انتہائی ذلیل کرنے والے لہجے میں) کون مال زادی ہے وہ بولنے والی ...... ؟ چٹیا کے بال پکڑ کے پوچھتیوں ۔ مار مار کو بیٹھک پھلا دیتیوں ہاں ۔ (تھنڈی ہوکر) تمنے دوآنے دیئے ۔ دوآنے کا سودا لئے۔

لی جان لی : (اچانک برقعے میں ملبوس...... دونوں بچیوں کو لئے سودے سلف کی تھیلیاں سنبھالے دروازے پر کھٹکا دیتی ہیں ۔ انھیں دیکھتے ہی گھنگیاں والی پینترا بدل کر مظلومانہ نرمی کے ساتھ جاری ہو جاتی ہے)

گھنگھیاں والی : ائی کیاآفت کی پڑیاں جن کو رکھیں اماں ۔ (گردن سے بچی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) بچی دوآنے دے کو پوراٹوکرا اچ اتار لیناچاہ رہی ہے ۔ (پیچھے سے آواز آتی ہے ۔"مرچیاں بھجئے پوریاں کچوریاں گلگلے تازہ بتازہ" ۔ گھنگھیاں والی آواز کی جانب گردن سے اشارہ کرکے ......) لئیو ......لئیو آریائی نا ۔ شامی سکمپور مرچیاں بھجئے لیکو...... لوٹ لیو......اسے لوٹ لیو سب مل کو ۔ (ادھر دروازہ کھلتا ہے ۔ ادھر وہ ٹوکرا لیکر آگے بڑھ جاتی ہے)

یکم بے : امی ۔ اُنے جھوٹ بول رہی ہے ۔ یہ دیکھو اس نے (دوم بے) تھا سو اتنا آٹا اور چاول سب کا سب اسے دیدیا ۔ ہمارے والے چاول میں چاء پتی گری ہوئی ہے امی ۔ اس کے ٹوکرے میں ہے چاول آٹا ۔ آپ اِچ دیکھ لئیو !!

لی جان لی : (پسینہ پونچھتے ہوئے بیٹھ جاتی ہے) ذرا پانی پلاؤ ۔ (دوم الف دوڑ کر پانی لاکر پلاتی ہے) مجھے خوب معلوم ہے ...... یہ بد معاش رانڈیں ۔ مردانہ نئی سو وقت سودا لیکو نکلتیں ۔ گھر گھر لے جاکو بڑی بڑی عورتاں سے غلہ شکر تانبہ پیتل یا دوسری مہنگی چیزاں لے لیکے ۔ تھوڑی بہوت چرڈنڈی ہاتھ میں ڈال دیتیاں ۔ چیاں تو خیر چیاں ہوتیں ...... پاؤ سیر چاول ڈیڑھ پاؤ آٹا بولے تو تقریباً آٹھ آنے کی بات ...... اُنے سودا دو تین آنے کا پکڑا کر کے چل دی ...... پھٹنے والی کی پھٹی چاندنی ...... دھولی بیٹا چاند !! (بیٹی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) ان کا کیا گیا مفت چرڈنڈی مار دیئے ۔ مرا بیچ میں مرکھو کا باپ ...... جو کھانا تک پیٹ بھر کو نئی کھاتا ۔ (دور گھنگھنیاں ۔ مرچ بھجئیے ۔ اور چاکنے والوں کی آویزیں گونج رہی ہیں) لاؤ ...... چھری نکال لاؤ ...... میں

کھلا تیوں ان کو چرڈنڈی ......(اٹھ کر چٹیا پکڑ کر دیوار سے سر ٹکرا دیتی ہے)
بول ری بول لونڈی بول۔ کتنا آٹا کتنا چاول دی ؟ (دوم بے گھگھیا کر ہاتھ جوڑتے ہوئے)۔
''امی۔امی !! ایک پاؤ آٹا۔ایک پاؤ چاول بس۔!''

بی جان بی : بول..... سچی سچی کب سے دے رئی اے۔ نئ تو تجھے اور اسے دونوں کو پولیس کے حوالے کر دیئیتوں۔بول......''۔

دوم بے : امی...... کبھی کبھی دوچار وقت دیئے۔امی معاف کر دیو امی۔

بی جان بی : معاف کر تیوں۔ ؟ ٹھیر! تیرے ہاتھاں جلاڈالتیوں......بول کاں سے سیکھی تو یہ لچھن

دوم بے : امی ......امی۔ بازو مہروَن کی امی۔ مہرون وہ لوگاں سوب دیتیں۔ دیکے میٹھا سودا لیتیں ہم بھی دیئے امی !!

بی جان بی : (دوچار چھڑیاں لگاتے ہی لڑکی کی چیخ پکار مچ جاتی ہے) نمک حرام...... حرامزادی ...... کبھی سوچی !! مہرون کا باوا پولیس والا ہے اس کی ڈیوٹی گاؤں پے ہے۔ غلے بوریاں بھر بھر کے۔ انڈا مرغی ترکاری گوشت گھی تیل سوب مال مفت آتا ہے۔ سوب کے سوب جم کے اڑاتیئں۔ کھائے اُتا کھاتیئں۔باقی کا لنڈھاتیئں۔ تیرا باپ دفتری بابو ...... مہینے کے تیس دن قلم گھسا تو پہلی کو ملتی تنخواہ ...... یہ گزر اوقات بھی مشکل (ساتھ ساتھ مار اور چیخ کا سلسلہ جاری ہے) ......آدھا سیر غلہ بولے تو تم سات پوٹیاں کادوپہر کا کھانا...... ہمیں بھوکے مرمر کو تمناپال رئیں...... تم یہ صلہ دے رئیاں ؟(پلو میں کا سارا سامان کھڑکی سے باہر پھینک دیتی ہے) لیو۔ کھاؤ کتے کولیاں۔(دوم بے ماں کے پائوں سے لپٹ جاتی ہے) آنے دیو تمارے باوا کو۔ اری تو غلہ نئ بچی اپنے باپ کا خون بچی! خون! خون چوس!

دوم بے : امی ...... امی میری جان لے لنیو۔ ابّو کو نکو بولو۔ امی اللہ قسم ہم اب کبھی بھی ایسا نئ کریں گے...... امی...... معاف کر دیو......امی۔

یکم بے : (ماں کے ہاتھ سے چھڑی لے لیتی ہے) امی...... اب معاف کر دیو۔ امی ہم کبھی بھی ایک پیسے کی چیز خراب ہونے نئ دیں گے۔ ہمارے ابّو کے خون پسینے کی کمائی ہے امی۔ ہم وعدہ کرتے ہیں۔ ہم سب بہت اچھے بنیں گے۔آپ غصہ مت ہوؤ!!

بی جان بی : (پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے) لٹ گیا وہ مرد۔ کیا ملا اسے کھانا تک پیٹ بھر نئ کھاتا۔ کولھو کے بیل کی طرح سب کی خدمت کر تا ہے۔ارے ...... اس کا اس کے بچوں کا پیٹ کاٹ کر چرڈنڈی کھانے والی۔ تو اس کی بوٹیاں کھا رہی ہے...... تیرا مونہہ جلو!!

یکم بے : (مونہہ پر ہاتھ دھر کر روتے ہوئے) نئی امی کو سوئی۔ نیک بننے کی دعا دو۔ (بی جان بی روتے روتے وہیں ڈھیر ہوجاتی ہیں۔ دوم بے ان کے پیروں پر گر جاتی ہے یکم بے اور دوم الف گھبرا کر ماں کو ٹٹولتے ہوئے۔)

یکم بے : ......ارے......امی کو دورہ پڑ گیا......دانت کلی بیٹھ گئی......جا مُردار دوڑ کر چھمو خالہ کو بلا لا۔

(دوم بے تلملا کر باہر کی جانب بھاگتی ہے)



(فیضو نواب کے گھر کا روائتی ماحول بنا ہوا ہے کھٹیا کسی جاچکی ہے اس پر پرانا مچھردان شوخ پیلا رنگا ہوا چڑھا ہے۔ کھٹیا پر وہی شوخ پیلی چادر اور گاؤ تکئے پر پیلا غلاف چڑھا ہے۔ اسی کھٹیا پر بی جان بی گاؤ تکئے سے لگی نیم دراز ہیں۔ پلنگڑی کے نیچے پرانا تانبے کا پاندان خاصدان اور اگالدان رکھا ہے۔ بی جان بی کے کلّے میں گلوری ہے جسے وہ جگالی کرنے والے انداز میں مسلسل چبائے جارہی ہیں۔ کچھ نیند اور کچھ ہوش کے عالم میں آنکھیں نیم غنودہ ہیں۔ ان کی پیٹھ سے لگی شوخ پیلے کپڑوں میں لپٹی دوم بے سو رہی ہے نیچے ذرا ہٹ کر فرش پر یکم الف یکم بے اور دوم الف چکی سنبھالے پسوائی کررہی ہیں۔ اور ساتھ ساتھ کپڑ چھان بھی کرتی جاتی ہیں۔ یکم الف اور یکم بے کا گروپ الاپتا ہے دوم الف یکم بے کے ساتھ بول اٹھاتی ہے۔ پچھواڑے والے جام کے جھاڑوں کے پتوں میں ایک خوبرو نوجوان چھپا بیٹھا تاکا جھانکی کررہا ہے جس سے بچیاں بالکل بے خبر ہیں۔)

(پہلا گروپ) باندر......یا آ۔

(دوسرا گروپ) باندریا......آ۔ آ۔ آ۔ ہا۔

(پہلا گروپ) باندریا......نے تاکا......

موہے......تاکا......۔ موہے تاکا۔ کا۔

(دوسرا گروپ۔ تیز الفاظ میں) تاکا موہے تاکا موہے۔

تا......آ......کا۔ تا آ کا۔

(یکم الف ہاتھ لہرا کر) تا آ کا۔ موہے۔ باندریا نے تاکا۔ تاک۔ کا۔

دوسرا گروپ (نہ۔نہ۔نہ۔نہ۔نا) دوسرا گروپ۔ ہاں ہاں ہاں ہان

دونوں گروپس : "ارے ہاں"

(پہلا گروپ) ......باندریا نے...... جھاں......کا۔ جھانکا

(یکم بے لہرا کر) پہلے جھانکا......اور پھر تاکا۔

(چاروں کے چاروں) پہلے جھانکا......اور پھر تاکا۔

(یکم بے ...... الاپ) جھانکا...... جھا آ۔آنکا۔ جھانکا......تاکاء ۔ جھانکاء

(چاروں کے چاروں) جھاں......آ......آکا۔

پہلے جھانکا......اور پھر تاکا......

(یکم الف) ...... تاک کے اُس نے کا آ آ آتا۔

(پہلا گروپ) کا آ۔آ آ ۔کاتا۔کاتا۔کاتا آ۔

(سب کے سب) باندریا ہئے ہئے۔ باندریا ہئے ہئے۔ہائے ہائے باندریا۔ہائے۔ہائے ہائے باندریا ہے۔ پہلے جھانکا اور پھر تاکا۔

(سب کے سب) جھانک کے اُس نے......اُس نے۔

جھانک کے اُس نے...... تاک کے اُس نے

جم جما کے ......کاتا...... کاتا...... کاتا

کا آ آتا......کا آ آ تا۔

(لڑکیاں خوب مستی میں جھوم جھوم کے سوال و جواب کے مزے لیتی قہقہے لگاتی کام میں مشغول ہیں ۔ اچانک بڑے بڑے دو پکے ہوئے امرود لڑکیوں کے بیچ یکے بعد دیگر گرتے ہیں ۔ ایکدم لڑکیاں دم بخود ہوکر وحشت زدہ نظرو ں سے چاروں طرف دیکھتی ہیں ۔ کوئی دکھائی نہیں دیتا ...... دوم الف خوفزدہ انداز میں ۔ " ہم بندریا کو پکار رہے تھے نا ۔ بندریا آگئی شاید ...... دیکھو اس نے جام پھینک مارے " کہتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی سیٹی کی تیز آواز کے ساتھ پچھلی دیوار سے ریکارڈ بجنا شروع ہوتا ہے ۔ اور سوئی ایک ہی شعر پر اٹک جاتی ہے " تیرے پیار کا آسرا چاہتا ہوں ۔ وفا کررہا ہوں وفا چاہتا ہوں ۔ ")

دوم الف لپک کر امرود چن لیتی ہے لیکن یکم الف چھین کر پھینک دیتی ہے

یکم الف : امی۔امی جان۔امی۔

بی جان بی : (ہربڑا کر جاگتے ہوئے) آں آں۔کیا ہے۔کیا ہے؟

یکم الف : (کھڑی ہوکر اشارارہ بتاتے ہوئے) امی۔ذرا وہ جام کے جھاڑوں میں دیکھو تو وہاں۔

(لڑکا جھپاک سے غائب ہوجاتا ہے ۔ بی جان بی جلدی سے عینک چڑھا کر خوب اچھی طرح

تجسس کے ساتھ دیکھتی ہیں ۔) ہو...... خوب بور آیا ہے۔ بھر گیا ہے درخت پھلوں سے (بچیوں کی طرف پلٹ کر) اور کیا ہے گے ؟

یکم الف : نئی امی وہاں کوئی تھا۔ اس نے ہم پر (جام اٹھا کر بتلاتے ہوئے) جام پھینکے۔ جام پھینک کر مار رہا تھا ہمیں۔

یکم بے : اس نے تیز سیٹی بھی بجائی...... بھاگ گیا شاید!

یکم الف : امی...... ہمیں ڈر...... ......

(دفعتاً ریکارڈ دوبارہ شروع ہوتا ہے۔ "تجھے چاند کے بہانے دیکھوں تو چھت پر آجا گوری اے" ......اور حسبِ عمل درآمد قدیم سوئی اٹک جاتی ہے)

بی جان بی : (اپنے آپ سے) چاند کے بہانے دیکھوں ؟ چھت پر آجا گوریئے ؟ (وفورِ جذبات سے دیوار کی طرف مونہہ کرکے چلاّ کر آواز دیتی ہے) اوئے چشتی آپا...... ذرا دیکھ لئیو تمارے میاں کے لچھن۔ چھت پر چڑھ کر۔ سیٹی بجا کو......

چشتی بیگم : (دیوار کی منڈیر سے جھانکتے ہوئے چین بہ جبیں ہوکر) ہائیں!! کیا ہو گیا دولن بیگم...... کیا کیا میرے بڈّھے نے۔ میرا بڈھا تو دفتر میں ہے۔

بی جان بی : (ہاتھ نچا کر) تو ہوں گے تمارے سگے سودرئے۔ بھائی بند بھو۔

چشتی بیگم : (سخت ناراضی کے ساتھ) ائی ہوش کے ناخن لیو جی۔ بھائی بند ھو اس وقت کیوں آنے لگے۔ سب اپنے اپنے گھر دفتر کے۔

بی جان بی : اجی اماں تو ہونگا تمارا لاڈلا پوتا...... ائیو۔ تاک کو جھانک کو سیٹی بجا کو میرے پوتیوں کو رجھا رہا ہے۔

چشتی بیگم : (بڑی تیزی کے ساتھ) ائی ائی ائی...... توبہ کرو دولن بیگم۔ کیڑے پڑ کو مرینگے تم...... کون میرا پوتا...... میرا پوتا پٹاریائے تمارے پوتیوں کو ؟...... تم نے اس گھر کو فاشوں کا اڈہ سمجھا ہے ؟۔...... میرا پوتا...... تمارے پوتیاں پے تھوکتا بھی نئی۔

بی جان بی : تھوک کے تو دیکھے گدی سے جیب نہ کھینچ لیوں۔

چشتی بیگم : (چونچلے کے ساتھ) آدمی کو پہچاننا سیکھو لی...... میرے پوتے کے مونہہ سے تو ابھی دودھ کی بو آتی ہے۔ ہاں۔ اٹھرآلی نئی بھرے اٹھرا۔ ...... ہاں...... چاہے کسی سے پوچھ لیو۔ تمارے آگے چڈی بغیر نئی پھرا میرا بچہ......

بی جان بی : (طیش کے مارے ہتھیلی پر مکاّ مارتے ہوئے) ائی لیو۔ تو کیا اب ساری زندگی چڈی

اتار کواچ پھرتا رئیں گا؟ (ریکارڈ پلٹ پلٹ کر بج رہا ہے ساتھ میں قہقہوں کا طوفان برپا ہے۔ بی جان بی وفورِ طیش کے مارے وقفے وقفے سے اچھل کود رہی ہیں۔ (بری طرح منہ چڑا کر) بغیر چڈی پھریا۔ مونچھی پھُٹ گئی۔ داڑھی اتر گئی ابھی "اغوں گھی اچ" بول ریائے تمارا بچہ۔

چشتی بیگم : اجی...... دولن بیگم۔ اب مونہہ مت کھلواؤ۔ یہ تمارے پوتیاں۔ کچھ کم نئ۔ چھپن چھریاں ہیں چھپن چھریاں!! کے دیتی ہوں۔ (دیوار سے اترتے اترتے) ارے اس عورت کو تو دیکھو تاڑ کے جھاڑ جیسی ان بھئی بیٹیاں بٹھا کے رکھ لیکے اڑوس پڑوس کو رگیدر رئیں اے "ائی۔ مئی چپ چاپ کڑھی بگھار نے بیٹھیوں اور انے دیوار پو سے بوم مارنے لگی۔"

(بگھار کے تڑاخے کی زبردست آواز۔ پورے ساروں پر کھانسی کا دورہ)

بی جان بی : (دیوار کی اس جانب اشارہ کرتے ہوئے چلاکر) دیکھو دیکھو چشتی آپا۔ زبان کو لگام دیدیو۔ خون ہو جائیگا۔ مرے معصوم بچیاں پو تہمتاں مار کے کھڑے کھڑے آڑے ہو کو چلے جائیں گے تمے۔ ہاں۔ (ریکارڈ بدلتا ہے۔ دم بھر جو ادھر مونہہ پھیرے اوچندا۔ میں ان کو پیار کرلوں گا۔ باتیں ہزار کرلوں گا۔ حسب روایت سوئی اٹک جاتی ہے۔ بگھار کی بو کے باعث چشتی بیگم اور بی جان بی کو زبردست کھانسی چھوٹتی ہے۔ یکم بے ماں کو پانی پلاتی ہے۔ (دونوں نئے ولولے کے ساتھ) دیکھ رئیں۔ دیکھ رئیں۔ کیسے فوحش گانے بجا رہا ہے تمارا پوتا...... میرے پوتیاں کبھی بجاتیں۔؟

چشتی بیگم : (دوبارہ منڈیر پر برآمد ہوکر جواباً زیادہ شدت سے چلاتے ہوئے) اجی۔ دولن بیگم! نصیب ہے کان جانے کو۔ ہاں ناچنے والیوں کی ناتھ رسیلے گلے سے تاتان مارلئیتیاں تاتان۔ دوسروں کی آنکھ کا تنکا نظر آجاتائے اپنی آنکھ کا پھاوڑہ نئ۔ ذرا غور کرو تو معلوم ہو۔ ایک نئ تو ایک پوٹی تان مارتی اچ رہتی اے!! (مٹک مٹک کر چڑھاتے ہوئے) "آجا رے اب میرا دل پکاریائے۔" "آجاؤ۔ تڑپتے ہیں ارمان" "ادے۔ پیار کیا تو ڈرنا اچ کیا؟ نئ کہ "پائے گیایا نے والیا" ہاں۔ ہاں۔" (ہتھیلی پر مکا مار مار کر) تارا متی پوا متی ہیں تماریاں۔ لکھ لیو آجکی تاریخ۔"

بی جان بی : (ہاتھ نچا کر) بس کرو بس۔ تم میرے پوتیوں کو ناچنے والیاں تو بول دیئے خود تو للتا پوار کو مات کردیئے۔"

چشتی بیگم : (غیر معمولی چیخ مار کر) تمارا مونہہ کفن اوڑھ کو سوجاؤ۔ اوئے۔ مئی...... مئی للتا پوار؟

کچھ نئے۔ کچھ نئے للتاپوار دس رئیوں ...... کون بولی وہ لونڈی۔ مونہہ نوچ لیتوں ؟ شادی سے پہلے تو پہلے اجی اب بھی لوگاں مجھے ملیا پلّے کی مدھوبالا اچ بولتیں۔ مئی اچ گھانس نئی ڈالتی ...... ہے کوئی بھر موحلے میں میری توڑ پے......" (ہتھیلی پر مسلسل مُٹھی مارتے ہوئے) مئی تو شادی سے پہلے نہ گائی "تماری یاد امیں کٹتی نئی ہیاں اب راتیاں" ہاں نہ اچ اب گاتئیوں ...... یہ شریفاں کے گانے ہیں ؟ ہاں ؟

بی جان بی : اللہ پاک بھینسوں کے گلے دیا تو گائیں گے اچ کیا۔ موہلے کا موہلّا رات رات بھر ڈھول پیٹ کو گلا پھاڑ کو سینما کے عاشقی کے گانے الا پتا رہتائے سونئی دکھیا۔ ہاں میرے معصوم چھیاں دیدوں میں کھٹکے ...... ہائے ماریگی تو کھڑے کھڑے ٹھار ہو جائیں گے چشتی آپا...... بیٹی نئی تو کیاہوا پر بیٹی کو ممتا کی نظر سے دیکھو۔

چشتی بیگم : میں بھی بول کے چھوڑ دے رئیوں دولن بیگم۔ سنبھال لیو کیم الف بے دوم الف بے کو...... نئی تو پچھتائیں گے ہزار بار۔ سرپو ہاتھ دھر کو رولیں گیان !!

بی جان بی : چلوری پوتیوں تم اندر جاؤ...... آج اچ یاں پردہ تان نا سو تا ننا ۔ تم بھی سن لیو۔ مئی سنبھال لیونگی میرے پوتیاں کو جب بھی جامے سے نکلیں گے ۔ فی الحال تماری اولیاد جامے سے نکل گئی ہے پہلے تم توانتظام کرلیو...... کم بخت پوتیاں سیانی تک ہوئی نئی کہ پیچھا اچ اٹھالئیے ظالماں ...... جلا پہ چُھٹا۔ مرچی لگی پینڈے میں۔ (حواس باختہ پکار بھگدڑ کرنے کے بعد سرکو ہاتھ لگا کے فرش پر بیچوں بیچ بیٹھ گئی ہیں۔ چلا چلا کر روتے اور کوستے ہوئے) اللہ جانی۔ تو اس عورت پے بجلی گرادے۔ اس کے پیٹ کو ہولی کی آگ لگادے۔ میری پوتیاں کو ناچنے والیاں ناتھ بولی۔ یا اللہ۔ اس کو بلی گمپا کی بجری ماد ے۔ میری پوتیاں کو سنبھال لیوں بول دی۔ اللہ اللہ۔ میرے بے زبان معصوم پوتیاں پے لانچھن لگاتی ہے اس کو کنویں میں گرا کو مارڈال"

چشتی بیگم : (چیخ کر) بس۔ بس۔ بس کرو ناٹک ...... ایک جان سو ٹکڑے۔ جوں دیا ویسا چ لے لینگا۔ تمے کونسے ولیاں بی ہیں تماری سننے کو۔ اس کی مرضی۔ ہماری خوشی۔ مئی کب جاناکوئیں اُوپر

بی جان بی : (جھپٹ کر دیوار کے قریب جاکر) تم بھی رہو اپنی جگہ پو۔ کان لگا کو کان سنیاں سنتا درکار نئی چغل خور چنبیلی کے سان۔ کوئیاں کے کوسوں سے تمہاری ناتھ بھینساں نئی مرکو جاتے۔ بس

(چشتی بیگم کے گھر سے تیز ریکارڈنگ کا سلسلہ جاری ہے اب سوئی پھر ایک بار باقاعدہ اٹک گئی ہے) "یاروں کا تو چلن ہے غلامی دیتے ہیں حسینوں کو سلامی" (دیوار کی جانب دو دو

ہاتھ اٹھا اٹھا کر لڑنے والے انداز میں) فرزند ! تمھاری اَمّاں (ماں) کو دیو سلامی ! تماری نانمّا کو دیئو سلامی ! تماری ددمّاں کو دیئو سلامی ! اُلٹ کو جاؤ سفید چدّر اوڑھ کو سلامیاں مارنے والیاں۔ مرد باناں سے شرماتیں ۔ زنانیاں کو سلامیاں مارتیں۔ گاوں ٹے غلاماں

غازی میاں : (پیڑ کے پیچھے سے سر نکال کر) آداب عرض خالہ جان !

بی جان بی : (غیر معمولی ناراضگی کے ساتھ) مٹی میں مل کو جاؤ تم تماری خالا جان۔ قبر نکو بھرو تماری کلمہ بھؤ پھوٹو مونہہ...... کھاٹ کو سہرا بندھ کو جاؤ تماریا۔

غازی میاں : (اثبات میں سرہلاتے ہوئے)...... نئی نئی...... آپ وان بھی پیچھا نئی چھوڑتے تو کوئی بات نئی۔ خوشامدید۔ میں تو صرف جام توڑ لینے اوپر آیا۔ آپ خواہ مخواہ بات کو بنگال کا بتنگڑ بناڈالے۔ پھر بھی آپ کو تکلیف پہونچی۔ میں معافی چاہتا ہوں۔

بی جان بی : (ہاتھ جوڑ کر) بس کرو راج دُلارے...... مجھے اپنی چھاؤں بھی بھؤ دکھاؤ۔

(غازی سر جھکا کر جھپاک سے اتر جاتا ہے ...... بی جان بی مونہہ پھیر کر بیٹھ جاتی ہیں۔ دروازے پر آواز آتی ہے "السلام علیکم" دوم الف دوڑ کر دروازہ کھول کر سلام کرتی ہے اور اشاروں کے ساتھ ساتھ " آیئے خالا جان" کہتے ہوئے اندر لاتی ہے۔ بی جان بی جھپٹ کر آجاتی ہیں اور گلے ملتے ہوئے۔ " آداب عرض پاشاں آپا۔ کدھر آگئے" کہتے ہوئے لاتی ہے۔ تب تک بچیاں شطرنجی چادر بچھا کر گاؤ تکیہ لگا دیتی ہیں۔ دونوں آکر بیٹھ جاتی ہیں)

(یکم الف ننھی سی نازک پیلے کپڑوں میں ملبوس لڑکی کو لے آتی ہے)

پاشا آپا : کئی مہینے گذر گئے تم سے ملے ہوئے۔ سوچی۔ ملتی چلوں ...... یہ کیا...... سب پیلا پیلا دکھائی دے رہا ہے...... سارے کا سارا ماحول مانجھوں کا......

بی جان بی : (سر جھکا کر) دوم بے سیانی ہو گئی تو بٹھادیا۔

پاشا آپا : ......دونی......وہ بچی......اور اسکی جوڑی دار ؟

بی جان بی : ......دو چار دن پہلے اسے بے ضرب مار ماری تھی...... شاید یہ ہرجہ ہو گیا ہو......

پاشا آپا : ......سیانی ہونا تھوڑے اچ بولیں گے ؟ گیارہ کی ہو گئی ؟

بی جان بی : چار مہینے کم گیارہ

پاشا آپا : (دوم الف چائے اور پانی لاکر رکھتی ہے۔ غور سے دیکھتے ہوئے) اس کی جوڑی دار ہے نا...... اے ہے ذرا سی جان......!

بی جان بی : ماروں کا درد اچ بہوت تھا۔ درد سے نڈھال ہو کو پڑ گئی۔

پاشا آپا : ویسا بھی اپنے چھیاں گیارہ نکالتے نکالتے سیانے ہو جاتیں۔ بنجیری گھی حریرہ روٹی کھا کے تو غسل ہونے تک ناٹ کی ناٹ بن کر کھڑے ہو جاتیں۔ لیکن...... دس ساڑھے دس برس...... پاپ پاپ پاپ!! انجی نو برس کی ہو جائے تو سوچ سمجھ کے مارنا۔ دوم بے...... دوم بے...... ادھر آنچی۔

لی جان لی : ...... ائی...... وہ کاہے کا شرمانا...... آؤ بیٹی اپنی خالہ جان کو سلام کرو۔ یکم اُسے لاؤ۔ (یکم الف ننھی سی نازک پیلے کپڑوں میں ملبوس لڑکی کو لے آتی ہے)

پاشا آپا : (کھینچ کر گود میں ڈال لیتی ہیں دوم بے سسکیاں بھر کر رونے لگتی ہے) نئی بیٹے...... نئی روتے...... نئی روتے...... نئی روتے اللہ نصیبہ نیک کرے۔ میں امی کو بولتیوں خوب مزے دار بتیسہ اور بنجیری بنا کر کھلائے۔ خوب طاقت آجانا تجھے...... خوب مضبوط ہو جانا تو!! (دس روپیے ہاتھ پر رکھتی ہے) ...... لی جان!! بنجیری ہاتھ روک کو کھلانا...... چھیاں ایک دم پھوٹ کے نکل جاتیں...... دس کی بیس...... پندرہ کی پینتیس دکھائی دینے لگتی ہے۔ مہینے پندرہ دن میں...... خاندان والے تو سب جانتیں۔ پن کی...... باہر والے ہوئے تو لڑکی کا اٹھنا مشکل...... مال داروں کا سودا تو ہو جاتا ہے۔ مگر غریب گھرانے پر چٹان گر جاتی ہے۔

لی جان لی : سچی بولے پاشا آپا...... یکم الف اور یکم بے تیرھویں میں ہی جم کے اٹھارہ کی دیسنے لگے جی۔ سیانے ہو کو برس ہوا مگر......

(پچھلی دیوار سے ریکارڈ شروع ہوتا ہے) "بانہوں کے تجھے ہار میں پہناؤں گا اک دن سب دیکھتے رہ جائیں گے لیجاؤں گا اک دن اے محبوبہ...... اے محبوبہ" بی جان بی اور لڑکیاں ایک دوسرے کی صورت دیکھتی دم بخود رہ جاتی ہیں)



(فیضو نواب کے مکان کا روایتی ماحول بنا ہوا ہے۔ دیوار پر ٹمٹماتا چراغ۔ اسٹول پر مدھم جلتی ہوئی لالٹین۔ بستر پر لیٹے ہوئے افراد کے لحاف بس گھٹنوں تک اڑھے ہوئے بتلا رہے ہیں کہ جاڑوں کے موسم کی رخصتی ہو رہی ہے۔ فیضو نواب اپنی پلنگڑی پر اپنے روایتی انداز میں بائیں کھڑی ٹانگ پر دائیں ٹانگ آڑی رکھے سر کے نیچے بایاں ہاتھ دھرے سیدھے ہاتھ کی مٹھی میں جلتا سگریٹ تھامے گنگنا رہے ہیں اور کبھی کبھار کش بھی لے لیتے ہیں)

فیضو نواب : مرنے کی دعائیں کیوں مانگوں۔ جینے کی تمنا کون کرے کون کرے......

یہ دنیا ہو یا وہ دنیا ۔اب خواہشِ دنیا کون کرے کون کرے۔ (وقفہ)
جب کشتی ثابت وسالم تھی ساحل کی تمنا کس کو تھی۔ ساحل کی تمنا کس کو تھی!
اب ایسی شکستہ کشتی پر ساحل کی تمنا کون کرے۔ کون کرے......

بی جان بی : سنو......اجی سنو جی...... سنتے ہو؟!!

فیضو نواب : (دل شکستہ مری ہوئی آواز میں) روٹھی ہوئی نیندوں کو منا رہاں ہوں جی۔ بہوت تھک گیا ہوں...... سو جانے دئیو!!

بی جان بی : نئی جی......ذرا سن لیو!

فیضو نواب : اچھا بولو...... مگر پیسے مت منگو جی...... جیب بالکل خالی ہے۔ مئی تم سے روز کا ایک آنہ بھی نئی لے رؤں نا......آج دو سگریٹ پان والے سے ادھار مانگ کے لالیا...... بہوت پریشان تھا۔

بی جان بی : ......وہ تو ہے سو ہے جی...... تم جنتی ہو جنتی۔ جنتی بیٹے۔ جنتی شوہر...... جنتی باپ......ماں باپ کی دیکھ ریکھ دل و جان سے کی اور اب بھی کر تیئں...... تمے ہر تکلیف بھگت کو ہمنا راحت دئیتیں جی۔ اللہ تمنا سوا سو برس کی عمر دے۔ آمین......اب یاں بات دوسری اچ ہے جی۔

فیضو نواب : (گھبرا کر اٹھ بیٹھتے ہیں) خدانخواستہ! کیا پریشانی ہے جی؟

بی جان بی : (آکر بازو بیٹھتے ہوئے۔ اپنے سر پر پلو برابر کرتے ہوئے) اجی پوٹیاں سیانے ہو گئے

فیضو نواب : بار بار یہ خبر سنا کے کیوں میری ہمیت توڑ دیتیں......ایک مجبور اور بے بس باپ جب بیٹی سیانی ہو جانے کی اطلاع سنتا ہے تو گویا اس پر پانچ سو ٹن وزن آئیٹم بم گر جاتا ہے۔ وہ بکھر جاتا ہے۔

بی جان بی : اس واسطے تو اچ بول رئیوں۔ اب کم الف اور بے کی شادیاں کرنے کی فکر کرنا جی......

فیضو نواب : میں تو اُن کو پڑھا لکھا کر اپنے قدموں پہ کھڑا کر دینا چاہ رؤں۔ میں اپنے پیٹ کی خاطر شیخوں اور مالدار بڈھوں کے حوالے نئی کرنا چاہتا۔ تم شادی کر دینے کہتی ہو...... کیا کیا دونوں نے؟

بی جان بی : انوں خاک کچھ کرنے چلئیں...... اپنے میں آپ مست مگن!! پوٹیاں آنکھ ناک ہاتھ پاؤں کے اچھے نکلئیں...... دنیا والوں کی نیت خراب ہو رئی اے جی...... (فیضو نواب کا مونہہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے) یہ بازو گتے دار صاحب کا بیٹا بھانجے بھتیجے بہوت چھیڑ رم چھاڑ کرتے جی...... عورت چھیاں ناقص العقل...... کئیں کوئی لغزش نہ ہو جائے...

فیضو نواب : ہونہہ...... کیسی فکر کروں؟ کیا فکر کروں۔ ابھی تو تیرھواں لگا ہے دونوں کو۔

بی جان بی : وہ سوب نکو بولو جی...... غریب کی بیٹی کے پاس ایک اچ دولت ہوتی ہے...... عزت......

عزت کے بدلے اچ اُسے عزت کا جینا عزت کی روٹی ملتی ہے...... کہیں کچھ ایسا ویسا......

فیضو نواب : تو کیا کروں...... بڑھے شیخوں...... مالدار رنڈوؤں کے حوالے کر دیؤں ؟

بی جان بی : اُن کی قسمت......

فیضو نواب : ......اپنے ڈر کے مارے چھیوں کی زندگی مت بگاڑو...... سختی کے ساتھ نگرانی رکھو...... مجھے بھی بتاتے رہو...... چھیوں کو بھی نیک وبد سمجھاؤ جانی۔ موت کے ڈر سے خودکشی نئی کر لیتے قسمت بھی کوئی چیز ہے۔ اللہ سوب اچ ٹھیک کر دے گا۔ ذرا تماری جان سنبھل گئی تو صبح شام علیحدہ جاب کرونگا۔ تاکہ میرے چھیاں اچھے اٹھیں چلو...... اللہ کا نام لیکو سو جاؤ سنکٹ جس سے اپن جوج نئی سکتے تا انہیں او پر والے پے اچ چھوڑ دینا بھلا

بڑے درد سے گنگناتے ہیں۔ "زرحمت کن نظر بر حال زارم یا رسول اللہ

غریبم بے نوا اَم خاکسارم یا رسول اللہ

بتدریج آواز نیند کے سمندر میں ڈوب جاتی ہے......!!

رنگیلے کی زبردست بانگ کے ساتھ فیضو نواب جماہیاں لیکر اٹھنے۔ انگڑائی لینے۔ جسم کو ادھر ادھر پھر کر کھولتے ہوئے۔ کسلمندی کے ساتھ کہتے ہیں

میاں خودارے......

مت بھولئیو کہ طوق ہے گردن میں عقد کا

وہ دن گئے کہ کہتے تھے شوہر نہیں ہوں میں !!

دونوں ہاتھ اونچے اٹھا کر "یا اللہ۔ اپنے نبی برحق کے تصدق میں مجھ پر میرے اہل وعیال پر فضل فرمادے آمین"۔ روزمرہ کے مفوضہ کاموں کے شور کی آہنگ میں پورے جوش وخروش کے ساتھ وِرد جاری ہے۔

زرحمت کن نظر بر حال زارم یا رسول اللہ

غریبم بے نوا ام خاکسارم یا رسول اللہ

بتدریج سب کے سب جاگ کر اپنی روزمرہ مشغولیات میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ چھوٹے کمرے کے اندر سے بی جان بی کو آواز دے کر !!

فیضو نواب : ......بی جانی...... کیا بول رؤں سنو...... کل گیارھویں شریف کا دن ہے۔ حصے حوا صے بھی خوب آتیں...... فقیراں بھی بہوت اچ آتیں۔ اپنا ہاتھ تنگ ہے گیارھویں نئی کر سکتے ......جوانی حصے بھی نئی بھیج سکتے...... خیر خیرات کی گنجائش بھی نئی...... یہ مہینہ بہوت اچ تنگ گزرا...... چھوں نے کبھی بھر پیٹ نہیں کھایا...... اب اصراف کاں سے ہونگا ؟ میں باہر سے قفل ڈال کے جاتوں...... رات میں دیر سے آؤں گا۔ تم بھی سارے چھوں کو سمیٹ کے

دم سادھ کے بیٹھو گھر میں۔ خبردار ...... کسی کو پتہ نہ چلے ...... ہاں!!

(فیضو نواب اپنے روایتی دفتری کاسٹیوم میں آکر بیچوں بیچ ہال میں کھڑے ہوجاتے ہیں)

بی جان بی : اچھا کرے یاد دلا دیئے جی ...... جیئیو!!

صدا : ...... بے درو دیوار سا اک گھر بنایا چاہیئے کوئی ہمسایہ نہ ہو اور پاسباں کوئی نہ ہو



(فیضونواب کے مکان کا روائتی ماحول جو بالعموم علی الصبح ہوا کرتا ہے پیش نظر ہے دروازہ بند ہے جسکی ٹوٹی ہوئی کنڈی لٹک رہی ہے۔ غالباً اسی لئے ایک وزنی پتھر جسکے بیچ رسی باندھ کر رکھا گیا ہے وہ پیچھے کس کر لگا ہوا ہے گویا رسی کو باہر سے کھینچ کر پتھر کو اندر سے جما دیا گیا ہو۔ دیواری گھڑی آٹھ بجارہی ہے۔ دروازے پر انگلیوں کا ٹھوکا ہوتا ہے ساتھ ہی آواز "کیا آسکتے ہیں دولن بیگم" آتی ہے اور جواب کا انتظار کئے بغیر دروازہ سختی سے ڈھیکل کر ایک کافی فربہ خاتون اندر داخل ہوجاتی ہیں۔ بی جان بی سٹ پٹا کر اٹھ بیٹھتی ہیں او رجمائیاں لیتے ہوئے "کون۔ باب میاں کی امی۔ آئیے سطوت آپا آئیے" اور ساتھ ہی تمام سونے والوں کو ٹھونگے مار کر فی الفور کھڑا کردیتی ہیں یکم الف چلّا کر "ارے باپ رے" آٹھ بج رئیں ...... چلورے۔ اسکول میں دیر ہوگئی تو میڈم باہر کھڑا کردیں گی ...... دوڑو فاسٹ۔ اور بچے تمام رپٹ کر تیاری میں جٹ جاتے ہیں۔ خاتون جگہ بنا کر بیٹھ جاتی ہین۔)

سطوت آپا : سلاما لے کم۔ خیریت۔ زمانہ ہوا ملاقات ہوئے ...... سوچا مل کے تو آؤں

بی جان بی : آپا۔ آپ کا گھر ہے جب جی چاہے آئیں۔ (پاندان خاصدان آگے بڑھاتے ہوئے) کہئے۔ کیسے یاد فرمایا...... پنچم۔ خالہ جان کے لئے چاء لاؤ۔

پنچم کی آواز : ہاں امی ...... ابھی لار ئیوں۔

سطوت آپا : پہلے تم یہ بتاؤ تمھارے گھر صبح اتنی دیر سے کیوں ہونے لگی۔ پہلے تو تمی سوب سے پہلے جگا کرتی تھیں سب سے پہلے تمارے بورچی خانے سے دھواں اٹھتا تھا۔ تمارے بچے جھپا جھپ مسجد کو دوڑتے تھے۔

بی جان بی : (بیزار کن جمائی کے ساتھ) آپا...... تیرہ مرتبہ موت کو دغا دیکو آئی۔ نئی زندگی پائی۔ اب آپ اچ بولو۔ ٹوٹ کو رہ گئی کہ نئی۔ اب میرے ساتھ یہ سارے کے سارے تن آسانی کی روٹیاں توڑ رئیں۔ میں سختی کرتی تھی۔ بستر پہ ٹکنے نئی دیتی تھی اب میں بیہوش پڑی رہتی ہوں نا زندہ لاشے کی طرح۔ یہ موقعے کا فائیدہ اٹھارئیں۔ خود اپنا تباہا کر رئیں

گھر کو مٹی میں ملا رئیں۔ کیوں کہ ان کے باپ لاڈ کر تئیں سختی نئی تاں کرتے۔

سطوت آپا : چچ چچ چچ۔ ایسا کب تک چلے گا۔ کمانے والا ایک کھانے والے چودہ!! اور سارے کے سارے کام چور، مفت خور۔ گھر کی جگہ ڈھیلا نہ رہ جائے گا۔ اری او یکم الف۔ یکم بے۔ دوم بے۔ (جواباً "جی آئے" مونہہ ہاتھ پر صابن ملے تینوں لڑکیاں حاضر ہوجاتی ہیں) ...... ارے۔ اے بچو! اب تم سیانی ہو گئی ہو۔ ماں پندرہ برس گرہستی۔ تین برس سے بیماری میں جٹ کر بستر سے لگ گئی ہے۔ اب بیٹے ...... تم تینوں کا فرض ہے۔ گھر گرہستی بہنوں بھائیوں کی فکر تم تینوں کرو دیتا ...... اب ماں باپ ڈھلتی چھاؤں ہیں۔ تم اگتا ہوا سورج ہو۔ جان ...... تمے اچ سنبھالنا سوب۔

تینوں لڑکیاں : "جی خالہ جان"

سطوت آپا : بچو! پہلا کام دیر تک سونا بند کرو۔ اور کچھ نئی تو پڑھتے پڑھاتے بیٹھ جاؤ۔ اس عمر کی عبادت اور اللہ کا ذکر ...... اللہ کو بہت پسند ہے۔ ہاں۔ بگڑی بن جاتی اے سحر خیزی سے۔

تینوں لڑکیاں : (شرمندگی کے ساتھ) "جی ضرور خالہ جان' اب آپ کو شکایت نہ ہو گی۔"

("تینوں بچیاں لوٹ جاتی ہیں۔ سطوت آپا بی جان بی کے کان میں " کبھی کبھار نصیحت تو کردیا کرو۔ ")

بی جان بی : آپا۔ تھک گئی سمجھا سمجھا کر۔ ان کے بعد تو میری حالت ایک ڈھول جیسی ہے۔ دیکھنے میں بھاری اندر سے "پھوقل"

سطوت آپا : آں۔ ہاں۔ اس واسطے گھر بھر پر ویرانی سی چھا گئی ہے۔ (آٹھ نو سالہ بچی کشتی میں سلیمانی چائے کے فنجان لاکر سامنے رکھ دیتی ہے۔) کل اچ محلے بھر کی عورتاں مل بیٹھیں تو تمہارا ذکر نکلا ...... یاد کر رہی تھیں تمارے مزے مزے کے سالنوں۔ اچاروں۔ مرچوں چٹنی پاپڑ بڑیوں اور روٹ چونگوں کو ...... سال کے بارہ مہینے۔ مہینے کے تیس دن ...... تمہارے حصوں کو دیکھ کر معلوم ہوتا تھا یہ فلانی فاتحہ ہے آج فلانی نیاز ہے۔ کیا بات ہے کیچ۔ ایکی تو جھوٹے ہاتھ کوّے کو نئی مار رئیں دولن بیگم۔ کر کے۔ سواب معلوم ہوا۔"

بی جان بی : آپا۔ آپ کو تو معلوم اچ ہے، سال ہو گیا ہماری بڑی نند کو پاکستان ہجرت کر لے کے۔ انوں کیا گئے سمجھو کی ہماری خوش حالی اچ چلے گئی۔ ان کے رہتے بڑی ریل پیل رہتی تھی پیسے کی ...... پیسہ ہاتھ میں ہو تو سو چونچلے سوجھتے ہیں۔ پیسہ اچ نہ ہو تو ننگی نہائے کیا نچوڑے کیا؟ ...... ہاء ...... سرکاری تنخواہ سے بڑھ کو ان کے پیسے کا بھرّا تھا ہمنا۔ بڑا برکت والا پیسہ ...... ماہوار بندھی تنخواہ بی دیتے تھے سو اوپر سے ہر دوسرے تیسرے دن

پندرہ بیس پچیس پچاس الگ سے۔ ہے لوگاں کھاکو کھلا کو چار ''آدمی'' کو ''چار پیسے'' دیتے پھر روز بلا ناغہ فرسٹ شو بھی دیکھتے تھے سارے بچیاں کے ساتھ''

سطوت آپا : وہ اچ تو بُرا کر لیئے نا۔ پیسا پاس آیا تو دانتوں سے پکڑنا۔

پنجم الف : (چونچلے سے) وہ زمانے لد گئے جب خلیل خاں (پنجم بے)...... فاختہ اڑایا کرتے تھے

یکم الف : (بہنوں کی چوٹیاں گوندھتے مردہ لہجے میں) اب تو صرف دور دور سے پڈّی کو دیکھ کر جی بہلا لیتے ہیں۔

سطوت آپا : (خاصدان مارنے والے انداز میں اٹھاکر) اوئی پاڑ پڑو۔ مردار پوٹیاں!! دل لگیاں کرتیاں بزرگوں سنگ۔ صورتاں حوروں کے گُناں چڑیلوں کی (ہنستے ہوئے انگوٹھے اور انگلی سے حلقہ بنا کر بی جان بی کے آگے نچاتے ہوئے) پٹاخہ ہیں پٹاخہ۔ پھلجھڑیاں...... اللہ نصیبہ نیک کرے۔

بی جان بی : آپا...... ان کی بکواس پے کان مت دھرو...... شیطان کی مرید!!

سطوت آپا : اب سمجھ میں آیا ئے۔ وہی تو ہم بولئیں۔ محلے بھر کی چہیتی بہو۔ دولن بیگم کے پکوان کھاتے کھاتے دانت رنگے گئے، سواب۔ اب کیوں ہنڈی پے ہاتھ نئی جمنے دے رئیں۔

بی جان بی : (اپنی کمر میں ہاتھ ٹھونس کر کراہتے ہوئے) آپا۔ آپ سے کچھ بولنا ہے جی۔

سطوت آپا : (کان قریب کرکے) بول۔ بول۔ جی کھول کے بول دے۔

بی جان بی : (دبی آواز میں) آپا۔ یہ بازو والی...... چشتی بیگم نا۔ ان کا پوتا غازی ہماری پوتیوں کو بہوت چھیڑتا ئے۔ وہ دیکھو۔ وہ جاموں کے جھاڑوں پے چڑھ کو تاک جھانک کرتا ئے۔ فحش فحش گانے سنواتا ئے...... اوپر سے سوب کے سوب مل کر لڑ تیئں...... ایسا اچھا کیا؟

سطوت آپا : (کلمے کی انگلی سے ناک پر بہت بڑا دائرہ بناتے ہوئے) ووئی۔

(ہشتم بے کچھ چباتے ہوئے پردے کے اندر سر ڈالتا ہے۔ بی جان بی چلا کر "کیا چبارائے رے ماٹی ملے۔ اندر آ۔" لڑکا اندر آجاتا ہے۔ ماں کو مونہہ کھول کر بتاتے ہوئے "چاکلیٹ۔ اور کیا جی۔" بی جان بی اسکی بند مٹھی کھول کر مزید تین چاکلیٹ برآمد کرتی ہیں)

بی جان بی : کاں سے لایا رے اتنے سارے چاکلیٹ؟

ہشتم بے : ہمارے دوست غازی بھائی دیئے۔ وہ جب بلائے تھے نا پکار کے۔

سطوت آپا : (قریب کھینچ کر) کیوں رے...... ''کیوں رے۔ کیوں دیئے تجھے۔''

ہشتم بے : بولا نئیں کی وہ ہمارے دوست ہیں۔

بی جان بی : کیوں رے حیدر آبادی فقیر...... انو دیتے کیوں تو لیتا کیوں ؟

ہشتم بے : (کروفر اور متانت کے ساتھ انگلی اٹھاکر) بول دے رؤں گالی نئی دینے کا۔ ارے ہم ان کو سلیگٹ ڈبی لا کے دیتئیں۔ پان کا میٹھا بیڑا رام پیاری لا کے دیتئیں پورا۔پانی بی پلاتئیں۔ سر بھی دباتئیں۔ اس لئے انو ہم سے پیار کرتئیں۔

بی جان بی : (اچھل پڑتی ہیں) ارے خدائی خوار خیراتی...... تو پڑھنا لکھنا چھوڑ چاکری کرنے لگیا؟

ہشتم بے : (اجتجاجاً چھلانگ مار کرکمر پر ہاتھ دھر کر کھڑا ہوجاتا ہے اور سپاہیانہ وقار کے ساتھ) "ہم چاکری کائیکو کرتے جی" بے وقوف !! ہم تو ان کے راجا بھیا ہیں راجا بھیا۔ معلوم ہے وہ "سما (شمع)" بتا کے پوچھتئیں اس میں یکم الف یکم بے کاں بیٹھئیں بتاؤ۔ ہم بتادے تئیں۔ تو وہ پپی کر کے چاکلیٹ دے کے بول تئیں "Very good boy" (ویاری گڈ بائے)

سطوت آپا : اور کیا کیا کرتئیں رے...... ؟

ہشتم بے : بول تئیں۔ یکم الف کو ایک دن سولہ آنے دولن بنادیوں گا ہاں۔ یار تم شادی کی تیاری کرو ...... یہ کپڑے یہ زیور ...... ہم بولے اجی مگر پیسہ کاں سے لائیں تو بولے وہ خود اچ پورا پیسہ دیدیں گے۔ نئی تو اسے چوراں چرا کے لے جائیں گے۔

بی جان بی : (پھڑپھڑا کے سطوت آپا کو جھنجھوڑتے ہوئے) سن لیا آپا...... آپ سن لیا ؟ دیکھے جی ...... کیسا آدمی ہے۔ میرے بچیاں کو بگاڑ رہائے ۔ (سطوت آپا مبہوت ہوکر ہشتم بے پر دیدے گاڑے ہوئے ہیں) پچیس برس کا "ڈان گا" کدر۔ کدر میری بارہ برس کی جان" (دفعتاً پچھلی دیوار سے ریکارڈ شروع ہوتا ہے) میرے دل کی گنگا اور تیرے دل کی جمنا کا۔ بول رادھا بول سنگم ہوگا کہ نہیں۔ اری بول رادھا بول......

(بی جان بی مزید طاقت سے جھنجھوڑتے ہوئے) ریکارڈیاں اچ اٹک کر چلتا ہے دیکھے ایسے ننگے ننگے گانے سنواتا ہے۔ سیٹیاں مار کو اشارہ دیتا ہے روز سر شام اپنی کھٹارا موٹر دروازے پو لگا کو بلاناغہ پینے کو پانی منگواتا ہے۔ حرامخور !!

ہشتم بے : (سنجیدگی اور وقار کے ساتھ) "کھٹارا نئی جی۔ مارس۔ مورس کار"

بی جان بی : (ہشتم بے کی پیٹھ پر دو ہتھڑ مار کر جس سے وہ اچھل کر اوندھا گر کر چلانے لگتا ہے) اور یہ مردار ختیا...... کتنا ...... (ہوائی دو ہتھڑ کے ساتھ) روز جا کو اسکی ریٹھی صاف کر کو آتائے۔ یکم الف بے اور آوریاں...... بولو ری بولو خالاں کو۔

یکم الف : (بے کی چوٹی میں ربن گوندھتے ہوئے، سر اٹھا کر غضب کی پریشانی کے ساتھ) مدرسے جاتے ہیں تو ہنڈی کے پردے میں سر ڈال کر دور تک ساتھ ساتھ چلتیں......

یکم بے : آیاسّاں۔ ہنستے ہوئے انجان بن جاتی ہیں۔ بولتی ہیں استانی ماں کا نواسہ ہے۔ ایک محلے ایک گھر کی بات ہے۔

یکم الف : کبھی جام پھینک کر مارتے ہیں کبھی سیٹی بجاتے ہیں۔ کبھی بار بار بال پھینک کر منگواتے ہیں۔

یکم الف بے : ان کی امی تو ہم کو آواز ہی نکالنے نئی دیتیں ۔گندی گندی باتیں۔

سطوت آپا : (پہلو بدل کر سنبھلتے ہوئے طیش کے مارے) بلا دور۔ دُم کٹا لنگور...... اسکی یہ مجال۔ میں آج اچ اسکی املاّ۔ بہلا سے ''عینی'' شکایت کرتیوں۔ اب جب گاڑی روک کو پانی منگائے تو سیدھے جوتی لیکو مونہہ پے مارو۔ جو ہونگا دیکھا جائیگا۔ (اٹھ کھڑی ہوتی ہیں) چلتیوں۔ خدا حافظ۔ اب اس کی ہڈی تڑواکو اچ دم لئیوں گی۔

(روشنی سائیوں میں تبدیل ہوتی چلی جاتی ہے گاڑی رکنے کی آواز اور تیز ہارن کے ساتھ پکار ''ہشتم بے۔ ہشتم راجا ۔اماں یار!'' جواباً ہشتم بے متانت کے ساتھ ''آیا غازی بھائی''۔ کہتے ہوئے باہر نکل جاتا ہے۔ غازی بھائی ''یار تمھاری مورس پانی مانگ رہی ہے، اور ہاں ہمیں بھی ایک گلاس پانی پلوانا......'' ہشتم بے رازدارانہ ''دوست یہاں...... سب کا ریک فیل ہے۔ موٹی خالہ بول کے گئی ہیں آپ کو ناک آوٹ کردینے۔'' غازی روہانسے ہوکر ''دوست بچالے...... بچالے مجھے بچالے...... لا پانی ڈال دے۔ میں بھاگ لئیتوں۔'' ہشتم بے ''جی...... کوشش کرتوں بھئی'' پردے کے اندر سر ڈال کر ''پیاری آپا......ذرا پانی دیدینا۔ ہمارے غازی بھائی کو پیاس لگی ہے۔'' پنجم الف ''اچھا...... تو جا کے ڈبہ تو بھر لے پہلے''۔ ہشتم ڈبا لے کر اندر بھاگتا ہے ۔ یکم بے '' پنجم الف'' ...... جواباً ''ہاں آر ئیوں۔بولو'' یکم الف اور بے جھپٹ کر اس کو پکڑ کر اس کے بالوں میں سے موٹی موٹی جوئیں چن کر پانی کی گلاس میں چھوڑ دیتی ہیں ''جادیدے'' ہشتم بے خاموشی سے پانی کا گلاس اور ڈبا لیکر باہر نکل جاتا ہے)

غازی : (چونچلے سے) آ۔ جا۔ آجا میرے راجا بھیا...... ایک منٹ یار۔ ذرا آپکی گاڑی کو تو پانی پلادوں ایک لانبا ٹرائل دوں گا...... (پانی ڈال کر گلاس ہاتھ سے لیتے ہوئے) کیوں انگلیاں کیوں ڈال رہے ہو...... راجے......!

ہشتم بے : (معصومیت کے ساتھ) یکم بے یکم الف نئی۔ پنجم الف کے سر میں سے موٹے موٹے جوآں نکال کے ڈالے پانی میں...... سو نکال رہاں ہوں۔

غازی : (گلاس میں جھانك کر) آخ تھو۔ آخ تھو۔ چھی چھی چھی...... چھی......!!

بتول بی : (چلاّ کر) مجنوں نے کہا اے جانِ وفا...... لیلیٰ نے کہا مرکر تو بتا!!
ادوئی...... انسو تما...... بلی کتے نئی دودھ پیتی اے تو انکھیاں بند کر لیتی اے مجے کوئی اچ نئی دیکھیا بول کو...... انکھیاں بند اسکے اچ...... کھلے سارے جگ کے!!

انسو تما : (جواباً) چونچ آئی چگنے کو...... پر آئے اڑنے کو!! تو زمانہ کس کا؟...... انوں کا۔

بتول بی : مٹی پڑ کو جاؤ ایسے زمانے پو...... جوانی کس پو نئی آتی رے؟ کفن پھاڑ کو نئی نکل جانا رے۔ سید صاب کے پوتیوں کو لگنے نئی دیریاں دشمناں ہو کے!! شریفاں کو کنچے لگا دیریان اوپر پڑ کو......!!

انسو تما : (جواباً) مان نہ مان۔ مئی تیرا مہمان!! 'رتی چور راجاناں۔ کیسا کتے سنبھلنا؟''



(دن چڑھ آیا ہے فیضو نواب کے گھر کا نقشہ حسبِ حال بحال مست موجی منظر پیش کررہا ہے۔ نواب صاحب اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل میں غلطاں ہیں۔ البتہ بہت اونچے جھانپ کے اندر بند رنگیلا زبردست شور مچار ہا ہے جیسے بیک وقت دس پندرہ مرغ لڑ رہے ہوں۔ جس پر بنگلے والی دیواری کھڑکی کے پردے کے پیچھے سے ڈاکٹر شرما صاحب جھکتے ہوئے آواز نکالتے ہیں) جناب خان بہادر خوددار خان صاحب!

فیضو نواب : (جس حال میں ہیں دوڑے چلے آتے ہیں) جی سرکار...... حکم دیں!

ڈاکٹر شرما : (جھینپتے ہوئے) یار...... ذرا تو لحاظ کرلیں۔ نمازی دیکھے تو وضو ٹوٹ جائے!

فیضو نواب : سرکار! مجبوری ہے۔ مجبوری!!

ڈاکٹر شرما : حضت!! ایک آپ دوسرا آپ کا پہلوان رنگیلا۔ دونوں کا جواب نئی حیدرآباد فرخندہ بنیاد میں...... ارے سرکار۔ اس ڈھائی فٹ اونچے جن کو جھانپ کی بوتل میں بند کیا گیا ہے۔ زلزلہ برپا ہو رہا ہے۔ زلزلہ!! اسے کب تک یوں بند رکھیں گے؟ لوگ کہہ رہیں محلے کی رونق چلی گئی ہے۔ جانے کتنا اُتر گیا۔

فیضو نواب : (دلی قلق کے ساتھ) جی ڈاکٹر صاحب۔ حالت رہ گئی غریب کی۔

ڈاکٹر شرما : لاجواب پٹھا ہے جی۔ کسی نہ کسی طرح فائیدہ اچ پہونچتا ہے سب کو نقصان نہیں۔ پھر بھی پتہ نہیں لوگ ایک جانور کے دوست نہیں بن سکتے تو کیوں...... !!ایسا جانور فارم میں رہنا صحت مند نسل کشی کو۔ صائب! آپ اُسے کھول دیا کریں۔ میں پہلوان کو سمجھاتا ہوں...... آپ کا ''قیدی سپاہی'' میرے...... آپ کی میم صاحب کے۔ سارے ڈاکٹروں نرسوں آیاؤں مریضوں اور ملنے والوں کے بیچ شوٹ کیئے جا رہا ہے پندرہ دن سے۔

فیضو نواب : (خوفزدہ ہوکر عاجزی کے ساتھ) کامریڈ...... میں معافی چاہتا ہوں......آپ کو اچھی طرح معلوم ہے پہلوان ماننے والا آدمی نہیں۔ دشمن اس کے پیچھے ہاتھ دھو کے پڑا ہے۔ حالانکہ ایک بہادر کو دوسرے بہادر کی عزت اور حفاظت کرنی چاہیئے۔ اور تو اور ہنڈپڑا دیکھ کر وہ مردار کالی بلی بھی مارے انتقام کے جھانپ پر منڈلا رہی ہے۔

ڈاکٹر شرما : ارے نہیں بھائی۔ بے چارے پہلوان صاحب تو پہلے ہی بول چکے ہیں کہ غصے میں غیر غلط بول گیا ورنہ وہ جانور اچ ہے۔ بے عقلا۔ میں ڈاکٹر تو انسانوں کا ہوں مگر وقتاً فوقتاً جانوروں کو بھی Treatment دینا پڑتا ہے۔ ان کی بلی کی آنکھ کی ڈریسنگ کر دیا وہ اچھی ہو گئی ہے۔ وہ تو رنگیلے سے یم دوت کی طرح ڈرتی ہے۔ خیر۔ ایسا ہنڈا لے رکھنے سے بھی تو اسکی زندگی کا دھوکہ ہے۔ میں پھر ایکبار پہلوان صاحب کو بول دیتا ہوں۔ آپ بے فکر ہو کر رنگیلے کو آزاد چھوڑ دیو۔ انھوں نے بلی کو بھی ہنڈھ کے ڈالنا چھوڑ دیا ہے۔ (دریں اثنا رنگیلے کا شور شرابہ شدت سے جاری ہے) ایسا نہ ہو مجھے 'میم صاحب سارے اسٹاف اور مریضوں کو ایدہ گڈہ منتقل ہو جانا پڑے۔

(فیضو نواب بیقراری کے ساتھ رنگیلے کی جانب بڑھتے ہیں۔ " جی صاحب " کہتے ہوئے جیوں ہی جھانپ اٹھاتے ہیں۔ مرغ قلابازی مار کر ان کے سر پر سوار ہوکر پر جھاڑ کر بھرپور انگڑائی لے کر زبردست بانگ جھاڑتا ہے۔ فیضو نواب " ار۔ ر۔ رنگیلے میری جان تو نے تو میرا سر ہی توڑ دیا ہے۔ بدمعاش! چل بھاگ! اب تو آزاد ہے۔ آج چھٹی کا دن ہے جا موج اڈا...... میں تیرے ساتھ ہوں " فیضو نواب بڑے ہی سرفروشانہ موڈ میں گاتے ہوئے کاندھے پر رومال درست کرتے ہوئے کچن میں گھس جاتے ہیں۔

وطن کی راہا میں وطن کے ناؤ جواں شہید ہو۔
پکارتے ہیں یہ زمین او آسمان شہید ہو۔ شہید ہو۔ "



(روشنی کے گھٹتے بڑھتے دائرے وقت کی تبدیلی کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ فیضو نواب کے مکان کا منظر پیش نظر ہے ۔ ہال میں دیوار سے لگا بوسیدہ پھٹا پرانا لیکن صاف ستھرا فرش بچھا ہوا ہے بی جان بی گاؤ تکیے سے لگی بیٹھی ہیں ۔ ان کے پاس لادی بھر پھٹے پرانے کپڑے اور سلائی کا بوسیدہ ڈبہ رکھاہے ۔ وہ کھانستی جاتی ہیں اور مسلسل سلائی کئے چلی جاتی ہیں ۔ یکم الف اور بے ہاتھ بٹا رہی ہیں ۔)

بی جان بی : ہفتم مائی ملے کا مونہہ جلو۔ دو سال سے مسلسل فیل ہو رہا ہے اس سال پھر اوندھا پڑتا کی۔ کیا کی !! اتنا احساس نئی کرتا پیٹ کو کاٹ کو ماہانہ چودہ آنے فیس بھرتیئں۔ جان کو مار کو کاپی پنسل کتاباں دلاتیئں۔ کپڑے بناتیئں۔ مگر فیل سو فیل۔

یکم الف : امی ...... ابو پھر ہماری فیس ابھی نہیں دیئے۔ اب تو بورڈ کا فائینل اگزام ہے امی اگر لیٹ پے منٹ ڈیٹ بھی بار ہو گئی تو ہم کیا کریں گے ؟

بی جان بی : (بیزارگی سے) ہونہہ ......

یکم بے : امی۔ ہم محنت کر سکتے ہیں بھوکے مر مر کے۔ دوسروں کو خوب اچھا کھاتا پیتا پہنتا کھیلتا دیکھنے کے باوجود ، کبھی گلہ نہیں کیا کہ ہم بھوکے مشقت بھوگ رہے ہیں یا ہم ان سے جلتے ہیں نفرت کرتے ہیں ہمیں حرص نہیں آتی ہم کلاس میں اچھے اونچے ریئکس لاتے ہیں۔ لیکن ہم فیس کہاں سے لائینگے امی ...... بولو نا !!

یکم الف : امی ...... آپ لوگ کتابیں نئی دلائے ہم نے آپکو تنگ نہیں کیا۔ ہم نے کتابیں نقل کیں نوٹس بنالیئے۔ پھر سکالر شپ ملی آپ نے ہم ساروں کے اسکول ڈریس بنادیئے۔ ہم نے یہ بھی نہیں کہا کہ یہ ہمارے امتحانوں کی فیس کے لئے رکھ دو ...... اب بتاؤ امی ...... ہم اپنا سال ضایع کرلیں ؟ آخر اب ہو گا کیا ؟

بی جان بی : کیا کروں۔ سر پھوڑلیوں ؟ دُوا اور صبر کرو۔ بھروسہ رکھو تمارے ابوّ کچھ نہ کچھ ضرور کریں گے ...... دیکھتے نئی وہ کتنے پریشان ہیں ؟ ان کا بایاں پنجہ ٹوٹا ہوا ہے۔ اکثر پلٹ پڑتا ہے۔ اس لئے وہ چھڑی لے لیکو چلتیئں۔ خاندانی وضعدار عزت دار گھرانے کا بیٹا ہے اور پھر کلمہ گو مسلمان۔ بھیک وہ نئی مانگ سکتے۔ ٹھگ وہ نئی سکتے۔ چوری وہ کر نئی سکتے۔ گھر کی لاج بیچ بازار دھر نئی سکتے ......اس لئے گئے ہیں اپنے داداجی کی یادگار چھڑی بیچ کو تماری فیس کے لیئے پیسے لانے۔

یکم الف : وہ اونٹ کے سر جیسی اونٹ کی ہڈی کی چھڑی ؟ ماں وہ ایک نایاب یادگار چھڑی ہے۔ اس

کا خریدار ...... تو خیر کیا ملے گا۔ہاں چھتری ضرور چلی جائے گی۔

بی جان بی : اب جو ہو سو ہو۔یاں حیدرآباد میں سو، سوا سو بھی مل گئے تو کام نکل گیا سمجھو۔

یکم بے : ہائے اللہ...... بڑے دادا ابا کی مبارک یادگار بھی چلی گئی۔

بی جان بی : کسی زمانے میں رئیس لوگ اس کے اندر ہیرے جواہرات اور غیر معمولی قیمتی راز کی دستاویزاں چھپا کو کام کرتے تھے۔اور کسی کو پتہ بھی نئے چلتا تھا۔

یکم بے : ہاء...... کاش ایک ہیرا نکل آتا۔

یکم الف : جو ہماری کایا پلٹ دیتا۔

بی جان بی : (سلا ہوا کپڑا جھٹک کر) بس بس ...... بہوت کھائے جی بزرگوں کی پونجی۔اور ابی کھارئیں۔لیو۔یہ پانچوں کے لئے گرم کپڑے سل گئے۔صرف ان کا باقی رہ گیا ہے۔دو قمیض میں ایک اور ہوتا۔تم لوگاں ایک اور پھٹا پرانا قمیض ڈھونڈ، کے لاد ئیو...... سردیاں قیامت کے آگئیں۔اور ہاں یکم بے تے مچان پو سے پرانی چھتری نکال کو لالیو۔ساتھ میں پھٹا پرانا برقعہ بی...... حسب موقعہ رفو کر دینوں۔ایک سہارا لگا رہینگا۔

(آواز کے ساتھ ہی دروازے پر تڑاخے دار دھکا لگتا ہے ۔ سب چمک پڑتے ہیں " ہاں ۔ کیا ہوریائے ۔ دولن بیگم " بی جان بی اپنے آپ کو سمیٹتے اور سنبھالتے ہوئے ارے ۔ السلام علیکم ۔ عالیہ آپا ۔ آئیے ۔ آئیے ۔" عالیہ بیگم : ایک معمولی قسم کی خاتون غیر معمولی شوخ اور قیمتی کپڑوں میں ملبوس آکر قریب میں بیٹھ کر کپڑے کھنگالتے ہوئے) " ایں یہ کیا پٹارہ کھول کے بیٹھئیں پرانے کپڑوں کا ۔ صندوق کی چابی مل گئی کیا ؟

بی جان بی : (ٹھنڈی آہ کے ساتھ) ایسا نئی بولو آپا۔جس کی گت وہ جانے۔ ایک کمانے والے کے کندھوں پر چودہ جانوں کا بوجھ۔بڑا نوالہ ملتا نئی کھانے کو بڑا بول چھوٹے مونہہ سے کیسے بولینگے ہم 'اترن سترن پھٹا پرانا اپنوں کا۔صرف اپنوں کا۔یہی تو ہماری دولت ہے۔کم زیادہ اچھا بُرا صرف اپنے آدمی کا یہی تو ہماری عزت ہے۔کیسا بھی جی کے گذر جانا ہے بہنا لیئے...... (الف) تو خالماں کے واسطے چاء بنا کو لا۔ اماں دودھ کی چاء۔

(یکم بے چھتری اور برقعے کا ٹکڑا لاکر ماں کو دیتی ہے ۔ یکم الف بڑی کپ میں چائے اور طشتری میں کھارا کشتی میں رکھ کر لاکر سامنے رکھتی ہے ۔ عالیہ بیگم " اوئیے ۔ اوئے ۔ ! ! میری خاص الخاص مدارات کیوں جی ماں ۔ " یکم بے " خالماں ...... حدیث شریف ہے جس سے کوئی دکھ پہونچے اس سے زیادہ بہتر سلوک کرو بول کے)

عالیہ بیگم : (غیر معمولی شرمندہ ہوکر) سچی دولن بیگم۔ اللہ نے تمنا ہیر اچیاں دیئے۔ جی خوش ہوگیا۔ تم لوگوں کی باتوں سے خاندانی شرافت اچ شرافت ٹپکتی ہے۔ سچ کہا بزرگوں نے اصل سے خطا نئی بے اصل سے وفا نئی۔ ہزار باتوں کی ایک بات۔ نہ کبھی بھلے دن ٹکے رہے نہ کبھی بُرے دن ٹکے رہیں گے۔ آج کھانے والوں کو گننے والی زبان کل کمانے والے ہاتھوں کو گن نئی سکیں گی۔

بی جان بی : نہ بہانہ۔ جوتیوں سے توبہ قبول اللہ دے، مگر اتنے نہ دے کہ سہارے سہار نئی سکیں۔ ترستے مونہہ دیکھ دیکھ کو اور ترسو اور آپچ تڑپو۔ بس دو چار اچ دے۔ پیٹ بھر کو کھلائیں۔ نیند بھر کو سلائیں۔ چین کی بنسی بجائیں۔ آپ ٹھنڈے جگ ٹھنڈا......

عالیہ بیگم : بہوت بڑا جگرا ہے دولن بیگم تمارا اور تمارے دولے میاں کا۔

بی جان بی : بند مٹھی کا بھرم رہ جائے آپا۔ پرکھوں نے عزت سے کاٹی۔ اپنی بھی کٹ جائے آپا۔ کل یہیں اچ اسی زمین پو ہم پھول بچھے تھے آج دھول اڑا کو جیئیں...... ؟ نئی آپا...... ذلت کی ہزار دناں کی زندگی سے عزت کی فی الفور موت اچھی!!



(گھڑی کے چلنے کی انتہائی تیز موسیقی ریز ٹک ٹک ٹک ٹک۔ گھری رات میں ایک سماں باندھ دیتی ہے جس کے بعد ٹن ٹن۔ ٹن ٹن ...... ٹن۔ پانچ گھنٹے اور خطِ مستقیم میں فرش سے اوپر کی جانب اٹھنے والی روشنی کی سطح ایک آدھ چڑیا کی چوں۔ چوں۔ اور کوّے کی کائیں کائیں۔ دلآویز اذان کے فوراً بعد ہی چڑیوں کی چہکار کا ریلا۔ کوؤں کی کائیں کائیں۔ مندر کی گھنٹیاں ...... ساتھ میں بھجن منڈلی کے بھجن۔ جس کے اختتام کے ساتھ ہی ایک آدھ پپیہے کی ہوک: گشتی بھجن منڈلی اپنے دورے میں)

رگھوپتی راگھو راجا رام　　　پتی تاپاون سیتا رام
سیتا رام سیتا رام......　　　جئے سیا رام جئے سیا رام۔ جئے سیا رام
جیوا جہاں کے تیری جان　　　سب کو سمتی دے بھگوان
جئے سیا رام جئے سیا رام۔ جئے سیا رام۔ جئے سیا رام
رگھوپتی راگھو راجا رام　　　سب کو سمتی دے بھگوان
رام لکھن ہنومان جی　　　سب کے من کی شانتی
جئے سیا رام۔ جئے سیا رام۔ جئے سیا رام

جے جے۔ جے جے۔ جے سیارام

ایشور اللہ تیرو نام   سب کو سمتی دے بھگوان

رگھو پتی راگھو راجہ رام   پتی تاپاون سیتارام۔ سیتارام۔ سیتارام۔ سب کو سمتی دے بھگوان

(ساری منڈلی بھرپور جوش کے ساتھ دلپذیر آواز میں) جے جے۔ جے جے۔ جے جے رام

جے سیارام۔ جے سیارام۔ جے سیارام

(فیضو نواب کونے میں دھری ٹوٹی پھوٹی میز جسکے ایک آدھے پائے کو تین اینٹوں پر رکھ کر جمایا گیا ہوا ہے اوپر میز پوش ہے جس پر بچوں کی کتابیں کاپیاں سجی رکھی ہیں۔ جس کے نیچے کچھ کاٹھ کباڑ ہے۔ سر تقریباً اندر گھسائے ہوئے کچھ کھٹ پٹ کئے جارہے ہیں ساتھ ساتھ اپنے میں آپ بُدبُدارہے ہیں۔"باج رہے ہیں! باج رہے! ہارمونیم باج رہے ہیں۔ ہارمونیم!! سمجتھے ہیں دو سروں کو بجانا نئی آتا۔ ان کو اچ آتا ہے۔ بھجن گارہے ہیں۔ دوسرے کونسا جھک مارتے ہیں" ہارمونیم کی میل کچیل میں اٹی بوسیدہ سی پیٹھی کھینچ نکال کر فی الفور صفائی کرلیتے ہیں۔ جب تیار ہوجاتا ہے تو آکر بیوں بچوں کے پائینتی بیٹھ کر دو چار منٹ سُرتال درست کرتے ہیں۔ ایک سمان سا بندھ جاتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی کھڑا پکّا راگ اٹھا کر سُر اور تال کے میل کا ناقابلِ فراموش منظر پیش کرتے ہیں۔ جس سے کھڑکی میں ڈاکٹر شرما والے اور دروازے کی سیڑھیوں پر اہل ذوق۔ جام کے جھاڑوں میں غازی۔ کلیم بابو۔ چشتی بیگم اور ان کے میاں ایک ایک کرکے جمع ہوجاتے ہیں اور مبہوت بھی مست الست جیسے)

فیضو نواب :   پہلے مونہہ اور ناک سے سرُ اٹھاتے ہیں۔ اور پھر۔

تم بن ہمری کون کھبر لے۔ گوُردھن گردھاری؟ گوُردھن گردھاری؟!

گورا۔ دھنا۔ گری دھاآری۔

گوُردھنا گردھاری؟

گوُردھن گردھاری...... گوُر

گو......ورا۔ دھنا۔ گردھا۔ آری۔ ی۔

گوُردھن گردھاری ۔ی۔ی

تورے دوار کھڑی بھکارن۔ درس کی پیاسی تیری پجارن۔

بھکا...... رن...... بھکا...... رن

درسا پیا...... سی...... تیری   پجا...... ر...... ن۔

درس دکھادے برج کے باسی۔

درس دکھا...... دکھادے۔برج کے باسی۔

کھالی جھولی لوٹے ناداسی

جھولی پیارے برہا کی ماری۔

ترپے چرن میں تیری برہن۔ دکشادے دے بھکشادیدے

مرلی منوہر......

چھوڑ کے آجا راج سنگھاسن......

اور نہیں تو برج کے باسی۔

برج کے باسی۔

یہ تو بتا جا کون کھبر لے۔

کون کھبر لے...... کون کھبر لے......

تیرے سوا نا کوئی کھبر لے!

تم بن ہمری کون کھبر لے...... کون کھبر لے

گئور دھن گردھاری۔

گئور دھن گردھاری

جیاء جیاء جیاء جئے ہو مرلی منوہر

مرلی منوہر۔مرلی منوہر ۔مرلی منوہر!!

(مزید دو منٹ صرف دھن باجتے ہیں ۔ خود آپ فیضو نواب نیم کھلی آنکھوں کے ساتھ مدہوشی کا مظاہرہ کررہے ہیں ۔ سارے بچے آہستہ آہستہ اطراف جمع ہوکر تام چینی کی الٹی رکابیوں پر تال ملا رہے ہیں۔ فیضو نواب گت بدلتے ہیں ۔ ایک سحر طراز خود فراموش سماں سا بندھ جاتا ہے ۔ جیسے ہی وہ سر اٹھاتے ہیں ۔ ننھ چوہے کی مانند پھدک کر ماں کی بغل سے باہر آکر کچن میں پہونچ جاتا ہے ۔ اپنے پیچھے کچھ چھپائے آکر سامنے کھڑا ہوجاتا ہے)

فیضو نواب : سارے گاماپا......آ۔

جا کے متھورا اُوکا رانی۔

ار ہاں جاکے۔جاکے

نجا کے متھورا اُوکا رانی۔ اُوکا رانی اُوکا رانی ۔ ای۔ ای۔این۔

ہاں۔ہاں جا کے متھورا آوکا رانی۔

را......نی۔ این۔ این۔ این۔

متھرا...... تھورا......آ۔آ۔

متھ ہرا...... متھے...... را......

جا کے...... متھورا آوکا رانی

گاگریا...... گاگریا......ہاں گا۔گری۔یا۔

گاگریا...... پھوڑی......کنا......آ......ر!!

(لفظ" پھوڑی " پر پہونچتے ہی نہم جم کر بیچوں بیچ ۔ کس کر بھرا ہوا ' جنّی غبارہ Gaint Balloon " پھوڑتا ہے دھماکے کے ساتھ ساتھ نہم کا کلکاریاں لیتا ہَوا قہقہہ ۔ ساتھ ہی خاموشی کا سحر ٹوٹ جاتا ہے ۔ دھماکے کے زور سے سارے کے سارے اچھل پڑتے ہیں اور فیضو نواب ایک ہی پشتی چھلانگ (Back Bounce) میں گاؤ تکیے پر اکڑوں مسلط ہوکر بدحواس اور خوف زدہ نگاہوں سے ماحول کو تاکتے ملتے ہیں ۔ نہم ماں کی گود میں دبک جاتا ہے ۔ ان دونوں کو سارے بچے اطراف سے چمٹ جاتے ہیں گویا ہر کوئی ان کی پناہ لینے کا متمنی ہو ۔ تقریباً خالی ہال میں ہارمونیم کی پیٹھی اور بکھری ہوئی رکابیاں ہیں پھٹا ہوا بیلون ہوا کی لہروں پر ادھر ادھر لڑھک رہا ہے ۔ فیضو نواب ڈرتے ڈرتے اپنے اطراف و اکناف سے قطعی بے خبری کے عالم میں اٹھ کر پھٹے ہوئے غبارے کو اٹھا کر الٹ پلٹ کر تے ہوئے حسرت و یاس کے ساتھ اونچی آواز میں کہتے ہیں ۔

بے در و دیوار سا اک گھر بنایا چاہئے
ہم سخن کوئی نہو اور ہم زباں کوئی نہو

اس کے ساتھ ہی چاروں طرف سے تالیوں اور تحسین کے نعروں کا زبردست شور برپا ہوجاتا ہے ۔ پچھلی دیوار سے تال اور وزن کے ساتھ " چچا زندہ باد ...... چچا زندہ باد۔ زندہ باد چچا زندہ باد " کے نعرے لگتے ہیں ۔ فیضو نواب اپنے ہی سحر میں گم خودفراموشی کے عالم میں غلطاں ہیں ۔)

ڈاکٹر شرما : بہت خوب۔ سید صاحب...... بہت خوب!!

مسز شرما : پہلے تو ہم سمجھے غالباً ریڈیو پروگرام آرہا ہے۔ وہاں کچھ نہ ملا تو دیکھا پروگرام تو آپ نشر کررہے ہیں...... ماشاء اللہ!!

فیضو نواب : (معنی خیز سنجیدگی اور حیرت کے ساتھ) ڈاکٹر صاحب بچپن کے کھیل کے مزے اور کنوار پن کی مستی ...... کے رنگ کچھ اور ہی ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب سبحان اللہ...... سو فیصد سچ نواب...... !شادی کے بعد ؟ نہیں نہیں...... کچھ نہیں۔

مسز شرما : اور اولاد کے بعد تو پھر کبھی نہیں۔

ڈاکٹر شرما : اس کے باوجود جیئے جانے کیلئے دل کو جلائے رکھنا ہوتا ہے۔

فیضو نواب : (حسرت سے ہاتھ ملتے ہوئے) اسی لیئے تو دل ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن بیٹھے رہیں تصور جاناں کیئے ہوئے ! !

دیوار کے پیچھے سے ریکارڈنگ شروع ہو جاتی ہے اور حسبِ روایت تکرار جاری ہوتی ہے "تمھیں پیار کرتے ہیں کرتے رہیں گے — کہ دل بن کے دل میں دھڑکتے رہیں گے"

(روشنی کی سہانی سطح اوپر اٹھتے اٹھتے تیز دھوپ میں بدل جاتی ہے۔ ہال کے بیچوں بیچ فیضو نواب اپنے فل دفتری کاسٹیوم میں تیار برآمد ہوتے ہیں۔ اورشیروانی کی جیب میں ہاتھ ڈال کر کچھ رقم نکال کر بچیوں کو آواز دیتے ہیں۔ دونوں پیسے لینے کے بعد جھک کر سلام کرتی ہیں اور باپ سے لپٹ جاتی ہیں جس سے فیضو نواب لڑکھڑا جاتے ہیں)

فیضو نواب : کیم الف۔ کیم بے۔ لو یہ ایکسو پچاس روپے۔ تم دونوں کے بورڈ اگزام اور اسپیشل کلاس کی فیس۔ تمارے بڑے دادا ابو بھجوائے ہیں۔ زندگی بھر یاد رکھنا۔ ان کی مغفرت اور ثوابِ جاریہ کے لئے دعا کرتی رہنا۔

بچیاں : شکریہ ابو...... جزاک اللہ ...... ابو اللہ پاک آپ کا سایہ تا قیامت ہمارے سروں پر قائم رکھے۔ آمین ۔

بی جان بی : "آمین ثم آمین" ۔

کیم بے : اب ہم اسکول جاسکیں گے ابو۔ نئی تو "آپا" کے سامنے آتے شرم آرہی تھی۔

کیم الف : آپا بولے بھی میڈم سے بول کے سکول فنڈ سے فیس بھروالو۔ کیم بے بولی۔ "نابابانا۔ ابو کو پتہ چلے گا تو خوب ناراض ہوں گے"

فیضو نواب : شاباش ...... تو نے بہت اچھا کام کیا۔ اسکول فنڈ بے یار و مددگار بن ماں باپ کے یا اپاہج ماں باپ کے بچوں کا حق ہوتا ہے۔ اور ابھی تیرا باپ زندہ ہے...... مرد ہے بھئی مرد...... تو زنخے کی نئیں جان ایک مرد کی بیٹی ہے۔ مفت خوری اور خیرات طلبی انسان کو دوسرے ہی کے نہی ں اپنے آنکھوں سے بھی گرادیتے ہیں۔ عادت ہو جاتی ہے تو چھوٹتی نہیں۔ ہمیشہ مالِ مفت پے نظر رہتی تھی۔

نیلم بے : ابّو...... مگر آپ پھوپی جان سے تو بہوت......

فیضو نواب : ارے بیٹا...... وہ تو میری بڑی بہن ہیں۔ میری اور تمھاری بجائے خود مان۔ اپنوں کا دینا اور اپنوں سے لینا خیرات نہیں بروقت امداد ہوتا ہے رے۔ اچھا...... چلتئیوں...... فی امان اللہ۔ (قدم آگے بڑھاتے ہوئے بائیں پاؤں پر ڈگمگا جاتے ہیں تو اپنے آپ سے) بغیر چھڑی چلنا محال ہوگیا ہے پاؤں ڈگمگا جاتا ہے۔ خیر عادت ہو ہی جائے گی۔

پنجم بے : (دوڑ کر چھتری لاکر تمھاتے ہوئے) ابّو یہ دیکھئے...... امی نے آپ کے لئے یہ چھتری تیار کردی ہے۔ یہ چھڑی کا کام بھی دیگی۔ دھوپ اور پانی سے بھی بچائے گی۔

(فیضو نواب خوب اچھی طرح جائزہ لینے کے بعد چھتری ٹکا کر چلنے کی مشق کرتے ہیں اور پھر چھتری کھول کر بائیں کندھے پر لگا کر مونہہ تکتی ہوئی خاموش کھڑی بیوی کے آگے سر کو جھکا کر " شکریہ " کہتے ہوئے چھتری کو اپنے سر پر تان لیتے ہیں۔ اسی ایکشن پر منظر تھم جاتا ہے۔ پیچھے ریکارڈ بج رہا ہے۔ آگپ چپ گپ چپ پیار کریں

آچھپ چھپ آنکھیں چار کریں

ایں...... ایں...... ایں



(فیضو نواب کے گھر کی روائتی صبح کا منظر پیش نظر ہے کچن سے برتنوں کی کھٹ پٹ لکڑی کا چولھا پھونکنے کی سوں سوں ، اور دھوئیں کے مرغولوں میں فیضو نواب کی کُڑکُڑاہٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ کہیں دور سے مرغیوں کے بھاگنے رنگیلے کا شور اوربچوں کی کلکاریو ں کا شور بھی سنائی دے جاتا ہے۔ دفعتاً پچھلے گھر سے تیز سیٹی کی آواز کے ساتھ ریکارڈ شروع ہوجاتا ہے اور مصرعوں کی تکرار کاسلسلہ چل پڑتا ہے۔ " تیرے پیار کا آسرا چاہتا ہوں وفا کررہا ہوں وفا چاہتا ہوں " فیضو نواب کچن سے کبوتر پکڑنے والے انداز میں برآمد ہوکر دیوار پر مکّا تان کر پل پڑتے ہیں)

فیضو نواب : اوئے بیٹا...... گھر بیٹھے...... آبیل مجھے مار للکار تیئں!! پیدا ہو جا کے جمعہ جمعہ آٹھ دن ہوئے نئ کی۔ پیار ان بھی کرلے رائے وفائیاں لی کرلے ریائے ؟ ارے۔ سمجھ کیا را ئے یاں ہم بھاڑ جھونک رئیں ؟ ہائیں۔ یاں پورے پندرہ سال سے وفائیاں ہورئیں۔ بچوں کا کھیل سمجھائے وفا کرنا۔ ارے او دیوانے مدر کی پاگل اولاد (دیوار پر مکہ بازی کا اور پیچھے سے دل آزار قہقہوں کا سلسلہ جاری ہے) دیکھ مجھے۔ اندھے منگوس۔ مجھے دیکھ۔ دِق کی ماری مردہ بیوی کو لیکر مئی وفا کرروں۔ تیرہ پوتائیں کی پلٹن کو لیکر۔ میں وفاؤں پہ وفا کرروں (دوسرا ریکارڈ شروع ہوتا ہے۔ "ذرا سامنے آ

...... ذرا آنکھ ملا تیرا شکریہ کردوں ادا") دفعتاً رنگیلا دیوار پر نمودار ہو کر بدن جھاڑ کر زبردست بانگ دینے کے بعد چھلانگ مار کر نیچے اترتا ہے فیضو نواب جھپٹ کر مرغ کو گود میں سمیٹ کر دیوار کی جانب لپکتے ہیں)

رنگیلے ...... رنگیلے !! میرے یار ! میری جان !! بتا۔ بتا اس لعین کو کون وفا کر رہا ہے۔ مئی کی اُنے !! کون جان لٹا رہا ہے) ؟ (ریکارڈ "ایسے نہ مچل من جائے نہ پھسل تیرا دم ہی نکل جائے نہ" فیضو نواب غیر معمولی طاقت سے چیخ کر) وہ کی مئی ؟

آواز پنچم سر پر : ارے ...... بس کرو چچا ...... بس کرو!

فیضو نواب : بھتیجے تو بس کر!

آواز : چچا تم بس بھی کرو۔

فیضو نواب : (چلا کر) نئی بھتیجے پہلے تو بس کر۔

آواز : چچا پہلے تم ......

فیضو نواب : مرغ کو پٹخ کر سٹ پٹا کر "چوپ" آواز لگا کر "خدا حافظ چو! میں چلا اب یہ محلہ رہنے لایق نئی رہا "(کہتے ہوئے باہر جانے لگتے ہیں رنگیلا پوری توانائی کے ساتھ پیچھے دوڑتا ہے گویا منا کر واپس لانیکی کوشش کررہا ہو)فیضو نواب جاتے جاتے آسمان کی جانب ہاتھ اٹھا کر شکایتی لہجے میں "کل تک یہ اشراف کی ستی ہوا کرتی تھی اور آج در و دیوار سے ناشائستہ بوم پٹار اگو نجتا ہے" باہر کود جاتے ہیں۔)



(فیضو نواب کے مکان کے روائتی منظر کے درمیان ۔ بی جان بی آنکھوں پر عینک چڑھائے لالٹین کی روشنی میں نہایت ادب کے ساتھ قرآن شریف پڑھ رہی ہیں ۔بچے یکم الف اور بے کی نگرانی میں دو لیمپ رکھے ارد گرد بیٹھے ہوم ورک کررہے ہیں ۔ دروازہ ادھ کھلا ہے دہلیز پر فیضو نواب کے کمزور سی کراہ کے ساتھ سیڑھی پر زور سے قدم رکھنے کی آواز کے ساتھ ہی بیوی بچے سرتاپا متوجہ ہوجاتے ہیں ۔ تھکے ہارے فیضو نواب گھر میں داخل ہوتے ہیں ۔ سر سے ٹوپی غائب ہے بکھرے بال عجیب یتیمانہ صورتحال پیش کررہے ہیں ۔ اندر آتے ہی کسی کو بغلگیر کرنے والے انداز میں دونوں ہاتھ پسارے درماندہ آواز میں شعر پڑھتے ہیں : "اے دوست چیرہ دستیٔ اہلِ جہاں نہ پوچھ باقی نہیں ہے دامنِ یوسف میں تار دیکھ"

بی جان بی : (سرا سیمہ ہوکر) کیا ہوا۔ ایسا حال کاہے کو جی ؟

فیضو نواب : کچھ مت پوچھو۔ بس ستارہ گردش میں ہے۔ مرتے مرتے بچا ہوں بجانی۔

لی جان لی : اٸی دور پار۔ مریں تمارے دشمن...... تم ولی صفت آدمی جی۔ اللہ جلاتا۔

کیم بے : اللو...... ہوا کیا ہے کچھ تو بولئے۔

فیضو نواب : (مردہ دلی کے ساتھ سیدھے الف کھڑے ہوجاتے ہیں) کیا بیتی کیا سناؤں بس اللہ نے بچالیا تم لوگوں کی خدمت کو۔

لی جان لی : (مزید ہلکان ہوتے ہوئے) اٸی۔ ایسا کیا اچ ستم ٹوٹ گیا ماں۔ کچھ بولو تو......

فیضو نواب : (دھم سے گاؤ تکلیے پر بیٹھ جاتے ہیں) جانی...... بڑے صاحب ایک فائل کی تنقیح کے سلسلے میں یونیورسٹی کیمپس بھیجے۔ کام کروا کے بس میں بیٹھنے جارہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح پیڑوں کی چھاؤں میں چل رہا تھا ذرا نئی دیکھا کی میرے سر پر بندراں بھی ساتھ ساتھ چل رئیں یہاں تک کہ ایک نے جھپٹا مار کر میری "خاندانی ٹوپی" اڑالی جو اوپر دیکھتا ہوں تو وہ ٹوپی لیکر پیڑ کی سب سے اونچی ڈال پر جابیٹھا۔ پیچھے سے دوسرے نے دھول جمائی۔ بس سلسلہ برپا کردیا۔ لوگوں نے چلا کر کھلی جگہ بلالیا تو دھول دھپے سے جان چھوٹی۔ اور وہ بدمعاش ٹوپی میں مونہہ چھپا کر ٹھٹھہ کرے۔ یار لوگوں نے کچھ پھینک کر ہٹلانے کو کہا۔ کسی نے اخبار دیا، اخبار کی ٹوپی بنا کر پھینکی تو۔ لفنگوں نے اوپر سے وہ رڈی پھینکی کہ حیران رہ گیا (ششم ہفتم ہشتم نہم کلکاریاں مار کر قہقہے لگاتے ایک دوسرے سے لپٹ کر زبردست تفریح کا اظہار کرتے ہیں) میں نے طبلق سر پر رکھ کر دکھلا کر دور پھینکی تو وہ رنگ برنگی فائلیں۔ کاپیاں رجسٹر پھینکے کہ الاماں...... میں نے پتھر پھینک کر ڈرایا تو کٹوریوں توشہ دانوں چمچوں گلاسوں طشتریوں پیالیوں کا انبار لگادیا...... لیکن میری ٹوپی (روہانسا ہوکر) میری خاندانی ٹوپی جو اب تیسری پیڑھی میں چل رہی تھی، نہ پھینکنی تھی نہ پھینکی جھاڑاں کی اونچی ڈگالیوں پو بیٹھ کو غول ملایانی میری ٹوپی سے والی بال کھیلے ہیں۔ ہائے اللہ مر گیا

لی جان لی : اتنا سامان تو اپنے جاگیر کے بندراں بھی جمع کر کے سینت کے نئی رکھتے...... رے اللہ۔

فیضو نواب : میری جان جلی جارہی ہے ٹوپی کو...... ٹوپی کا پہنا شائستگی اور شرافت کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ یاں تو چلے گئی بزرگوں کی یادگار...... اب تو بازار میں رومی ٹوپی ملتی اچ کاں ہے۔ ہائے ہائے!! بڑے چاؤ سے باندھے تھے ابا شادی کا سہرا ٹوپی پر...... (دلی قلق کے ساتھ) سہرا اسی ٹوپی پر تو بندھا تھا۔

(جھٹ سے کھڑے ہوکر دونوں ہاتھ دونوں سمتوں میں پھیلا دیتے ہیں سیدھے ہاتھ میں توشہ دان اور بائیں ہاتھ میں چھتری صلیب جیسا منظر پیش کررہے ہیں۔ دیدے آسمان میں پیوست)

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے   اتنے مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے۔آہ......

(دفعتاً دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ شروع ہوتا ہے)

سر جو ترا چکرائے یا دل ڈوبا جائے   آجا پیارے۔پاس ہمارے۔کاہے گھبرائے   کاہے گھبرائے!

(اپنی اسی پوزیشن میں فیضو نواب کن انکھیوں سے دیوار کی جانب ایسے دیکھتے ہیں جیسے موقعہ ملتے ہی پل پڑینگے اور چشم زدن میں سینکڑوں بندروں اور تینوں نوجوانوں کے پرخچے اڑا دینگے) آواز ''ہوٗ......وٗ ......ہوٗ !!



(فیضو نواب کے مکان کا وہی روائتی افسانوی ماحول بنا ہوا ہے ۔ گھڑی دن کے ڈھائی بتلارہی ہے ۔ کھٹیا پر چالیس پینتالیس سالہ وضعدار شخصیت براجمان ہے بچے سب اردگرد کھڑے ہیں ۔ ہشتم بے پیچھے سے یکم الف کی آستین کھینچتا ہے ۔ پلٹنے پر بہت بھوک لگنے کا اشارہ کرتا ہے جواباً وہ بھی نووارد کے چلے جانے تک انتظار کرنے کا اشارہ کرتی ہے)

ہفتم بے : امی دواخانے گئی ہوئی ہیں ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے نا پھوپا جان!

پھوپا جان : ہاں بیٹے۔وہ بیچاری کمزور بھی بہت ہوگئی ہیں۔تمارے ابو بھی تو بے حد پریشان رہا کرتے ہیں۔

یکم الف : پھوپا جان۔اج صبح ششم ہفتم ہشتم فیس اور کاپی کو پیسے مانگے تو اپنے لئے موت کی دعا کیئے۔ امی رو دیئے۔

پنجم الف : (کمر پر دونوں ہاتھ دھر کر) وہ تو پرسوں سے اچ جاری ہے جب سے بندروں نے ان کی ٹوپی اڑالی جی۔

پھوپا : بندروں نے ان کی ٹوپی اڑالی : ! تو اپنی جان کو کوسنے سے مطلب ؟

دوم الف : کیوں کہ یہ ٹوپی بڑے دادا ابو کی تھی۔اسی ٹوپی کو پہن کر دادا جان کا عقد ہوا اور اسی ٹوپی پر ابو کا سہرا بندھا۔وہی اچ یاد کر کر کے مرجانے کی دعا بھی کیئے پھر آپچ آپ بولے ''اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مرجائیں گے۔مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے ؟

پھوپا : چلو شکر ہے بھائی جان نے خودکشی کا ارادہ تو ترک کردیا۔ورنہ دنیا تو جلتے جھلتے کٹی سو کٹی۔ آخرت بھی دوزخ میں نصیب ہوتی۔(ہنستے ہوئے) کیوں نہ ہو۔۔۔۔خاندانی وضعدار مسلمان ہے آدمی ...... یہ لوگ ...... اپنے پرکھوں کے اقدار اور نشانیوں کو سینت

سینت کر رکھتے ہیں۔ سینہ بہ سینہ پیڑھی بہ پیڑھی منتقل کیۓ جاتے ہیں۔ان کا دکھ بے جا نہیں۔

یکم بے : پھوپا! ہم نے سوچا خس کم جہاں پاک" جے موسیٰ ہراج خانے جانے کا کاٹھ کباڑ اور کچرا جتنا کم اور جلد کم ہو جائے اچھا!

یکم الف : اور پھوپا! اس سے دو گنا فائدہ ہے! (پھوپا آنکھیں اٹھا کر استفہامیہ دیکھتے ہیں) وہ یہ کہ بڑے دادا ابا کے دادا ابا اکلوتے بیٹے تھے۔ ٹوپی ملی۔ دادا ابا کے ابوّ اکلوتے فرزند تھے انھیں بھی ولی عہدی کی نشانی ٹوپی ملی...... اب یہاں (سب کی سب لڑکیاں لڑکوں کی جانب ہاتھ کے اشارے کے ساتھ) چھ چھ ہیں۔ چھ چھ!! شادی کے سہرے کے لئے خون خرابہ ہوئے بغیر نہیں رہتا...... کس کس سر چڑھتی وہ ٹوپی......!

ہشتم بے : اس لئے بدر خود ابوّ کا کراؤن پرنس بن گیا۔ ہاں (زبردست قہقہے)

پھوپا : "چھو! ذرا دیکھ تو لو کون کھٹکا دیئے جاتا ہے دیر سے؟!' (بچے دوڑتے ہیں)

پنجم الف : بجیا! پھوپا جی۔ بجیا! پھوپا جی!! اُنوں آئین

پھوپا : اُنوں کون جی؟

دوم الف : (جھانک کر) خالو کے سالے بیٹے۔ کیا کی نام ہے بھلا سا۔

پھوپا : تو آنے دیو بیٹے بلاؤ! تمہارے ماموں زاد بھائی اِچ ہوتے نا۔

ہشتم ب : گڈ آفٹر نون۔ کم ان مائی کزن!! (سینے پر ہاتھ رکھ کر جھکتے ہوئے فرانسیسی سلام جھاڑتا ہے) ویری گلیڈ ٹو ویل کم یو۔ پلیز لی سیٹیڈ!! Very glad to welcome 'U'

پھوپا : ارے یہ تو اچھی انگریزی بولنے لگا ہے۔

ہشتم ب : تھینک یو پھوپا جی...... اب تو میں ابوّ پر انگریزی ٹوپی ڈھانپنے کی سوچ رہا ہوں۔

(بھرپور لانبی شیروانی ٹخنوں تک شرعی پاجامے سر پر نمازی ٹوپی میں ملبوس دبلا مریل سا چالیس سال سے متجاوز لڑکا نما شخص اندر آکر کنارے دست بستہ کھڑا رہ جاتا ہے۔ پھوپا کے مخاطب کرنے پر شرم سے لال بھبھوکا ہوتے ہوئے زنانہ سلام جھاڑتا ہے۔ پھوپھا حیرتناک نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔)

پھوپا : تشریف رکھیے۔ اسم گرامی میاں!

نوجوان : (زنانہ قسم سے متجاوز شرم و حیا کے مظاہرے کے ساتھ پلنگڑی کے محض کونے پر ایسے ٹکتے ہیں جیسے حرکت ہو اور پٹے تڑوا کر بھاگئیں۔ نام

پوچھنے پر شرم کے مارے جھکتے جھکتے تقریباً گھٹنوں کے نیچے تک جھک جاتے ہیں ۔ بتدریج دورہ ہلکا پڑنے پر تباہ کن انتظار کے بعد دانتوں میں انگلی دباکر کن انکھیں سے دیکھتے ہوئے باکل مدھم لہجے میں) محمد عبدالطیف شرمندہ باشی۔

پھوپا : ایں! کیا......؟

پنجم الف : کہتے ہیں۔ محمد عبدالطیف شرمندہ باشی!!

پھوپا : واہ خوب!! عبدالطیف شرمندہ باشی۔ اسم بامسمی! کام کیا کرتے ہو؟

شرمندہ باشی : (جن پر دوسری مرتبہ دورہ عود کر آتا ہے ۔ اور وہ دوبارہ گھٹنوں تک جھک جاتے ہیں ۔ بتدریج اوپر اٹھنے اور تباہ کن انتظار کروانے کے بعد دھیرے سے لوری دینے والے انداز میں) جی۔ پڑھتا ہوں۔ (بارہ سالہ بچے کی مانند) دسویں درجے میں!

پھوپا : دسویں میں...... یعنی یکم الف اور بے کے ساتھ!! صاحبزادے کیا عمر ہے آپ کی؟

شرمندہ باشی : (دورے کے تیسرے حملے کے بعد) جی ''سولھواں'' سال۔ ''سولھواں'' (پھوپا کھٹیا سے لڑھک کر گرتے گرتے بچ جاتے ہیں یکم الف اور بے سہارا دے کر جماتے ہیں ۔)

پھوپا : (فی الفور کھڑے ہوکر شرم و حیا کی پوٹلی کو قہار نگاہوں سے گھورتے ہوئے) وہ کیسے ہوگئے؟ میاں۔ یکم الف بے کے برابر......آپ تو ہم کے جوڑی وار لگتے ہیں۔

شرمندہ باشی : (ہلکی قسم کے چوتھے دورہ کے بعدانتہائی سادگی اور سعادتمندی کے ساتھ چھے سالہ بچے کی مانند) جی ہوجی!! مگر اونچا ہوں نا۔ لوگاں زیادہ عمر کا سمجھ لیتے ہیں ایں!!

پھوپا : لاحولا ولا قوۃ اللہ باللہ !! ...... چو! مہمان اللہ کی رحمت ہوتا ہے اگر بندۂ نیک ہو۔ میاں کو دودھ کی شیشی پلا کر جلدی سے رخصت کردیو۔ چلتا ہوں مئیں۔ ابا کو یہ رقعہ دے دینا...... انتظار رہے گا۔ (یکم الف کے ہاتھ پر پیسے رکھتے ہوئے) کتنے ہیں؟

یکم الف : (گن کر) تین روپے چار آنے!!...... سب کے چار چار آنے!

پھوپا : کروگی کیا......؟ ششم کو دے کر کلو بھر موتی چور لڈو منگوالو گرم گرم۔ جم کے کھاؤ موج مناؤ (کن انکھیوں سے شرمندہ باشی کو تاکتے ہوئے) یااللہ...... کیا کیا نمونے

دکھاتا ہے تو۔ (یکم الف کو اشارہ کرکے) اس اللہ میاں کی گائے کو جلدی جلدی......
(بھجوادینے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل کر پکارتے ہیں) خدا حافظ !!

(سارے بچے خدا حافظ کہتے ہوئے دروازے تک پہنچ جاتے ہیں۔ شرمندہ باشی ہتھیلی کی آڑ سے خدا حافظ کہتے ہیں۔ چہارم سلیمانی چائے پیش کرتی ہے۔ ہشتم ب تالیاں پیٹ پیٹ کر ناچتے ہوئے "نام نبی کا لیا کرو۔ آغوں گھی جیا کرو")۔

شرمندہ باشی : (بڑے ہی میٹھے لہجے میں معصوم بچے کی مانند) ذرا مونہہ ہاتھ دھولیتوں۔ گرد میں اَٹ گیا ہوں نا۔ (یکم الف سے نہایت سعادتمندانہ برخورداریت کے ساتھ) بجیا۔ بجیا۔ الف باجی جان! میں شیروانی یاں ٹانگ دئیوں؟ باجی جان! ذرا چادر دے دیجئے۔ نہا اچ لیتوں۔ گرمی بہوت ہے!!

(تمام بچے سر پر ہتھڑ مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ نیم برہنہ حالت میں حمام میں سے برتا ہوا لائف بائے لاکر یکم الف کو دیتے ہوئے "ہے ہے۔ کیسا بدبودار صابن ہے باجی۔ نہانے کا خوشبودار صابن دیجئے)

سوم : (سارے بچے ایک دوسرے کا مونہہ تکتے رہ جاتے ہیں) یہی اچ ہے نہانے اور مونہہ ہاتھ دھونے کا صابن باشی بھائی۔ ہم سب اسی سے سر دھوتے اور نہاتے ہیں۔

دوم ب : اجی! یہ میڈیکل سوپ ہے۔ کاربالکِ جرماسائیڈل والا

دوم الف : بدبو تھوڑی بولتے۔ کاربالکِ کی مہک ہے۔

ہفتم الف : سارے اسپورٹس مناں...... اس سے اچ نہاتے

ہشتم ب : لائف بائے مینس زندگی کی حفاظت کرنے والا۔ بیماریوں سے بچاکے۔

شرمندہ باشی : (دور پھینکتے ہوئے ناک میں سے) ہے ہے...... یاں تو سوب اچ باتاں متھار رئیں۔ میں نئی نہا سکتا ایسے صابن سے مجھے بہوت تکلیف ہوتی ہے۔ ابی پھوپا پیسے دے کے گئے نا...... چھ آنے کا صابن منگا لیتے تو مر جاتے کیا؟...... تم لوگوں کو مہمان سے پیش آنا نئی سکھائے؟"

(نیا صابن لے کر خوشبو محسوس کرتے مست ہوتے ہوئے ٹھمک ٹھمک کر غسل خانے میں چلے جاتے ہیں۔ بچے تمام روہانسے ہوکر یکم الف سے کھانے کے لئے ضد کررہے ہیں)

ششم ہفتم ہشتم الف : باجی جان۔ کھانا دو۔ کھانا دو۔ صبح بی نئی کھائے۔ بہوت بھوک لگی ہے۔

یکم الف : افوہ! ان کو چلے جانے دو باوا ...... ان کو بی کھلادے تو اپنے کو کم پڑ جائینگا۔

پنجم بے انوں پوری بٹی گھس لے کے نکلے تک ایک گھنٹہ ہوتا۔ جب تک ہم کھاپی کے سو بھی جاتے۔ (شرمندہ باشی غسل خانے کے دروازے کی آڑ سے) باجی جان...... جیا! ...... ذرا پیٹھ رگڑ دیو۔ (یکم الف اور بے چیخ مار کر گرجاتی اور لوٹ پوٹ ہوکر اٹھتی ہیں) اُئی! انوں کیا چلار ئیں ماں؟

شرمندہ باشی : بڑی باجی تو نئی چھوٹی باجی تو بھی ذرا پیٹھ رگڑ دیو نا......

یکم الف : (دہاڑکر) آپ کی پیٹھ۔ ہم رگڑنا؟ ہمارے ابوآج تک پیٹھ نئی رگڑائے۔

شرمندہ باشی : وہ ان کی مرضی ...... میں اپنی پیٹھ پر میل نہیں رکھنا چاہتا۔

یکم بے : ہفتم ذرا جاکے ہتول بی خالہ کو بلا تو لا ان کی پیٹھ رگڑنے۔

شرمندہ باشی : ارے وہ موٹی کالی بھینس میری پیٹھ چھیل کے کدو بنادے گی (کھٹ سے دروازہ بند کرلیتے ہیں۔ سارے بچے چہ میگوئیاں شروع کردیتے ہیں)

یکم الف : (ہفتم کو پیسے دیتے ہوئے) اچھا تو جا کے ایک کلو جلیبیاں لے کر جھٹ سے آجا۔ ہم کمرے میں کھانا نکال کر تیار رکھتے ہیں۔ جلدی آنا۔

(ہفتم باہر چلا جاتا ہے تینوں بچیاں کمرے میں دسترخوان بچھا کر ایک مشقاب بھر خشکہ اور کٹورے میں دال۔ تھالی میں بھنے ہوئے چند پاپڑ۔ پانی کا جگ اور چار گلاس رکھ دیتی ہیں کہ شرمندہ باشی سر پونچھتے ہوئے برآمد ہوکر سیدھے کمرے میں پہونچ کر دسترخوان پر بیٹھ جاتے ہیں ساری بچیاں سہم کر کنارے کھڑی ہوجاتی ہیں)

شرمندہ باشی : (ناک میں سے آواز نکالتے ہوئے) واللہ مہمان نوازی کوئی آپ لوگوں سے سیکھے۔ بولنے کا موقع نئی دیتے۔ باجی! کچھ اچار چٹنی (ہاتھ سے بتاتے ہوئے) ایک آدھ انڈا نئیں ہے؟ پھوپی سال بھر کا اچار پاپڑ مرکل بنا کے رکھتے نا۔

یکم الف : (جل کر) جی نئی ہے۔ امی بیمار رہنے لگے ہیں۔ اب نئی بناتے۔ یکم بے وان اچار کی کٹوری اجڑی ہے لاکے دے دیے VIP مہمان جی کو۔

شرمندہ باشی : (اچار کی کٹوری کھینچ کر) کچھ چکھنے کو مل جاتا تو اچھا تھا (ہفتم اور ہشتم جلیبی کی چنگیر لے آتے ہیں) "اہاں ...... اچھا کرے بھائی جان۔ وقت پے آئے۔ لاؤ لاؤ ادھر دے دو...... شاباش!! بیٹھو آپ سب بیٹھو۔ میں مزے مزے کی باتاں کرتوں ...... سنو!!"

(یکم تا نہم تیرہ بچے دسترخوان کے سامنے قوس نما لائین میں بیٹھے ہیں سب کی

نگاہیں شرمندہ باشی کے ہاتھوں کی حرکت اور نوالوں پر ہے جیسے جیسے خشکا اور جلیبی صاف ہوتے جاتے ہیں بچوں کا مونہہ فق ہوتا جاتا ہے ۔ شرمندہ باشی مزے لے لے کر نخریلے نوخیز بچے کی مانند باتیں جھاڑ رہے ہیں)

شرمندہ باشی : باجی جان! اکا ماریڈی اتنا اچھا مقام ہے ایک بار آجائینگے تو آپ نکلیں گے نئی ۔ یہ موٹی موٹی چکنی چکنی مرغیاں ۔ آپ ٹن ٹن کو بھول جائیں گے ۔ دودھ آہا ۔ ظہیر آباد کا دودھ ...... اتنا سفید اتنا چکنا ۔ جیسے سیدھے سائرہ بانو کے گالوں سے ٹپکا ہو ...... اور گھی ...... اتنا خالص اتنا چکنا جیسے مغلِ اعظم کی مدھوبالا ...... سنگاریڈی کے نئے شکر کی بات اچ مت کرو ...... اتنی میٹھی اتنی میٹھی ۔ مینا کماری ۔ اور گوشت جو دکانوں پر لٹکتا ہے گول مول گیتابالی کی یاد دلاتا ہے ۔

(بچے ترس ترس کر حسرت سے دیکھتے دیکھتے ڈلنے لگتے ہیں ۔ ڈلتے ڈلتے ایک دوسرے پر لڑھک کر سوگئے ہیں ۔ شرمندہ باشی جلدی سے شیروانی پہن کر ۔ نئے صابن کی بٹّی اور پنجم الف اور بے کے پاؤں میں سے چین پٹّی نکال کر جیب میں ڈال کر ۔ یکم الف کی بند آنکھوں کے سامنے انگلیاں نچاتے ہوئے بالکل بالغ آواز میں ۔

"اور تمھاری جیسی منی منی من موہنی تن سوہنی باجی ...... صرف آٹھ آنے فی رات ...... آٹھ آنے میں اتنی بڑی زندہ عورت ۔ بہت جلد تفصیلی ملاقات ہونگی" کہتے ہوئے رخصت ہوجاتا ہے)



(سرشام گھر سونا سونا ہے چراغ تک نہیں جلا ۔ سارے کے سارے بچے بے دم اور نڈھال جہاں کے تہاں پڑے ہوئے ہیں بی جان بی تھکی ماندی آہستہ آہستہ اندر داخل ہوتی ہیں)

بی جان بی : خدا خیر کرے بچے ہوت ۔ کیا چراغوں میں تیل بی ختم ہوگیا ۔ ہائیں ۔ کہاں ہیں سب کے سب ۔ آواز نہ سنچل ۔ (غور سے سنتی ہیں سرد سسکیوں مدہوش سانسوں اور ہلکے خراٹوں کی آواز گھبرا کے بے چینی کے ساتھ) ائی ۔ اللہ کیا پوٹا ٹین زہراں کھا کو سوگئے اے ...... (دوڑ کر چراغ جلاتی ہیں اور بیان کرکر کے بچوں کو الٹتی پلٹتی ہیں ۔ بڑی بچیاں اسل مسل کر نڈھال سی اٹھ بیٹھتی ہیں لیکن نہم جاگتے ہی زبردست شور برپا کردیتا ہے ۔ "امی ۔ امی ۔ کھانا کھانا" اس کا رونا دیکھ کر ہشتم ہفتم بھی ایڑیاں رگڑ رگڑ کر چلانا شروع کردیتے ہیں ۔ "امی ۔ کھانا ۔ امی ۔ کھانا" بی جان بی بچھے ہوئے

دسترخوان اور الٹی رکابیوں ، صرف ایک جھوٹی رکابی اور خالی کٹوروں مشقاب - جلیبی کی چنگیر کو دیکھتی ہیں - اور کچھ سمجھے بغیر ''ٹھیرو تمنا کھانے کو دیتوں'' کہتے ہوئے باسکٹ اٹھا لاتی ہیں اور سب کے ہاتھوں میں ایک ایک کیلا تھما دیتی ہیں ''لیو! میرے بچو! تمے ایک ایک موز کھاؤ۔ میں ابی اچ کھانا پکا کو کھلاتیوں'' دو کیلے اٹھا کر محراب میں رکھ دیتی ہے۔

بی جان بی : ہفتم! بیٹا ہفتم ''اِدر آمیرے لعل''

ہفتم : (نڈھال سا مونہہ بسورتا ہوا قریب آجاتاہے) کیاہے ؟

بی جان بی : لے باوا۔ یہ اٹھنی پے دس پیسے۔ جا کو شیخ بھائی کی دوکان سے آدھا سیر بڑا قیمہ لالے۔ مئی میرے بھو کے بچیاں کو قیمہ بھن کو کھلاتیوں۔ بیٹا یوں جا۔ یوں آ۔ ابی کے ابی!! ابی میں ابھاگن گئی تھی (بچہ نڈھال سا باہر نکل جاتا ہے) جا کے بھئی جان کے یاں سے کچھ لے لیوا کے آؤ نگی آخری تواریخ ہیں۔ مہینہ بھاری چل ریاے بولکے۔ ان کے آنے میں دیر ہوئی بول کے مجے آنے میں شام ہو گئی۔ یاں سوب اچ اوندھا ہو کو پڑا ئے۔۔ ارے کچھ بتائینگے بی ہوا کیا۔ (جلدی جلد چاول دھوکر چولھا جلا کر رکھ آتی ہیں۔ تقریباً آدھ کلو پیاز اور چاقو کے ساتھ دہلیز پر بیٹھ جاتی ہیں) مئی دستے اچ ڈر کو مر گئی...... کیا پو ٹا تین زہراں کھا کو سوگئے بول کے۔ (بچیاں نڈھال سی آکے قریب بیٹھ جاتی ہیں چھوٹی بچیاں ادھ مری پڑجاتی ہیں)

یکم بے : امی خالو جان کے سالے کے بیٹے عبداللطیف شر مندہ باشی آکے نئی ہم کو دھوکا دے کے پورا کھانا سالن اچار کھاگئے۔ پھوپا نئی۔

یکم الف : سوا تین روپے دے کے گئے کلو بھر لڈو منگا کے کھالیو بول کے۔ اس میں سے بھی صندل سوپ منگا لئے تو ہم۔

یکم بے : ایک سیر جلیبی منگوا لئے۔

دوم بے : وہ بھی ساری کی ساری کھا گئے امی۔ ماما کے!

دوم الف : سوب خلاص......

بی جان بی : لیو! اور مرتے کو مارے شاہِ مدار۔ یاں ہم مر رئیں ہمارے بچیاں کو دانے دانے کا کال ہے بولکے۔ آدھا آدھا پیٹ کھلانے بیٹھو لی تو وقت واحد میں پورا ڈیڑھ سیر ہوتا۔ مٹی پڑ کے جاؤ

ماٹی ملا...... پاگل حرامزادہ!! چالیس برس کا مرگل مردہ ایکلاج سیر بھر چاول سیر بھر جلیبی ٹھونس لیکو چلتا بنا...... !

(اچانک پنجم الف چلاتی ہے "میرے پاوں کے چیناں کاں گئے" سب لڑکیاں اپنے پاؤں دیکھتی ہیں پنجم بے چیخ مار کر "میرے چیناں بھی نئی ہیں" بی جان بی بوکھلا کر بچیوں کے پانؤں دیکھتے ہوئے)

بی جان بی : ائی سچی اچ دونوں کے پؤاں خالی ہیں۔ ضرور چوٹا موذی مار لیکو گیا رے اللہ، کیا بولیں گے ان کو! کیا سمجھیں گے میرے والے سوب لپوٹاں اچ ہیں۔ کڑھیں گے سو الگ؟"

(باہر اچانک شور برپا ہوتا ہے - بی جان بی چاول نتھار کر دم دے رہی ہیں - اچانک ایک بارہ تیرہ سالہ لڑکا ناگیش تھیلی لیکر دوڑ کر آتا ہے - بی جان بی " ارے ناگیش کیا ہے رے - ")

ناگیش : (بی جان بی سے) بی بی...... ہفتم کو ٹکر لگی۔ خون نکل ریائے۔ بازو ڈاکٹر صاحب کے پاس ہمارا ابا پوا ٹھالے گیا...... لیو تھیلی میں سودا ہے"۔ آپ چلو میرے ساتھ......"

بی جان بی : (چلا کر) ارے ہفتمان...... بھو کے جسم کا خون بہہ گیا۔ یکم توسنبھال پکوان...... میں جاتیوں!!

(سارے کے سارے بچے اور بچیاں زرا و قطار رونا شروع کرتے ہیں بی جان بی چادر لپیٹ کر نکل جاتی ہیں -)



(لالٹین اور چراغ جل رہے ہیں بستر میں بچے دبکے ہوئے ہیں - ہفتم کے سر اور ہاتھ کو بینڈیج بندھا ہوا ہے جس پر خون کے دھبے نظر آرہے ہیں - بی جان بی چلمن سے لگی خاوند کا انتظار کررہی ہیں - اچانک دروازے پر رکشا رکتا ہے فیضو نواب کی آواز آتی ہے "بس میرے بھائی یہیں روک دو۔ یہ لو اپنی اٹھنی......" بی جان بی آواز دیتی ہیں "اٹھو بچو! تمارے ابو آگئے" بچے تمام "ابو آگئے - ابو آگئے" چلاتے ہوئے اٹھ بیٹھتے ہیں - فیضو نواب کھنکارتے ہوئے اندر داخل ہوتے ہیں - پیچھے سے رکشا والا پکارتا ہے "صاحب! " فیضو نواب "بولو بھائی کیا ہوا" کہتے ہوئے پلٹ جاتے ہیں)

رکشاوالا : صاحب! بُرائی مانے تو کچھ بولتوں!

فیضو نواب : بولو بھائی...... کیا تقصیر ہوئی ہے!

رکشاوالا : سرکار! ہم تو دواخانوں سے بدھے ہوئے ہوتے ہیں۔ کیسا بی مہینے میں دو ایک بار خون بیچ کو بال بچیاں کا پیٹ بھر تیئں۔ کبھی ایمرجنسی میں وہ لوگاں خود اچ لیلے کو جاتے۔

فیضو نواب : ایسا کریں گے تو کمزور ہو جائیں گے۔ خون بنانے والا نظام فیل ہو جائینگا اور مر جائینگے۔ جب بال بچوں کو کون پالیں گا؟

رکشاوالا : اتنا سوب سمجھ کے آپ کیوں خون بیچے مالک ؟!

فیضو نواب : (آہستہ سے) مئی پہلی مرتبہ بیچا ...... بہوت سخت ضرورت تھی بولکے"

بی جان بی : (اندر پلٹ کر زبردست چیخ مارتی ہیں) ادے ...... تمارے ابّو خون بیچ دیکے پیسے لائیں۔ اس واسطے رکشا پکڑ کو آئیں۔ (باہر جھانک کر) ائی کیا تو بی مٹی ڈال کو آئے آپ ......؟

فیضو نواب : تم چلو۔ میں آروں اندر! (بی جان بی کے ہاتھ میں کھارے کی دکنی روائتی پڑیوں کی تھیلی دیتے ہیں۔)

رکشاراں : بی بی ...... صاحب دواخانے کے سامنے غش کھا کو بیٹھ گئے تھے مئی بھی خون اچ دیکے آریا تھا۔ ہمنا عادت ہے نا۔ بٹھا کو لائیوں!!

فیضو نواب : وقت، وقت کی بات ہے!!

بی جان بی : (بیچ ہال میں کھڑے ہوکر) اوئی اللہ ...... اب آپ اپنا خون بیچ کو ہمنا پالیں گے!! نئی جی! درکار نئی۔ مئی میرے بچیاں گھر میں بیٹھ کو گتے کے کاماں کریں گی۔ چرخہ کاتیں گی۔ سوب مل کو محنت کریں گے۔ سوب مل کو جئیں گے! آج خون کھلا کو پال دینگے۔ مر جائینگے تو کل کون پالیں گا جی؟ خود بی جیئو ہمنا بی جلاؤ جی!



(دوپہر ہے ظہرانے کی تیاری جاری ہے۔ بی جان بی۔ دستر پر بیٹھنے سے پہلے آواز دیتی ہیں۔ "یکم دوم سوم چھارم۔ ارے چھٹی لگی ہے تو گھر پے تو ٹکو ...... بچے ہوت" نہم ماں کی پیٹھ کے پیچھے سے آواز دیتا ہے "امی میں تو تمارے پیچھے اچ ہوں نا" اور کمر سے پکڑ لیتا ہے۔ سارے بچے جمع ہوجاتے ہیں۔ لیکن ہفتم غائب ہے۔)

بی جان بی : یہ ہفتم کہاں گیا ......؟ ہفتم کی آواز اچ نئی ہے!! ہفتم! ہفتم!!

ہشتم الف : (ڈرتے ڈرتے) امی ہفتم زہرہ بی خالہ کے پوتے کے ساتھ مارننگ شو دیکھنے گیا۔

بی جان بی : ائی۔ زہرہ بی کے پوتے کے ساتھ ...... سنیما دیکھنے...... ارے اللہ! زہرہ بی کا لونڈا میرے معصوم پوتے کو یہ چاٹاں بھی لگا ریائے...... !!

(ہفتم بہت ہی رعب اور متانت کے ساتھ اندر داخل ہوتا ہے۔ بی جان بی جھپٹ کر پکڑ لیتی ہیں۔ یکم الف گھبرا کر ماں کے ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔ ''امی ذرا سمجھ کے صبر سے کام لئیو۔'' لیکن بی جان بی اسے دھکا دے کر ہٹا دیتی ہیں ''چھوڑ تو چھوڑ...... میں اس کو مزہ چکھاتیوں۔'' خود آپ دم دم ہوجانے تک مارتی ہیں مسلسل ''بول اب کی بار جائینگا سنیما'' کی تکرار کے ساتھ۔ کبھی ہاتھ سے کبھی جھاڑو سے۔ لڑکا حلق پھاڑ کر چلّاتا ہے) ''یکم...... تو مرچی کی بکنی لا...... لا مرچی کی بکنی۔ دیدے اچ پھوڑ دیتوں''

ڈاکٹر شرما : (مسز شرما کے ساتھ کھڑکی میں نمودار ہوکر) اے بہن جی...... اے بہن! مرچ مت لگانا جی۔ بچہ اندھا ہو سکتا ہے۔ سائیٹ ہمیشہ کے لئے بگڑ بھی سکتا ہے۔

بی جان بی : (بے بسی کے ساتھ کھڑکی کی جانب ہاتھ اٹھاکر بین کرتے ہوئے) کیا کروں ڈاکٹر صاحب! میری قسمت ہی پھوٹ گئی ایسی نا خلف اولاد جن کے ...... ہم غریب لوگ۔ ہمارے بچوں کو ہوٹل بازی، سنیما بازی سگریٹ بازی کی چاٹ کاہے کو۔ پال پوس دے رئیں سو اچ بڑی بات ہے۔ یہ شوقاں کاں سے پورے کرینگے۔ آپ دیکھو۔ یہ آٹھ برس کا پوتا۔ یہ سودے میں سے پیسے چرا کے۔ گھر کے چمچے پیالیاں بیچ بیچ کو سنیما جانا دیکھو!!

مسز شرما : مسز نواب...... اتنے چھوٹے سے محلے میں چاروں سمت پر چھ تھیٹر ہیں۔ بچے جوان بوڑھے، عورت مرد، سب کے سب بگڑ گئے۔ کیا بتائیں کیسے کیسے واقعات معلوم ہوتے ہیں اور کیسے بیماریاں لے لے کے آتیں مرد اور عورتیں تک...... یہ تو بچے ہی ہیں...... بچے!!

بی جان بی : اس واسطے اسی اچ عمر میں سبق مل جانا اچھا میم صاحب۔ دیدوں کے سامنے آسمان ہے بول کے چھونے کو نئی نئی چھلانگ لگاتا۔ اپنی حیثیت کو سامنے رکھ کے کام کرنا۔ یہ بدکاریاں یہ چونچلے کر کر کئے اچ تو اس مقام کو اُئے ہمارے باپ دادے، حویلیاں سے جھونپڑیاں میں۔ پھر وہی خرابی کا رستہ چلنا کیوں؟''

ڈاکٹر شرما : ہفتم۔ لٹل ڈیول۔ چل توبہ کر (ہفتم اپنے گال پیٹتا ہے) اب کے سنیما جائے گا تو اُلٹا لٹکا کے آپریشن کردوں گا۔ چل۔ اماں کے پاؤں پکڑ کے مانگ معافی!!

(ہفتم ماں کے پیر پکڑ کر ملتجیانہ نظریں چہرے پر گاڑ دیتا ہے)

صدا : اٹھا کے شان ِ کریمی نے لے لیا بوسہ !
جھکا کے سر کو کہا جب گناہ گار ہوں میں !!!

(بی جان بی پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے بچے کو اٹھا کر سینے سے لگا لیتی ہے "اللہ تجھے نیک توفیق دے بچے۔ تو ہم پے نئی خود پو ظلم کر ریائے رے۔ کل کو تیرا کیا تیرے آگے اچ آنے والا۔ اللہ رحم کرے۔" "آمین")



(فیضو نواب کے مکان کا روایتی شبینہ منظر بحال ہے۔ بی جان بی چلمن سے لگی بیٹھی شوہر کی منتظر ہیں۔ بتول بی شیر خوار بچے کو کمر پر لٹکائے ہوئے پاس آتی ہیں۔)

کیا دولن بیگم ابی نئی آئے میاں!! ادے بجے دیکھو۔ پہلے کلام بعد میں سلام۔

بی جان بی : "سلامالے کم۔" کیا بولنا بتول بی آپا کبھی کبھی بہوت دیر کردئیتیں۔ سات بجے کھانے کے عادی بچیاں۔ اتنی رات کردیئے۔

بتول بی : ہئو...... کب کیچ آٹھ بجنے کو آئے۔ ادے دولن بیگم (رازدارانہ) مہرون مرگئی...... ابی اچ شام شام کو۔ دواخانے سے لانے گئیں۔

بی جان بی : مہرون؟ وہ بچی۔ ادے وہ بچی ہمارے یکم والوں کی جوڑی دارنا۔ کیا ہو ئیا تھا اسے؟ انا للہ

بتول بی : (مزید احتیاط سے) اسقاطِ حمل میں جان گئی!

بی جان بی : ائی۔ مٹی پڑ کو جاوٗ۔ وہ کیا بات ہوئی گے ماں؟

بتول بی : "باپ بڈھا شرابی ہے نا۔ جورو کو مار مار کو کونے لگا دیتا ئیے۔ پوٹیاں کو بگاڑ کو چھوڑ تائے۔ سچ بولتیں پولیس کی کمائی۔ مارا گیا جس نے کھائی...... دونوں بڑے بیٹیاں، گھر بیٹھے ہوئے مُٹ مُٹ مُٹ مونہہ دیکھتیں۔ بالاں پکنے آئیں۔ کون چاٹتا جھوٹا چپّہ؟ ...... اب کونڈوں کے دن اس کو خراب کر کو چھوڑیا نشے میں۔ پوٹی باپ سے حاملہ ہوگئی تھی کتے"

بی جان بی : "جلو جی بھڑوے کی جان!! کیسے پیارے پیارے بچیاں کو مٹی میں ملا کو چھوڑ ئیا شراب کے پیچھے!! سچی بولتے ماں "مرد رہیا تو اپنی بانی سے نئی تو اماں نانی سے۔ اللہ اسے غارت کرو۔ بتول بی آپا۔ میاء بھی خطاوار ہئی نا۔ لات مار کو چھوڑ کو محنت مزدوری کر کو بیٹیوں کو شیخیاں کو کردے کو پال لینا تھا کی نئی۔

بتول بی : (انگلی حتمی طور پر کھڑی کرکے) "واجب! سولہ آنے واجب!! مگر جوانی ساری ماراں کھائے سو کھائے۔ چکنی چکنی ڈلیاں بھی کھائے۔ ڈپٹ کو سنیما بھی بلاناغہ مارتیں۔ تن آسانی میں کٹ گئی۔ اب کیا جستجو کرتے...... یہ پاپ چالیس گھر کھا کو جانے والا پاپ۔ ہنہ لکھ کو رکھ لینا بتول بی کیا بولی۔"

بی جان بی : اللہ بچائے ساری بستی کو اپنے قہر سے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس کو اچ جاتاماں!"

(کسی قدر دور سے فیضو نواب کی گنگناہٹ سنائی دیتی ہے۔ بتول بی "مونہہ سے کچھ بھتو پھوڑو" کہہ کر چلی جاتی ہے) .

آواز : تیری وفا سے۔ ہاں ہاں تیری وفا سے۔ کیا ہو تلافی۔ کہ دہر میں !

تیرے سوا۔ ارے تیرے سوا۔ بھی ہم پے بہت سے ستم ہوئے۔ ستم ہوئے۔ بہت سے ستم ہوئے...... بہوت سے ستم......

(پچھلی دیوار سے ریکارڈ جاری ہوتا ہے اور حسب روایت قدیم تکرار ہوتی ہے)

ستم دنیا کے سب کچھ خاک میں مل جائیں گے اس دم
محبت آہ بن کر جب ہمارے دل سے نکلے گی
ہمارے دل سے نکلے گی۔ ہمارے دل سے نکلے گی

(ایک لانبی کھنکار کے ساتھ چلمن اور پردہ سرکار کر دہلیز پر قدم رکھتے ہیں اور بے صبری کے ساتھ چلّاتے ہیں "دیکھو! بچوں! تمارے نورالدین چاچانے تمارے لئے کیا بھیجا ہے؟" بی جان بی سلام کرتے ہوئے "سلام۔ اتنی دیر کہاں رہ گئے جی۔ پریشان تھے ہم سب۔ صبح ڈھنگ سے کھاتے بھی نئیں ساتھ ڈھنگ سے لیجاتے بھی نئیں...... خون نئیں بنیں گا تو جئیں گے کیسے" ہاتھ سے چھتری اور توشہ دان ساتھ میں ایک اور بھاری توشہ دان لیتے ہوئے "دیکھنے کو تین ڈبوں کا توشہ مگر۔ بھرم بھاری پٹارہ خالی۔ بڑے توشہ دان کے وزن کو محسوس کرتے ہوئے "اُوِّے لیو۔ یہ کیا "ہپا" اٹھا کو لائیں جی؟")

فیضو نواب : (سکھ کا سانس لیتے ہوئے) اٹھا کے نئی لائے بیگم۔ پیش کرنے پے لائے ہیں! اب ہم اتنے ہلکے بی نئی ہیں کہ اترن جھوٹن سمیٹ کو لائیں۔

بی جان بی : استغفار! استغفار!! بڑا نوالہ کھانا بڑا بول نئی بولنا جی۔ وقت کی مار بُری ہوئی ہے وقت اچھے اچھے راجوں مہاراجوں کو پلکوں ریت چٹادیتائے۔ وقت سے ڈرنا جی۔

(ساتھ ساتھ یکم الف بے خود وہ دسترخوان پر توشہ دان لگاتی جاتی ہیں۔ سارے بچے تلتلاتے ہوئے جمع ہوجاتے ہیں۔ فیضو نواب بڑی بے صبری کے ساتھ دونوں ٹفن کھولتے ہیں۔)

فیضو نواب : (کلکاریاں مارتے ہوئے ہشتم الف بے اور نہم سے) بیانی ۔ بیانی ۔ بریانی ۔ چلو شروع ہو جاؤ......(دھماکہ خیز انداز میں)بولو رے چو ! بسم اللہ !

(سارے بچے ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کہتے ہوئے توشہ دان کے ڈبوں پر پل پڑتے ہیں ۔ چھوٹے بچے کلکاریاں مارتے ہوئے ''ماں ۔ ماں ۔ بیانی ۔ متن بیانی ۔ تکن بیانی ماں ۔ ماں تتاب تتاب ۔ امی ۔ لقمیاں لی ۔ ورتی چھوچھے...... تاہی وٹکے'' ...... ہفتم ''شا......ہی ۔ ٹک ......ڑے بول'' ۔ ''وہ کھوبانی تامیتھا......''

فیضو نواب ''ارے بابا سب ہے ساب ہے اب توشے دان خالی بھی کرو ۔ کرو بسم اللہ'' دوم بے تالیاں بجاتے ہوئے ''ہری مرچ چٹنی ۔ حیدر آباد کی کٹنی ۔'' یکم بے ''ارے کھاؤ گے بھی یا......'' یکم الف ''بس مزے ہی لیتے رہو گے !'' فیضو نواب بغل میں بیٹھے بیٹھے نہم کی پیٹھ تھپک کر ''میرے پٹھے لذت آشنا ہیں...... بھولتے نہیں خاندانی دستر خوان کو'' بی جان بی ''خون بولتا اچ ہے جی ......بِتالی کرو ہیں تو نواب جاگیر داروں کی اولیاد بسم اللہ !'' (چٹنی چکھ کر) اوہ کیا مزے کی چٹنی ۔ حیدر آباد کی کٹنی ۔''

بی جان بی : ''بول رئے تھے ! نئی نئی ۔ اوّ آنے تک کھانا نئی کھائیں گے ۔ چلو اللہ نے یہ کھلادیا ۔''

فیضو نواب : (بے حد آزردگی اور سنجیدگی کے ساتھ) اچانک نواب صاحب سارے اسٹاف کو کھینچ کے لے گئے اپنے چوتھے بچے کے عقیقے پر ۔ کہہ رہے تھے آپریشن کرالیا ہے ۔ یہ آخری عقیقہ ہے اس لئے بہت شاندار کیا ہے ۔ دستر خوان پر میری آنکھیں بھر آئیں نوالے حلق میں اٹکنے لگے ......آنکھوں سے آنسو رکابی میں گرے تو وہ چونک اٹھے ۔ میں نے '' مونہہ میں مرچ آجانے کا بہانہ بنا کر پانی مانگ لیا ...... تو بولے ...... سالم ہری مرچ تو کسی ڈش میں نہیں ہے کہ باورچی کو ڈپٹوں ...... میں بولا ۔ نواب صاحب ہو سکتا ہے مونہہ پک گیا ہے آپ فکر نہ کریں ۔ مگر ، عجیب نکتہ شناس ہے ۔ فوراً زنانے میں کہلوایا ''سب سے بڑا توشہ دان خوب اچھی طرح بھر کر لاؤ'' اور چلتے وقت دس روپے کا نوٹ جیب میں ڈال کر رکشا میں بٹھا کر ساتھ کر دیا ۔ وہ تو...... ٹکڑ پر چڑھائی کھینچنے میں رکشا والے کا دم پھولنے لگا تو میں چھوڑ دیا...... اللہ کے بندے ہم کو خوش کرتیں ہم بی دوسروں کو خوش کرنا نا ۔

بی جان بی : (دو ہاتھ اوپر اٹھا کر) یا اللہ جو ہمارے بال بچیاں کی فکر کرے ۔ تو ان کی ان کے بال بچیاں کی فکر فرما ۔ مالک ! آمین ثم آمین !''

فیضو نواب : میرے اندر سے بھی کلیجہ پھاڑ کے دعا نکلی جانی ...... سوال سلوک اور کھانے کا نہیں ہے ۔ سوال ان خاندانی وضعداریوں کا ہے جو مٹتے جارئیں ...... (آہ) اللہ تو ہماری تہذیب ہمارے

تمدن کو محفوظ رکھیو...... ہماری اولاداں کو اپنے نیک بزرگوں کے شریفانہ چلن پے چلائیوں۔ (سارے کے سارے) آمین ثم آمین

صدا : ظفر آدمی اس کو نہ جانئے گا ہو کتنا ہی صاحبِ فہم و ذکا
جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی، جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا



(فیضو نواب کے گھر حسبِ معمول صبح کا روایتی منظر۔ رنگیلے کی واپسی اور کانوں کو پھاڑ دینے والی بانگوں کے بعد رنگیلا آکر نہم کی گود میں ٹھنس کر بیٹھ جاتا ہے۔ بچہ مسل کر ہاتھ اوپر ڈال کر پیٹ میں دبا کر سُلا لیتے ہوئے "پھر کیا بدمعاشی کرکے آکے چھپ جارائے رے" دونوں ساکت و جامد سوجاتے ہیں دور سے فیضو نواب کے گنگنانے کی آواز آرہی ہے۔)

جب دل ہی ٹوٹا گیا آ آ آ جبا دلا ہی ٹوٹا گیا
ہم جی کے کیا کریں گے ہماجی کے کیا کریں گیا
جبا دلا ہی ٹوٹا گیا...... ہماجی کے۔ ہماجی کے۔ جب دل ہی ٹوٹو گیا۔ آ۔ آ۔

(لانبی آہ) طیش کے ساتھ! کیا کیا؟ یہ کیا۔ کس کی کارستانی ہے یہ؟

فیضو نواب : (اچانک لانبی چیخ مارتے ہوئے آنکھوں پر عینک چڑھا کر دروازے پر چہرہ تقریباً گاڑتے ہوئے سہج سہج کر گویا بے اعتمادی کے ساتھ مشق کررہے ہوں) شداد منزل۔ مملوکہ شدادا المتخلص بہ ملعون...... یعنی کہ...... یعنی کہ مئی شداد مئی ملعون۔ میرا گھر شداد منزل: (چلاکر) آخر یہ کس کافر کی کارستانی ہے۔ میں پوچھتا ہوں (کہتے ہوئے زور دار جھٹکے سے دروازے ڈھکیل کر اندر گھستے ہیں اور اپنا کاسٹیوم اتار اتار کر پھینکتے ہوئے پاگلوں کی مانند چلاتے ہیں۔ جس سے بیوی بچے ہڑبڑا کر گودڑیوں سمیت اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

فیضو نواب : (بیوی کو جھنجھوڑتے ہوئے) غضب ہوگیا بیگم۔ غضب ہوگیا۔ بیگم۔ (سر پیٹتے ہوئے) مئی شداد مئی ملعون۔

بی جان بی : (اٹک اٹک کر) آخر ہو کیا گیا ہے۔ اللہ واسطے بول دیئو نا۔ ہوئیا کیا جی!

فیضو نواب : (قلابازیاں لگاتے ہوئے) تم لوگوں کو مئی شداد دس رؤں؟ مئی ملعون دیس رؤں...... (مکا لہراتے ہوئے) مئی۔ میں خبیث کو زندہ نہیں چھوڑونگا۔

نیم الف بے : (روہانسے ہوکر) ابو...... بولونا...... کون بولے آپ کو۔ ہم ان کو ٹکنے نہیں دیں گے۔

بی جان بی : (تیزی سے دم چڑھتے ہوئے) آ۔ آخر کو کیا ہو کے گیا جی ؟

فیضو نواب : (مونہہ کان کے قریب لیجاکر پراسرار لہجے میں) جانی...... کسی کم بخت نے میرے گھر کے دروازے پر میرا نام لکھ دیا ہے...... میرا نام (سینہ پیٹ کر) میرا نام

بی جان بی : اجی تمارے گھر کے دروازے پو تمارا نام لکھیا تو کیا غضب ہو گیا جی...... (سر پیٹ لیتی ہیں) چپکے اچ رائی کا پہاڑ بنا دیتے کیا ؟

چیاں : ابو۔ ابو (فیضو نواب کی حالت دورہ پڑنے والی ہو جاتی ہے) امی ٹھیک کہتی ہیں۔

فیضو نواب : بانی کی تم لوگاں بی اس کیچ گار ئیں۔ (ہتھیلی پر مکّا مار کر) اجی...... مئی پوچھتا ہوں وہ ہو تا کون ہے لکھنے والا...... میرا نام...... میرا نام

بی جان بی : (آنسو پونچھتے ہوئے عاجزی کے ساتھ) جانے دیو جی اب در گزر کرو۔ پوٹا ٹین اچ لکھ دیئے ہونگے۔

فیضو نواب : (چہرہ انتہائی بگاڑ کر انگلی سے دروازے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے)

"نواب شداد المتخلص بہ ملعون۔ شداد منزل (عرف اصطبل شیاطین)

مملوکۂ شداد نواب ملعون حیدر آبادی۔"

(پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے) بانی کی مئی ملعون حیدر آبادی...........ی

بی جان بی زاروقطار، ساتھ ساتھ سہمے ہوئے بچے بھی رسماً یا مجبوراً رو رہے ہیں فیضو نواب دفعتاً طیش میں آکر پٹے تڑوا کر دروازے کی طرف دوڑنے کی کوشش کرتے ہیں "مئی چھوڑوں گا نئی حرامزادے کو۔ میں اس کا خون پی جاؤں گا۔" سیدھے اور بائیں ہاتھ پر مشترکہ طور پر چھ چھ بچے پوری طاقت سے ہاتھوں کو کھینچتے ہوئے روکنے کی کوشش کررہے ہیں بی جان بی پوری طاقت سے پیچھے سے کمر پکڑ کر کھینچ رہی ہیں ۔ اور نہم پوری توانائی کے ساتھ گھٹنے پکڑ کر ماں کو کھینچ رہا ہے)

نیم الف : مگر ابو...... آپ کس کو ماریں گے !! کہاں سے ڈھونڈ کے لائیں گے اور پھر کیسے پہچانیں گے کہ آخر لکھنے والا کون ہے !

فیضو نواب : (اسی حالت میں) چھوڑو جی ! میری رگوں میں بھی اس خان بہادر کوتوال کا خون ہے جسکے نام سے مجرموں کے پیشاب خطا ہو جاتے تھے۔ میں اسے پاتال سے بھی ڈھونڈ

نکالوں گا...... چاہے اس کے لئے مجھے (غیر معمولی دھماکہ خیزی کے ساتھ) انٹرپول سے بھی گذارش کرنی کیوں نہ پڑے...... چھو......

(فیضونواب ہاتھ پائوں چھڑواتے ہی بیوی بچے اور نہم دھپا دھپ فرش پر گرجاتے ہیں۔ نہم چلاّ چِلاّ کر رونے لگتا ہے۔ فیضو نواب ایک چیخ مار کر ''ارے میرا بچہ!!'' نہم کو اٹھا لیتے ہیں۔ ساتھ ہی دوسری چیخ یکم بے کی آتی ہے۔ ''ابوّ...... مگر یہ نام توآپ کا ہے ہی نہیں نا...... سوچتے کیوں نہیں'' فیضو نواب جہاں کے تہاں ساکت و جامد کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں۔ گرنے والے ایک ایک کرکے اٹھتے جاتے ہیں۔ اور ساتھ ساتھ ''نام اچ آپ کا نئی ہے ابوّ'' کا غل مچ جاتا ہے نہم کندھے سے چمٹا سسکیاں لے رہا ہے۔ فیضو نواب بتدریج ہوش میں آکر تھپکنا شروع کرتے ہیں۔ چیخ و پکار دھماکے کی آواز پر اوپر کھڑکی کے پردے کے پیچھے مونہہ میں برش کرتے ہوئے مسز اور ڈاکٹر شرما نمودار ہوکر معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ نیچے جام کے درختوں کے اندر سے دو تین سروں کی جھلکیاں دکھائی اور دبے دبے قہقہے سنائی دیرہے ہیں)

یکم الف : ابوّ جو بھی نام سامنے آجائے آپ اسے اپنا نام کیوں مان لیتے ہو؟ ہو سکتا ہے کسی شریر لڑکے نے لکھ دیا ہو (چڑھاتے ہوئے) شدادا لمتخلص ملعون......

فیضو نواب : (سکتے کے عالم میں) وہ مَیں ہوں...... اگر یہ نام میرا نہیں ہے تو میرے گھر پر کیوں لکھاہے.........؟

یکم بے : (متانت سے) ابّ......بُو!! لاسٹ اریچو راستے کی ہورڈنگ پر آپ نے جلی جلی حروف میں ''پلپلی صاحب'' لکھا ہوا دیکھ کر اشرف بھیا کو لرڈھالرڈھا کر مارا یہ بول کے کہ انھوں نے آپ کا نام ہورڈنگ پر لکھوادیا...... کیوں کہ اکثر جب آپ ان کے کان کھینچتے تھے تو وہ دلی زبان سے ''آئے پلپلی جائے پلپلی انڈہ چور صاحب'' کہتے تھے۔

یکم الف : ذرا نہ سوچا بے چارہ بارہ برس کا بچہ۔ آپ کا نام ہورڈنگس پر شہر بھر میں کیسے لکھوا سکتا تھا......! (ریکارڈ شروع ہوتا ہے۔ ''سب کچھ سیکھا ہم نے نہ سیکھی ہوشیاری
سچ ہے دنیا والو کہ ہم ہیں اناڑی''

یکم بے : بعد کووہ ایک فلم کا نام نکلا...... پلپلی صاحب۔ وہ آپ کا نام تھا ہی نہیں۔

فیضو نواب : (غصے سے) تو کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ کیا مَیں اپنا نام بھی نئی پہچانتا......!! ہو نہ ہو

یہی ہے...... شداد المتخلص بہ ملعون حیدر آبادی۔

لی جان لی : (جھنجلا کر ہاتھ پاؤں پٹختے ہوئے) پھروؤاچ...... مرغ کی ایکچ ٹانگ!! پہلے مٹاؤ اس فتنے کو "ششم" (بچہ حرکت میں آجاتا ہے۔اچانك درختوں کے پیچھے سے ایك سر غائب ہوگیا ہے اور ریکارڈ شروع ہوتاہے)

آنسو نہ بہا فریاد نہ کر دل جلتا ہے تو جلنے دے!"

فیضو نواب : (بیوی کو کندھوں سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے) سنا تم نے؟...... دیکھا دیکھا؟ اب بولو کیا بولتی ہو (دیوانہ وار دیوار کی جانب چھلانگ لگاتے ہوئے) دراصل یہ ساری شیطانی جام کے جھاڑ والوں کی ہے...... آثار اور قرائن سے "ثلاث" (جھاڑ کی جانب سے بھئوبھئو۔ بھئوبھئو" کی تکرار ہوتی ہے جیسے کتّے لڑرہے ہوں)

فیضو نواب : (مکّا تان کر) ارے او جام کے جھاڑ والے شیطان۔ میں تجھے شیشے میں اتار کیچ دم لیوں گا۔ بیگم۔ بیگم لاؤ میری چھڑی ٹوپی۔ جلدی!!

فیضو نواب : (گویا قتل عام کے ارادے سے نکل رہے ہوں) دیکھتا ہوں اب کون کتنے پانی میں ہے!! بھینس کے سنگاں دکھ گئے اب بھینس کو اچ پکڑ کر ڈالتا ہوں ڈُوڈی میں!

ڈاکٹر شرما : (خوفزدہ آواز میں چلّاتے ہوئے) سیّد بھائی۔سیّد بھائی۔ذرا صبر کیجئے۔محلّہ ہے محلّہ! روز صبح ایک دوسرے کا مونہہ دیکھنا پڑتا ہے۔

فیضو نواب : (ترکی بہ ترکی) میں کسی کا جلا مونہہ نئی دیکھتا ڈاکٹر صاحب۔ دیکھنے کا نئی۔ بیگم لادے چھڑی...... میری ٹوپی!!

لی جان لی : (ہاتھ پٹخ کر بُدبُداتی ہیں) نہ چھڑی اچ اجڑی ہے نا ٹوپی...... کیا کروں۔

یکم بے : ٹھرو...... چھڑی کی جائے چھتری چل رہی ہے۔رہ گئی ٹوپی......

(یکم الف ایك میلی کچیلی پرانی نایاب تنکوں کی ہیاٹ (HAT) جھٹکتی ہوئی لاتی ہے جسے فیضو نواب جھٹ سے سر پر اوڑھ لیتے ہیں)

فیضو نواب : (مستقل مزاجی سے) اب وہ خون خرابے پر آمادہ ہیں تو میں بھی تیار ہوں۔
(چلاکر) اے آسمان تیرے خدا کا نہیں ہے خوف!
ڈرتے ہیں اے زمین تیرے آدمی سے ہم!
خون خرابہ........... آ ۔ آ . . . .

ڈاکٹر شرما : (حواس باختہ داخل ہوکر ایک ہاتھ پکڑ کر دوسرا ہاتھ سینے پر رکھ کر) نہیں سید بھائی کوئی خون خرابہ، کوئی جھگڑا نہیں میرے بھائی......

فیضو نواب : (ایک دم مدھم سُر پر آکر) خون خرابہ۔ جھگڑا فساد۔ میں کب کرتوں صاحب۔ میں شریف۔ میرا باپ شریف۔ میرا دادا پرداداسکڑ دادا

(پیچھے سے "یاہو" کی زبردست آواز کے ساتھ) "سارے کے سارے ذاتِ شریف"

فیضو نواب : (دوبارہ جوش کھاتے ہوئے چلاکر) اب یہ بھی سُن لیا آپ نے ڈاکٹر صاحب بہ نفسِ نفیس سن لیا۔ (طیش کے عالم میں اپنے ہی مرکز پر اسطرح بیقرار آگے پیچھے گھومتے ہیں گویا کہ گری پڑی چیزوں کو ڈھونڈرہے ہوں) نئی ......اب میں اس گھر میں پانی تک نہ پئیوں گا۔ میں یہاں ایک منٹ نہیں رہوں گا...... جان لے لوں گا۔ جان لے لوں گا (ڈاکٹر صاحب مسلسل منانے کی کوشش کررہے ہیں) اپنی جان لے لوں گا مگر معاف نئی کروں گا ان کافروں کو...... میں دفتر جارہاوں۔ وہی میرا دفتر میرا گھر میرا مکتب میری مسجد۔

(یکم بے توشہ دان اور فائیل لاکر حسبِ معمول پکڑا دیتی ہے فیضو نواب مکمل روایتی کاسٹیوم میں پوز دیتے ہیں۔ ہشتم پیچھے سے شیروانی کا دامن پکڑ کر کھینچتے ہوئے) "ابّو! تم تو زسملو انکل کی شادی میں دعوت کھا کے آگئے۔ ہم کو کون سالن پکا کے کھلائیگا؟" پیچھے پلٹ کر "آسمان کے نیچے اوندھے پڑکر مٹھڑ مارو شمروؤں کی جان کو (جونہی آگے بڑھتے ہیں سُتلی ٹوٹ جاتی ہے جوتے کا تلّا پلٹ جانے سے ٹھوکر کھاکر گرتے ہیں اور کراہنے لگتے ہیں ڈاکٹر شرما اور یکم الف سہارا دے کر کھڑا کرتے ہیں کراہتے اور لنگڑاتے ہوئے آکر پلنگڑی پر بیٹھ جاتے ہیں "کم بخت جوتا...... اسکا مونہہ بھی آج اج کھلنا تھا الی اج۔ بے پیٹا ذرا ستلی کا ٹکڑا لانا۔ (موقعے کا فائدہ اٹھا کر ڈاکٹر شرما تسلی دیتے ہیں)

ڈاکٹر شرما : نواب صاحب!! ایزی لیجئے! آپ ایک ذمہ دار ملازم سرکار ہیں۔ آپ کا ایک وقار ایک وزن ہے۔ لوگ شرارتی بھی ہیں ان سوی لائزڈ Uncivilised بھی۔ ان کو راستے پر لانا ہے اپنے جوابی Counter attitude سے۔ کوئی دو سال پہلے ہمارے کلینک پر پلے کارڈ لگائے تھے۔ لکھ کر۔

مسز اینڈ مسٹر ڈاکٹر کفن چور قبر فروش آف جہنم آباد We took it quite easy!

For that nobody knows about it- Plaese enjoy the mischief'

(ریکارڈ شروع ہوتا ہے!!) میری کہانی بھولنے والے تیرا جہاں آباد رہے
تیری خوشی میں میں مٹ جاؤں دنیا میری برباد رہے

"لیجیے............ Note of surrender ! "



(یکم الف اور بے صبح سویرے سے گھر کی صفائی میں منہمک ہیں ۔ فیضو نواب کچن اور غسل خانے کے درمیان تیز رفتاری سے حسبِ معمول کام نپٹا رہے ہیں ۔ برتنوں کی آوازوں کا سلسلہ جاری ہے ۔ فیضو نواب چائے کے فِنجان لاکر ترحم انگیز نگاہوں سے بیوی کو دیکھتے ہوئے ملائمت سے آوز دیتے ہیں ۔ "لی جان ۔ لی جانی ۔ بجانی اٹھو ۔ ذرا دو بوند چاء کے پی لیو!" لی جان لی خود فراموشی کے عالم میں "کیا ہے جی ......(اٹھ بیٹتھی ہیں ۔)

فیضو نواب : سنتی ہو ۔ آج دو گھنٹے لیٹ پر میشن لگا کے آئیوں ۔ صاحبزادہ گیری پینشن کی تاریخ ہے نا ۔ چلو چل کے تمھاری لی ہماری لی پنشناں لالیں گے ۔

لی جان لی : مٹی ڈال دیئو جی پچیس روپلی ماہوار لو ...... تھوک چاٹے سے بھوک مرتی کیا ۔ ؟ ہو نہہ ! بیلاں گنوا کو رسیاں لا رئیں !! مگرمچھ کے موںہ میں مکھی جیسی بات ۔

فیضو نواب : (بازو بیٹھ کر منا کر اٹھاتے ہوئے) ایسا نکو بولو لی جان ! چھوٹے چھوٹے بچوں کی زندگی میں دو چار روپلی بھی بہوت بڑی دولت ! بڑا آسرا ہے تمھارے پچیس ہمارے چالیس روپوں کا ۔ ہر تیسرے مہینے لگ بھگ دو سو روپے ۔ پورے چوبیس ماسے خالص 22 کیرٹ سونے کی قیمت بجانی ......

لی جان لی : تماری اماں کی شادی میں بھینس بکریاں سونے کے سنگھوٹھیاں پہن کو آئیں جی ۔ مگر اپچھ بہو اس کو کبھی ماسہ بھر سونا نصیب نئی ہوا ۔

فیضو نواب : آجکل خاندانی وضع دار لوگ سونا نئی پہنتے لی جان ۔

لی جان لی : (سرد آہ بھر کر) بزرگاں پہلے اچ بول دے کو گئیں ۔ ہتھیاں ڈوبیں گے پن کی اُبلیاں تیرین گے ۔ گنگا الٹی بہہ رہی ہے ۔ اچھا ! دیکھو ! تم آج بارہ پندرہ روپلی کا جو تاج مول لے لیو......!

فیضو نواب : بیگم ! بارہ روپلی میں جوتا ۔ کس خواب میں ہیں ؟ پورے چوبیس روپئے !!

لی جان لی : تو بھی لے لیئو ! تکلیف نکو جھیلو !!

(دونوں تیار ہوچکتے ہیں ۔ فیضو نواب آنک آنک کر جوتا پہنتے ہوئے سیدھے سادے اندازمیں) ''نئی جی۔ کل اچ مجاہد میاں بولئیں۔ ان کے پاس ایک جوڑی بیکار پڑی ہے لادیں گے ۔ اور میں کچھ سلوک کر دیوں گا۔ دوست کا حساب دل میں ۔

(پھٹے ہوئے جوتے کو پنجے پر چڑھا کر پنجے سے اوپر ستلی کستے ہوئے) ہونہہ ۔ نئیا جوتا ! اور تیرہ بچوں کا باپ ۔ تیرہ بچوں کے باپ کو نیا جوتا پہنے کا حق کیا ہے ؟ ! میں پوچھتا ہوں ۔ کیا حق ہے ۔ ؟ !

ریکارڈ '' تنگ آچکے ہیں کشمکش زندگی سے ہم ؛ ٹھکرانہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم'' پلٹ پلٹ کر چل رہا ہے ۔ بی جان بی اور فیضو نواب اپنے اپنے روایتی کاسٹیوم میں نکلنے کو تیار کھڑے ہیں ۔ نہم بڑی معصومیت سے توشہ دان لاکر تھما دیتا ہے ۔ فیضو نواب جھنجھلاکر ''اب کیا ہے اس میں ؟'' بچہ چونچلے کے ساتھ جواب دیتا ہے ''ابّوام میں ہوا ہے۔ ہوا کھاؤ'' دونوں سنھبل بھی نہیں پاتے که روشن علی کی آواز گونجتی ہے ۔ ''جواری کی گرما گرم روٹیاں ، تلا گردہ۔ گرم چاکنا۔ باجرہ لوز۔ مٹی کے مٹھے تیار پاشا'' فیضو نواب لپك کر ''ارہاں روشن علی ......آ۔ آجا اندر آجا(بی جان بی سے) لی جانی ایک آٹھ بارہ آنے پیسے نکالو جی۔ چلو ایک روپیہ بھلا۔ دو تین وقت سے دو آنے اچ دیتا آروں نا۔'' روشن علی سر پر خوا ن رکھے داخل ہوتا ہے ۔ خوان پلنگڑی پر دھر کر جھك کر سلام بجا لا کر پاؤں چھوتا ہے ۔ فیضو نواب چلاّتے ہیں ۔ نئی نئی روشنئے پاؤں پڑنے کا نئی...... بندہ بندے کے پاؤں پڑے چھی چھی چھی۔ اگلا چھو کو گنہگار پچھلا چھوا کو گنہگار...... ویسا ئی اچ پاواں میں شہر بھر کے جراثیم بھرے رہتیں۔ کیوں کہ زمین پو اچھے برے میں پنجے اچ فرش چاٹتے پھرنے والا عضو ہیں نا۔ اس لئے چھونے والا اپنے ہاتھوں کے ذریعے اپنے سارے جسم کو چھوت لگالیتا ہے سوسے دوسروں کو بھی لگاتا ہے !'' بی جان بی۔ ''اسی اچ لئے ''شاید'' جی بزرگان پاوان پڑنے کو منع کرتیں۔ بلکہ پاوان پڑنے کا اشارہ کرنے کو بھی منع کرتیں۔'' فیضو نواب۔ ''روحانی بیماری نئی لگتا بول کو اور کیا'' یکم الف کمرے میں سے نکلتے ہوئے ''احساس کمتری پیدا ہوکر خود اعتمادی کو پاش پاش کرنا ہی ذہنی اور روحانی بیماری ہے اسی سے بچنے کے نلئے۔''

روشن علی : اوئے......اوئے اوئے......اوئے ...... ادے یہ کیا دُرگت ما لیتیں جی اِنوں۔ اَدے پٹا شروانی اِدر نہ اُدر بیچ اُدھر ...... بٹناں سارے کے سارے غیب۔ پائیونداں لگی کھمیز کیسا باہر کو جھانکتی اے ؟ اَدے اَدے پجامہ اِتا اونچا ...... جوتیاں موہنہ پھاڑ کو ڈال رئیں۔

اُدے وہ چھدرے پھٹنے والا ڈوپا کاں ہے ماں ؟ ادے ہاتھ میں تیر کی ماری چیل کے ناتھ پران کھلی چھتری ......وہ خالی ڈھول ڈھمکا توشے دان۔

: ادے پاشا...... اپے یہ کیا نیا میک اپ کر لئے ؟ شیروانی تو ہے سواچ ہے پاجامہ جو تا بھی جو تھا سو ہے۔ لکڑی کی جگہ چھتری اور ٹوپی کی جگہ ''اوندھا انگریز کا پراٹا'' کیوں...... یہ کیوں...... یہ کیا علت ہے!!

فیضو نواب : (بے صبری سے خوان کا جائزہ لیتے ہوئے ہر چیز میں سے کچھ نہ کچھ نکالتے ہوئے) ''کیوں دیکھائی باہر جاتے ہوے مجھے۔ کیا اب باہر بھی لنگی الٹی چڑھا لیکو جاؤں بیٹا!!''

روشن علی : (سر کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) اوندھا پراٹہ کب سے پہننے لگئیں مالک ؟

فیضو نواب : جا۔ جا کے برتن لا کے خالی کر۔ پہلے مجھے تیچے دے۔ (روشن علی اندر بھاگتا ہے۔ فیضو نواب جوار کی کافی بڑی خوبصورت ریشمی روٹی کو اپنے سر سے اونچا اٹھاکر ''جانی۔ یہ ہے ہماری دکنی روٹی۔ قطب شاہی بادشاہوں اور حضور پرنور میر عثمان علی خان کی چہیتی۔ مرغوب قلندری روٹی۔ (روشن علی برتن لاکر سامنے دھرتے ہوئے) مالک! آپ کی جیجی ماں نے بنائی ہے۔ سالنے اس خادم نے بنائے سرکار!!

فیضو نواب : بس بس۔ جیجی ماں نے روٹی بنادی سب کچھ بنا دیا۔ واہ! بھالی ماں کا جواب نئی کھانے کے جوڑ ملانے میں۔ آجا جانی کھانا کھا...... آؤ چو آؤ (ایک رکابی میں حصہ لگاتے ہیں) بٹھ بھگّ بھگیلے نچے بیٹھ کھا ہمارے ساتھ کھانا۔

بی جان بی : واہ جی واہ...... کیا سالنے بنائے تمارے روشنیے نے!

یکم الف بے : (اور دوسرے) امی...... لوز دو۔ میٹھے دو!

بی جان بی : چپیو! باجرے کے لوز اور نئی کہ مکّی مٹھے۔ مہینوں رہنے والے چیزاں ہیں۔ رکھ کو کھاؤ...... ادے جواری کی روٹی گرم گرم کھا لینا اچھا سوب مل جل کو کھالیو۔ اور ہمنا کام ہو جانے دیو...... بیٹا الف۔ لوز اور مٹھے رکھ دیو اٹھا کو!!

فیضو نواب : یا اللہ...... کھلانے والوں کو بغیر حساب کھلا۔ الحمد للہ مزہ آگیا۔

یکم الف : ابّو محبوب بی...... اور روشن علی کے ہاتھوں میں جادو ہے۔

فیضو نواب : (غصے سے) محبوب بی نئی جیجی ماں ہماری بھی تماری بی تاحشر! روشن علی نئی۔ روشن علی ماموں تمارا...... تاحشر!! اپنا قدیم خدمتگار چا کر نئی اپنے سگّے سودرے ہو جاتے ہیں ان کو بھر پور عزت

دینا۔ اپنی عزت کم نئی ہوتی۔ لے رے باندر...... ایک روپیہ انعام تیرا۔ جا مزے کر پکچر مار!!



(فیضو نواب کے گھر کا روایتی ماحول روشنی کم ہوتے ہوتے کافی شام ہوجاتی ہے۔ یکم الف اور دوم بے حالت نماز میں گھر میں چراغ جلا رہی ہیں۔ یکم بے دوم الف اور تمام بچے جاء نماز بچھائے قبلہ رخ بیٹھے یکے بعد دیگرے سلام پھیر رہے ہیں۔ نہم زور زور سے دعا کرتا ہے "اللہ میاں ابّو کو اور امّی کو جلدی گھر لائیو۔ خوب مٹھائیاں اور بلیانی دے دے کے بھیجدیو آمین" سب کے سب آمین کہتے ہیں۔ باہر سے آواز آتی ہے۔)

"بہار موتیا۔ موتیا بہار۔ سہاگن کا سنگھار۔ بہار موتیا۔ موتیا بہار!!

(یکم تا پنجم۔ چلمن پر ٹوٹی پڑتی ہیں سب کی سب "موتیا بہار سر آگئے۔ موتیا بہار سر آگئے۔" اچانک فیضو نواب اور بی جان بی سا مان سے لدے پھندے دہلیز پر چڑھ آتے ہیں اور انتہائی غصے کے ساتھ) "کیا ہے؟ کیوں گری پڑ رہی ہو باہر!؟"

بی جان بی : "نامرادو لونڈیو! قحط ماری پوتیو! تمنا بھک منگے کا سبق بس نئی ہوا کیا!! کیوں جامے سے چھٹی پڑ رہی ہو بازار نو ناتھ!! (یکم تا پنجم دونوں حصوں پر بٹ جاتے ہیں) "ابّو بہار موتیا بہار۔ بہار موتیا!!

بی جان بی : "کیا بہار موتیا۔ بہار موتیا رٹ رئیں۔" "کھانے کو کھلی نئی پینڈے تلے پینڈ کھجور"

فیضو نواب : (نرمی سے) بیٹا تمے خود ایک پھول ہو۔ دنیا کے سب سے خوبصورت پھول عورت بیٹیاں۔ سب سے اعلیٰ خوشبو، عزت دار شرم اور حیا والی عورت چھی۔ سب سے بڑی نعمت نیک بی بی۔ نیک بہن۔ نیک ماں! نیک بیٹی۔

بی جان بی : (کڑکتے ہوئے) ہوّر ئیاں...... تم کوئی دولناں سہاگناں۔ تمنا پھول کائے کو!! اری یاں...... ایسی بانی سے گھر میں گزارنا جب موحلّے سے ڈولی اٹھے کی ڈولا عورت چھی کا...... سارا محلّہ رونا...... تاحیات آنے والی چھیوں کو نظیر بتانا!

فیضو نواب : اچھا جانی۔ اب چپ ہو جاؤ۔

یکم بے : ابّو...... انوں غلط سمجھ رئیں۔ سچی بات کیا ہے بولے تو ہمارے ٹیچر بتائے کہ بہارِ موتیا سر کے ماں باپ بہت غریب ہیں۔ وہ لوگ گھروں میں چھوٹی موٹی نوکریاں کر کے کنبے کو پالتیں۔ ان کے بچے بہوت سارے ہیں ان کو نہ کھلا سکتیں! نہ پہنا سکتیں۔ پڑھائینگے کہاں سے؟ بہارِ موتیا سر اپنے مالک کے بچوں کو سکول لیجاتے لیجاتے ساتویں کا بورڈ اگزام کئیے۔ سیکنڈ کلاس پاس ہوئے وہاں سے اخبار اور پھول بیچتے ہوئے ہائی اسکول اور کالج کیا۔ اب وہ یم۔ اے فائینل میں ہیں۔ وہ تین بجے رات سے

اخبار اٹھاتے ہیں اور پانچ بجے سے نو بجے تک پھول بیچتے ہیں۔ اب ان کے تین بھائی بھی اسی طرح ڈگریاں کرر ہے ہیں۔ ابّو وہ یونیورسٹی میں پروفیسر لگنے والے ہیں اب۔"

فیضو نواب : "واہ بھئی واہ۔بھئی واہ یہ ہوئی نا بات! نوجوان آج کا سپاہی ہے۔ زندگی میدانِ جنگ ہے ہوش ربا مسائل کے راکھششوں سے اسے جنگ لڑنا ہے...... جو جیت گیا وہ مقدر کا سکندر...... گویا یہ قبلہ (تمام بچے) مقدر کا سکندر ہیں۔"

(دور سے آواز آتی ہے ۔ موتیا بہار ۔ سہاگن کا سنگار) تمام بچے چاروں طرف سے لپٹ جاتے ہیں ابّو ۔ ابّو ۔ہم بھی محنت کرکے لکھیں گے پڑھیں گے ۔ بڑے آدمی بنیں گے ۔ ابّو ہم بھی پھول بیچیں گے ۔ '(ہفتم سادگی اور بیفکری کے ساتھ)"میں تو انڈے بیچوں گا۔"

بی جان بی : (کھاجانیوالی نظروں سے دیکھتے ہوۓ) کیوں داداجان کا سامان ختم ہو گیا تیرے کو (ہفتم شرمندگی سے سر جھکا لیتا ہے) بچے ہوت۔ چلو۔ چلو۔ قصہ کہانی بس۔ اپنا قضیہ اپنے کو بہوت...... بیگانی شادی میں عبداللہ دیوانہ بھو ہو! آؤ آم کھاؤ۔ الفنے۔ آم بھگادیۓ؟ موسم کا میوہ۔ سارے موسم میں ایک بار اچ سہی۔ ملے تو کھانے کو۔

فیضو نواب : (کھٹیا پر بیٹھ کر جوتے اتارتے ہوئے) جانی! ہمیں بڑے خوش نصیباں تھے جی...... دنیا بھر کا کھایا پیا۔ پہنا اوڑھا۔ سیر تفریح کی مزے اڑائے۔ ہم تو ہم ہمارے نوکر چاکر باندی بھیگیلے جو کھائے پیے پہنے اوڑھے عیشاں کئیے۔ وہ یہ پوٹائین کو دیکھنے کو بھی نئیں ملا۔ عثمان کا دور، دکن کی تاریخ میں باشندوں کی امارت خوش حالی امن وامان کے آخری سنہرے دور بطور لکھا جائے گا۔ یہ بات آج بی کیا ہندو کیا سکھ کیا عیسائی۔ کیا ہریجن گریجن لمباڑے پاڑدی۔ سب کے سب بولتیں۔ ہاتاں اٹھا اٹھا کو دعائیاں دیتیں۔ شاہ عثمان زندہ باد بول کے۔

بی جان بی : ہئو جی۔ کل تک ہم سیب سپوٹے نارنگی سے گینداں کھیلتے تھے۔ ان پوٹائین نے تو صورت بھی نئی دیکھی۔ فالسہ چارولی جامن کدر سے آکو کدر کو جاتیں۔ ان' نا نئی معلوم۔ اناس کس جناور کا نام ہے یہ نئی جانتے جی۔ بس غریب کے تین اچ میوے۔ آم۔ سیتا فل۔ جام

نہم : ابّو بوٹ گاجر بیر گینگل کو کئوں چھوڑ دے ریاں؟

ہشتم : کھجور۔ کھجور۔ پھلی۔ ناریل۔ خربوزہ۔ تربوز!!

فیضو نواب : ادے ہئو جانی...... اللہ میاں نے غریبوں کو بھی بے حساب سستے میوے دیدیئے۔

نہم : (دفعتاً روٹھتے ہوئے) ابّو...... دیکھو میں سیدھی شرافتی سے بول دے لیوں۔ میٔ پورا" ثابت "آم لئیوں گا...... تم چوس کے دیئے بی تو نئی لیوں گا۔ امی چوس کے دیئے بی تو نئی لیونگا۔

فیضو نواب : (گال تھپتھپاتے ہوئے) اچھا بابا لے لے۔ تو پورا کا پورا لے لے۔ اور میرا بھی لے لے۔

نہم : سچی! ؟ امی۔ امی۔ میں دو آم لیوں گا۔ (ہتھیلی سے لینے کا اشارہ بناتے ہوئے) آم دو۔ آم دو۔ بابا کو آم دو۔ بابا کو دو دو آم دو۔

(سارے بچے اپنے اپنے آم لیکر باپ کو لپٹ جاتے ہیں ہر کوئی کہتا ہے)

ابو میرا آم چوسو۔ ابو میرا آم چوسو۔ اور باپ کا چوسا ہوا آم ماں کو بھی چسوا دیتے ہیں۔ جنھوں نے آم نہیں لئے۔



(رات کب کی گہری ہوچکی ہے۔ دسترخوان بچھ چکا ہے۔ چراغوں کی تیز روشنی میں سب لوگوں کے چہرے دمك رہے ہیں۔ وہ بڑی خوشی خوشی کھانا کھارہے ہیں۔

فیضو نواب : خدا گواہ بجانی۔ تمارے ہاتھ میں مزہ ہے۔ گوشت بہت خوب بھونا۔ ایک بوٹی ہے ؟

بی جان بی : (افسوس کے ساتھ) نئی ہے جی۔ سب کو دو دو بوٹی نگائی تمنا تین دی......جی!

فیضو نواب : عقیقے کا گوشت کافی زیادہ آیا تھا۔ بس نئی پڑا...... ؟

بی جان بی : نئی جی۔ چھوٹا آدھا ان ہڈی پہ بھون لیا۔ بڑا آدھا ہڈی نلی کے ساتھ بھون کے رکھ دیا۔ ناشتے میں قورمے کے لئے۔ اور تھوڑا سا۔ چپ ذرا سا بھن کو (سوچ میں ڈوب جاتی ہے) ادے ماں کچھ نئی کھانا کھالو۔

یکم تا پنجم : (فیضو نواب کے مونہہ تك ٹکڑے لے جاکر) ابو۔ میری بوٹی لو۔ نئی ابو میری بوٹی لو میری بھی لو۔

فیضو نواب : (کھسیا کر) کھاؤ بچو! تم لوگ کھالیو رے۔ تماری امی بہوت مزے دار بھونے نا۔ بول کے چپ مانگ رہا تھا۔ کھالیو۔ کھالیو۔ (جام کے درختوں کے اندر سے ریڈیو جیسی آواز آتی ہے۔ فیضو نواب کان لگا کر) سنو۔ سنو۔ یہیں کہیں جلسہ ہورہا ہے"

تقریر کی گونج : آج ہمارے دیش کے بڑے بڑے نیتا چھوٹے مختصر خاندانوں کے حق میں لانبی چوڑی تقریریں جھاڑتے ہیں۔ کروڑوں روپئے کا بجٹ بہاتے ہیں۔ اس طرح عوام کی دولت کو ناجائیز ضائع کرتے ہیں۔ جب کہ وہ اتنا بھی نہیں جانتے کہ ہمارا ملک ہندوستان ایک گرم ملک ہے۔ اک بچہ پیدا کرنے کی کوشش کرو تو چار چار پیدا ہو جاتے ہیں جو قدرتی عمل ہے دیکھتے ہی دیکھتے باقاعدہ دو طرفہ کرکٹ ٹیم کھڑی ہو جاتی ہے۔ جسے دنیا کی کوئی طاقت،

دنیا سے آؤٹ نہیں کر سکتی (فیضو نواب اور بی جان بی پورے انہماک سے سن رہے ہیں ۔ بچے جہاں کے تہاں سوچکے ہیں) اس کے برخلاف برطانیہ روس چین وغیرہ برفانی ٹھنڈے ممالک ہیں۔ جن کی موجودہ آبادی ہماری موجودہ آبادی سے تگنی چوگنی زیادہ ہے۔ اس کے باوجود وہ ہر نئے بچے کے لئے ماں باپ کو بھاری انعامات اور باقاعدہ پرورش الاونس دیتے ہیں۔ انسان دنیا میں آیا ہی ہے اولاد جیسی پیاری نعمت کی خوشی محسوس کرنے (زبردست پرجوش تالیاں) جو ایک مرد کا فطری حق ہے۔ (تالیاں) اور اب یہ حق بھی لڑکیوں کے نانہجار والدین سرکار سے گہری سازش کر کے ہم مردوں سے چھین لینا چاہتے ہیں (شیم شیم) اولاد کی من چاہی تعداد میں پیدائش ہم مردوں کا دستوری حق ہے (ہترے۔ہترے۔ہترے) جسے ہم سے کوئی مائی کا لال نہیں چھین سکتا چاہے اس کائینات کے پرخچے کیوں نہ اُڑ جائیں۔ کیا ہم ہندوستانی گتہ لے کر بیٹھے ہیں دنیا بھر کی آبادی کم کرنے کا؟ کتنے شرم کا مقام ہے کہ ہم ہندوستانی قربانی کے نام پر خودکشی کرتے جاتے ہیں۔ اپنی نسل کشی کرتے جاتے ہیں۔ وہ لوگ پیٹھ ٹھونک کر نسل کشی کرواتے جا رہے ہیں۔ اس متضاد صورتحال سے جُوجنے کا واحد راستہ بس یہ ہے کہ ہم کمر کس کر مقابلے پر آجائیں کیونکہ ڈوبنا ہی ہے تو اکیلے تھوڑی ہی ڈوبیں گے ارے سب کو لیکر ڈوبیں گے۔ لہذا ہم دو اور تین پر صبر کرنے والے (چلاکر) ہرگز نہیں (زبردست تالیاں) ارے ہم جئیں گے غازی بن کر اور مریں گے شہید بن کر (غیر معمولی پُرجوش تالیاں) ہم خم ٹھونک کر ایک ایک "سے" ایک سو ایکس چاہتے ہیں۔ ابھی۔ آج ہی۔ اور اسی لئے اس پالیسی کی پرزور مخالفت کرتے ہوئے۔ کثیر العیال پڑوسیوں سے گزارش کرتے ہیں کہ "سبسیڈی گرانٹ" کے لئے فی الفور گورنمنٹ آف انڈیا کے نام میمورنڈم جاری کریں۔ (زبردست قہقہے اور نعرے) ہمت کرو۔ آگے بڑھو یہ وقت پیچھے ہٹنے کا نہیں۔ تم قوم کو بیشمار جوان اور بیشمار کسان دے رہے ہو۔ دوڑو۔ وقت ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ اور سرکار سے پرزور مطالبہ کریں کہ سرکار ایک بچہ پر سو روپیہ ماہانہ الاؤنس دوسرے پر دو سو تیسرے پر تین سو اسطرح اکیسویں پر ماہانہ دو ہزار ایک سو روپیہ بلاناغہ ادا کرے۔ تاکہ ماں اور باپ قومی ہیروز کی مانند فرصت سے اپنے نونہالوں کی تعلیم و تربیت کر سکیں (میاؤں اور شرارت بھری سیٹیاں) امیروں کے ٹیکس پر غریبوں کو جینے کا مکمل حق ملے۔ (میاؤں میاؤں کا زبردست شور۔ تالیاں سیٹیاں نعرے۔ فیضو نواب بی جان بی کو بڑی اہمیت کے ساتھ کھینچ لاکر دونوں ہاتھ آسمان کی جانب بلند کرکے پرجوش انداز میں "زندہ باد۔ انقلاب زندہ باد")۔

عقابی روح جب بیدار ہوتی ہے جوانوں میں
نظر آتی ہے ان کو اپنی منزل آسمانوں میں

پیچھے سے ایک نحیف سی پکار آتی ہے "بلّی کے خواب میں چھچھڑے ہی چھچھڑے" اور کئی آوازیں "انقلاب۔زندہ باد۔روکھی سوکھی کھائینگے۔بچے خوب بڑھائیں گے" ایک پرتجسس "اوئے ہوئے۔ے" ایک اور منحنی آواز "مولانا آخر کب تک؟ دنیا بول رئی اے جاؤ جاؤ۔ قبر بلا ری۔ اے آؤ آؤ" نعرہ بلند کرنے کے بعد فیضو نواب بی جان بی کو لیکر خود اعتمادی کے ساتھ ہال میں آجاتے ہیں)

فیضو نواب : "مجانی۔ غضب کا مقرر تھا۔ کیا تقریر کی۔ دل نکال کرر کھ دیا ہتھیلی پر۔"

بی جان بی : (گہری سنجیدگی اور اعتماد کے ساتھ) "سرکار مطالبے قبول کرلے تو بات ہے۔ ہمارے تو دن ہی پھر جائیں گے!...... تیرہ بچوں کے الاؤنس میں ایسی برکت ہونگی کی تم کو نوکری بی کرنا نئی پڑینگا۔"

(جام کے جھاڑوں کی آڑ سے دوسر مائیکروفون کے ساتھ جھانکتے ہوئے طوطے کی آواز جیسی سیٹی بجاتے ہوئے "تم ہی جب نہ ہوگے تو ہوگا نہ ریوڑ۔ کسے لاکے سرکار پیسہ بھرے گی!" لیکن دونوں اپنے احساسات میں اتنے غرق ہیں کہ متوجہ ہی نہیں ہوتے دونوں میں ایک پراعتماد نیا پن اجاگر ہوجاتا ہے۔)

فیضو نواب : واہ کیا مقرر تھا۔ ٹھنڈے خون کو گرما دیا ظالم نے بیگم! یقیناً یہ مخدوم ہی تھا۔ کامریڈ مخدوم محی الدین۔ اس کے علاوہ کوئی اور نہ تو اتنی بیباک ولولہ انگیز تقریر کر سکتا ہے اور نہ سرکار کو "پلٹ پلٹ کر" لتاڑ سکتا ہے۔ (بڑے ہی مدبرانہ انداز میں) سچ پوچھو تو مخدوم سے بڑا لیڈر آج تک کمیونزم نے پیدا نہیں کیا۔ کنویں کے مینڈک اس کی حیثیت کو خاک پہچانیں؟

بی جان بی : (ترکی بہ ترکی فصیح زبان میں) تمارا خیال بالکل صحیح ہے۔ ڈاکٹر صاحب بھی تو کامریڈ ہیں۔ انھوں نے ہی اس جلسے کا اہتمام کیا ہوگا۔

فیضو نواب : (پھڑک کر) "دیکھا...... دیکھا۔ میں نہ کہتا تھا۔ اسے کہتے ہیں سچائی۔ ایک ہی تقریر سن کر تمھارے دماغ اور زبان کے بند دروازے کھل گئے۔ دُور کی کوڑی لائی ہو۔"

بی جان بی : (مزید چار قدم آگے بڑھ کر) سچ کہتے ہو غیر معمولی تعداد میں بچوں اور گرہستی کی ذمہ داریوں سے میری شخصیت منوں دھول میں دھنس کر رہ گئی ہے۔ حالانکہ دسویں تک میں بھی تو پڑھی ہوں۔ آج محسوس ہوا...... میں زندہ بھی ہوں۔ مخدوم نے غرمت کی

"دکھتی رگ" پر ہاتھ رکھ دیا ہے۔ چلڈرن الاؤنس لگ جائے تو فارغ البالی آجائے گی۔
......لوگ ہمیں اوچھے طعنے بھی نہ دیں گے۔"

فیضو نواب : اجی مستقبل کا آدمی تاریخ سے سوال کرے گا "غربت و مفلسی" "کن امراضِ خبیثہ کا نام تھے ؟" میں کہتا ہوں آج ہی بلکہ ابھی سے جانی بیگم۔ تم آنے والے وقت کی (مٹھی بھینچ کر) تیاری کرو"

بی جان بی : "میں نے فیصلہ کر لیا ہے...... !! اور تو اور کبھی محسوس کیا آپنے ......؟ (حسب معمول دلآویز انداز میں ریکارڈ "دھیرے سے آجاری انکھیئں میں نندیا آجاری آجا" شروع ہوتا ہے) لوگ آج کل بڑے خاندانوں میں بیٹی دیتے ہیں نہ وہاں کی بیٹی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں چیونٹیوں بھرا کباب......

فیضو نواب : معاشی خوشحالی کے پیشِ نظر مختصر خاندانوں کو پسند کیا جانے لگا ہے۔ لیکن اس بل کے پاس ہو جانے کے بعد کثیر العیال خاندانوں کے مقابل مختصر خاندان پانی بھرتے رہ جائیں گے۔ چلیئے صاحب !! اب سو جائیں۔ گیارہ کب بجے پتہ ہی نہ چلا۔ اور ہاں کل جب بچے پاس بگھارے بیگن بھجواؤ گی تو گتے دار صاحب کے پاس ضرور بھجوا دینا۔ دوگنا۔ خوب اچھا مرغن۔ (وقفہ اور فلسفیانہ انداز میں) بیگم لوگ اتنے برُے ہیں نہیں جیسا کہ ہم سمجھ رہے ہیں۔ جوان لڑکے ہاں ذرا چلبلے ہیں۔ خیر یہ تو عمر کا تقاضہ ہے !!

بی جان بی : سچ بولتے ہیں آپ۔ ہاں۔ دو دن کی زندگی میں جھگڑا کیا...... دل صاف رہنا۔

فیضو نواب : یار یاد رہ جاؤ گے !! آئینِ جوان مردان حق گوئی و بیباکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی (راحت انگیز خراٹوں کی گونج)



فیضو نواب کے مکان میں دو جانب دیوار گیر چراغ ٹمٹما رہے ہیں۔ بیت الخلاء کے قریب اسٹول پر تیز جلتی ہوئی لالٹین رکھی ہے۔ بی جان بی بستر میں بے چینی سے کروٹیں بدل رہی ہیں گھڑی چار بجاتی ہے۔

بی جان بی : (کھنکار کر) اللہ : کون اچ نل کھول کھول کو ڈال دے رئیں۔ ارے کون نل کھلا چھوڑ رہے ہیں بھئی۔ نیند اچٹ اچٹ جارہی ہے۔ ساری رات آنکھوں میں کٹ گئی ہے۔

فیضو نواب : (غیر معمولی نقاہت کے باعث نحیف آواز میں) میں اچ ہوں جانی۔ ٹٹیاں لگیں۔ بیس پچیس تو ہو اچ گئے۔

بی جان بی : (دوبارہ بستر میں سمٹتے ہوئے) چلئے چلئے نیند میں خیال ڈال کر سو جایئے۔ اپنے آپ آجائیگی نیند تو از خود ٹٹیاں بند.......... (وقفہ)

فیضو نواب : ارے ہائے۔ مر گیا۔ مر گیا۔ امان...... ارے کوئی پانی تو پلادے !! اللہ۔ ارے سن لیو رے اٹھو رے۔ میں مر کو جار یون......

(اذان کی آواز کے ساتھ چڑیوں کی چہچہاہٹ۔ مرغوں کی باگیں۔ کوے کی کراک۔ رنگیلے کا شور)

یکم الف : یکم بے۔ امی۔ امی۔ دوم۔ سوم۔ ارے جاگو رے۔ ابو کو کیا کی۔

فیضو نواب (پھڑ پھڑا کر اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے) یکم بیٹی۔ سہارا دے۔ بیت الخلاء۔ بیت اُل۔ (بی جان بی بھی ہڑبڑا کر اٹھ جاتی ہیں اور دونوں بچیوں کی مدد سے فیضو نواب کو بیت الخلاء لے جایا جاتا ہے جو قدم قدم پر تقریباً لڑھک رہے ہیں بعد فراغت فیضو نواب کو تقریباً گھسیٹتے ہوئے لاکر پلنگڑی پر لٹایا جاتا ہے۔ بی جان بی ایک نرس جیسے اسٹائل میں بچوں کی لٹیا سے پانی پلا رہی ہیں۔ یکم الف بھائی کو جگا کر۔ "ششم! جاؤ جلدی سے بازو سے سسٹر کو بلا کے لاؤ کہنا ابو کی حالت بہت خراب ہے" ششم کلمہ پڑھ کر دونوں ہاتھ مونہہ پر مل کر کپڑے جھاڑتا ہوا باہر نکل جاتا ہے۔ یکم بے تمام بچوں کو نیند سے جگا کر پوار ہال صاف کردیتی ہے۔ ششم کے ساتھ اسٹیتھو اسکوپ اور بیگ سنبھالے ڈاکٹر صاحب اندر آجاتے ہیں" ...... نمستے جی...... نمستے!! میرے ہوتے ہوئے نرس کیوں آئے۔؟" کہتے ہوئے فیضو نواب پر رجوع ہوجاتے ہیں۔ اور مکمل چیک اپ کے بعد۔

ڈاکٹر شرما : سب سے پہلی بات...... یہ بیماری نہیں حادثہ ہے۔ "فوڈ پوائزن" کا نتیجہ دوسری اہم ترین بات...... اتنی اجابتیں ہوئی ہیں کہ ان کے جسم کا سارا پانی خارج ہوگیا ہے۔ جسکے باعث کبھی بھی کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

فیضو نواب : (بے حد نحیف آواز میں) جاروں جانی۔ خدا حافظ۔ بولا چالا معاف کر دینا۔ جاروں۔

بی جان بی : (زیادہ ہی تڑپ کے لپٹتے ہوئے) تو جاؤ جی تمکو قسم اللہ کی۔ تماری آئی مجھ پے جائے جی"
(ڈاکٹر صاحب اور بچے بمشکل ہٹاتے ہوئے) کم از [redacted] باٹل گلوکوز چڑھانا لازم ہے۔ انجکشن لگاتے ہوئے۔ اسٹومک واش کی بھی ضرورت پڑسکتی ہے۔ میں گاڑی بھجوا رہا ہوں فوراً عثمانیہ جنرل ہاسپٹل میں اسٹومک۔

بی جان بی : ایسے کیسے ہوگیا فوڈ پائزن ڈاکٹر صاحب ان کو (ڈاکٹر صاحب چونک کر دیکھتے ہیں)

یکم ب : ڈاکٹرانکل۔ کھاناسب نےایک ساتھ کھایا۔ سب نے وہی کھایاجوابّو کھائے۔ پھر ابّوا کیلے بیمار کیوں ؟

ڈاکٹرشرما : ہوسکتا ہے انھوں نے کوئی ایسی چیز کھائی یا پی ہو جو دوسروں نے نہیں کھائی۔ (مسلسل ہلاتے ہوئے) سید صاحب آپ نے !...... کیا کھایا۔ کیا کھایاآپ نے۔

فیضونواب : (لڑکھڑاتی زبان سے) تھوڑاسا چھینکے پر رکھاہواگوشت۔

(بی جان بی دوڑ کر چھینکے سے کھلی ہانڈی اتار کر جھانکتی ہیں جو خالی ہے ۔ ہانڈی لاکر بیچ ہال میں پٹکتے ہوئے اپنے روایتی موڈ میں) اے ہے رے اللہ مٹی پڑکو جاؤ...... اجی اس میں چار بوٹیاں چواں کے کھانے کو جمال گٹہ کچل کو ملاکو رکھ دی تھی۔تا۔کہ پھر گھونس چواں چھینکے پو نئی پڑنا بول کو۔۔ یہ کیسے معلوم تھا تم آج اچ کھا کو آڑے پڑ جائینگے۔

ڈاکٹرشرما : بھائی !غصہ بعد پہلے فوراًہاسپٹل لیجاناضروری ہےمیں میل نرس ساتھ لگادیتیوں۔گلوکوز......

بی جان بی : ڈاکٹر صاحب کوئی بھی بات کو نئی سمجھینگا۔ پہلے ٹٹیاں رک جانا ضروری۔وہ کوئی دواسے رکنے والے نئی۔ صرف ایکچ رستہ ہے۔یکم الف، چل پہلے ذرا دہی لیکولسّی پھینٹ کو لا۔ ٹٹیاں مروڑاں سوچ الی اچ ہند۔ڈاکٹر صاحب آپ مہربانی فرماکر گلوکوزیاں اچ لگادیئو۔

ڈاکٹرشرما : جی جیساآپ چاہیں۔ ہفتم ہفتم بیٹا۔ جاؤکمپاؤنڈر صاحب سے کہنا۔دوگلوکوزباٹل اور انجکشن سٹ ساتھ لائیں۔



(فیضو نواب کے گھر کا روایتی منظر ۔ تمام گھر والے خراٹے بھرتے سورہے ہیں ۔ گھڑی نے بارہ بجائے (وقفہ) سیکنڈ شو سے لوٹنے والوں کے قدموں کی چاپ اورباتوں کی ہلکی ہلکی خوشگوار آوازیں ...... اور ایک ڈرؤنی چیخ " سانپ ...... " شور برپا ہوجاتا ہے "سانپ سانپ جوڑا ہے ۔ کالی ناگن ۔ کالا ناگ ، دیکھو مونہہ مار تو نئی گیا "۔ "ارے کوئی ہے ۔ ٹارچ اور لاٹھیاں لاؤ بھائی ...... بچے والی بستی ہے ! ہوشیار ، خبردار ۔ دوڑو " کاٹ اچ لیا ہوں گا ۔ کچھ سمجھ میں نئی آریائے " دیکھو ۔ گھروں میں گھس نہ جائے "کئی لوگ گھروں سے نکل آتے ہیں ۔ بھگدڑ ۔ گھروں پر ہنگامی کھٹکے ۔ جاگتے رہو ۔ ہوشیار ۔ خبردار ۔ ناگوں کا جوڑا چھپ گیا ہے ۔

فیضونواب : (اندر آکر سب سے) یکم۔یکم دوم سوم چہارم پنجم۔

بی جان بی : (ہڑبڑا کر کھڑی کی کھڑی رہ جاتی ہیں) ششم ہفتم ہشتم نہم

فیضونواب : اٹھ جاؤ بے ہوت...... اٹھو ذرابستر جھٹک لو۔ پہلے ہی فرش پر سوتے ہو۔

لی جان لی : (تھکن اور بیزاری سے) کیا ہو کو گیا جی ؟ میں بولی آخر ہوا کیا ہے !

فیضو نواب : ناگوں کی جوڑی کسی گھر میں گھس گئی ہے۔ محلے کے سارے لوگ اپنا اپنا گھر دیکھ رہے ہیں۔

لی جان لی : (بچیوں کے ساتھ بستر جھٹک کر دوبارہ بچھاتے ہوئے) چلو پڑھو سب کے سب "سلامٌ علی نوحٍ فی العالمین " گیارہ بار بمعہ اول آخر درود شریف اور سو جاؤ اللہ کا نام لے کے ، موذی جانوروں سے کوئی ایذا نہ پہونچے گی۔

فیضو نواب : آنکھوں سے دور صبح کے تارے چلے گئے
نیند آگئی تو غم کے نظارے چلے گئے

ہاں سو جاؤ...... دنیا جائے جہنم میں ...... نیند آجائے تو جنت آباد۔ فی امان اللہ

(رنگیلے کی پے بہ پے بانگیں اور زبردست بیقراری اور گڑبڑ۔ فیضو نواب "صبر کر صبر۔ ناہنجار ، ابھی کھولتوں مالک" مرغ کو آزاد دیتے ہیں "جا۔ جا کے گھر جلدی واپس آ۔ دُوسروں کی مرغیوں کو چھیڑ نا مت مالک ! !" مرغ ایک زبردست چھلانگ کے ساتھ زبردست بانگ مار کر باہر نکل جاتا ہے ۔ فیضو نواب حسبِ معمول اپنے کام میں جٹے ہوئے ہیں ۔ دریں اثناء ان کی نظر بستر سے لگی دیوار پر جاتی ہے جس میں ایک چھوٹا سا سوراخ نظر آتا ہے جس کو ایک کتے کا پلا باہر سے کھرچ کر اندر گھسنے کی کوشش کے ساتھ رینکتا بھی جارہا ہے ۔ جبکہ ششم اور ہفتم ایک ہی لحاف میں دبکے مزے سے سورہے ہیں ۔ فیضو نواب سر سے پاؤں تک لرز جاتے ہیں اور دیگچہ پائینتی رکھ کر گوڈری کھینچ کر سرکاتے ہیں)

فیضو نواب : ارے پوٹا ٹین ۔ آدمی ہو کہ جانور ...... ایسی کیسی نیندر ے ۔ کتا چھید کر کے گھسنے کی کوشش کررہا اے ۔ اور تم دونوں (لحاف تیزی سے کھینچتے ہوئے) سو رہے ...... "ہو" (لانبی چیخ میں تبدیل ہوجاتا ہے ۔ دونوں لڑکے بے حس و حرکت ، ساکت و جامد پڑے ہوئے ہیں دونوں کے بیچوں بیچ دونوں سانپ ایک دوسرے سے چمٹے پڑے ہوئے ہیں ۔ فیضو نواب کانالہ و شیون اور خوفزدہ چیخوں کے ساتھ مدد کے لئے آواز ...... ایک درد ناک سا منظر پیش کررہی ہیں ۔ جو نہ گھٹن میں شمار ہے نہ چیخ میں اور نہ گھگھی میں ۔ وہی لحاف جھٹ سے اوڑھ کر پوٹلی بن جاتے ہیں ۔ پوٹلی کے اندر سے لڑھکتے ہوئے سونے والوں کی ٹانگیں گھسیٹتے ہیں)

فیضو نواب : اٹھ جا لی جان اٹھ جا...... ششم ہفتم گذر گئے ناگوں کا جوڑا لپٹا ہے۔ ظالمو اٹھو رے ۔ ارے

تمارے سروں پر موت منڈلا رہی اے ۔ اری اٹھ ۔ یکم دوم سوم بھاگو رے باہر ......

(سارے کے سارے ہڑبڑا کر اٹھتے اور بگٹٹ صحن میں دوڑجاتے ہیں) سان ......ں نپ رے۔ ساآنپ !!(فیضو نواب لحاف سمیت کُلاٹی مار باہر آن کھڑے ہوتے ہیں اور گھٹے گھٹے حلق سے) ارے مر گئے رے ہفتم۔ ششم۔ میر ے ......میں لٹ گیا...... میں مار اگیا۔"

(شور کی آواز سے ہفتم اور ششم ہڑبڑاکر اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ۔ فیضو نواب لحاف سمیت دونوں ہاتھ پسارے) اللہ شکر ہے۔ دونوں زندہ بچ گئے ...... آجاؤرے دوڑ کے آجا......

بی جان بی : بھاگ کو باہر آجاؤرے۔ ارے ئی...... آؤرے آجاؤرے۔

(پورے خاندان کو پریشان حال روتا دیکھ دونوں مزید حواس باختہ ہوجاتے ہیں ۔ اور اپنے اپنے ہاتھ میں ایک ایک سانپ دُم سے لٹکاکر ان سب کی طرف بڑھتے ہیں ۔ سارے کے سارے چلاّنے لگتے ہیں) ۔

"ارے۔ اے اے۔ ان ظالموں کو پھینک دو بل کی طرف۔ ارے پھینک دے۔ پھینک۔"

(سب کے سب پچھلے پاؤں چلتے ہوئے دیوار سے لگ جاتے ہیں ۔ ششم رپٹ کر سانپ وہیں ڈال دیتا ہے جو جوں کا توں پڑا ہے ۔ اور روتے ہوئے) "یہ سانپاں میں نئی لایا۔ رتجگے کی دعوت میں سے ہفتم چُرا کے لایا ابو...... دونوں سانپ۔"

فیضو نواب : (دیہاتی کسانوں کی مانند لحاف کے شگاف میں سے جھانکتے ہوے) مُردہ سانپ ہوتے ؟

یکم الف : (جھٹکے سے آکر دونوں کے گالوں پر طمانچے مارکر سانپوں کو چھین لیتی ہے ۔ گھٹی گھٹی چیخ کے ساتھ) ارے ابو۔ مردہ نہیں۔ پلاسٹک کے سانپ ہیں۔ ان سانپوں ہی سے تو اشرف بھائی ہمیں ڈراتے تھے۔"

فیضو نواب : (لحاف گراکر دونوں پرپل پڑتے ہیں) ہاں وِچ کام اِب انوں کرے۔ پورے محلے سے جوتے کھلانے کے (میاں بیوی دونوں کھڑکی کی جانب چور نظروں سے دیکھتے ہیں جو بند ہے ۔ پھر جام کے درختوں پر نظرڈالتے ہیں جہاں کوئی نہیں۔ فیضو میاں رپٹ کر جوتوں کی قطار سے اپنا جوتا ۔ بی جان بی اپنی چپل اٹھا لیتے ہیں اور بڑی دھیمی آواز میں)"حرامزادو...... قسمت

اچھی ہے۔ کوئی دیکھتا نہیں ہے (ششم دونوں ہاتھ کھڑے کرکے ماں سے) ''امی! میں نئی امی۔ میں نئی امی۔ ہفتم۔ ہفتم (ڈوڑ کے سوراخ کے پاس جاکر) ''امی سانپوں کو کالا دھاگا بدھ کے یاں سے کھینچ را تھا'' یہ دیکھو دھاگا'' (موٹا کالا ٹوئیل نکال کر بتاتے ہوئے۔ دوسری طرف ہفتم شرمندگی کے ساتھ مار جھیلتے ہوئے) ''نئی ابو''......اب کے نئی کرتے ابو...... نئی ابو...... نئی ابو...... توبا توبا؟'' (فیضو نواب دم دم ہوکر) ''اب تم تو تم تمہارا باپ بھی جوتیوں سے توبا کرنا ہاں۔'' (جوتا پٹخ دیتے ہیں۔ ہفتم بیٹھکیں مارتے ہوئے) ''جی اچھا۔ ابو۔ جی اچھا''

فیضو نواب : (چہرے کے آگے مُکّا تان کر) ''سمجھا! حرامزادے'' ہفتم پوری طرح ہتھیار ڈالتے ہوئے ''جی ابو۔ میرا باپ توبا کرنا۔'' (فیضو نواب زیادہ ہی طیش میں آکر مکا لہراتے ہوئے) ''ہاں ہاں تیرا باپ بھی جوتیوں سے توبا کرنا'' (ہفتم مزید پسپا ہوتے ہوئے ہچکیوں کے ساتھ) ہو۔ میرا باپ جوتیوں سے توبا کرنا ''فیضو نواب چلاکر ''حرامزادے'' ہفتم جی ابو۔'' بی جان بی دوڑ کر ہفتم کو کھینچ کر دوسرے بچوں میں ڈھکیل دیتی ہیں۔ ''ناک۔ رگڑ۔ ابو کے پاؤں پڑ'' سوال جواب سوال جواب۔ نکما، ارے وہ ششم مردے پڑ جا ابو کے پاؤں میں'' (ششم سہم کر باپ کے پانو پکڑلیتا ہے۔ جسے ڈھکیل کر فیضو نواب سوراخ کے پاس آتے ہیں۔ جس کے مونھہ پر ایک ننھا سا خوبصورت پِلاّ بیٹھا محبت طلب نظروں سے دیکھتے ہوئے دُم ہلا رہا ہے۔ فیضو نواب کڑک کر) ''گھس لیا۔ اِنے بھی گھس لیا'' (نہم دوڑ کے آکر اٹھا لیتا ہے) ''ابو...... ابو...... بِلّی...... بِلّی'' فیضو نواب نرم پڑ کر۔ ''اچھا پال لے۔ بی جانی۔ فوراً ان منحوس کھلونوں کو چھپادیو...... اور سوراخ بند کردیو...... (ہفتم کو مخاطب کرکے) اِدھر آرے عمر و عیار مار سو بیٹھک!! اچانک دروازے پر تیز کھٹا ہوتا ہے۔ پوروں کے چہرے اُتر جاتے ہیں۔ بیگم بے سانپوں کو اور نہم کتے کو لیجا کر چھپادیتے ہیں۔ فیضو نواب ''اللہ تو خیر کر''......دروازے پر جاتے ہیں)

ڈاکٹر شرما : سید بھائی...... سلام علیکم۔ معاف کیجئے کیا میں آجاؤں! میرے ساتھ دو آدمی بھی ہیں۔ (نمستے کے انداز میں ہاتھ جوڑتے ہوئے)

فیضو نواب اور بی جان بی ! ایک ساتھ کھوکھلی آواز میں) جی تشریف لایئے ڈاکٹر صاحب آپ کا گھر ہے۔ آیئے تشریف لایئے۔ بلا لیجئے ان آدمیوں کو بھی۔

ڈاکٹر شرما : رات کیسی قیامت بن کر گزری۔ دیکھا نا آپ نے

فیضو نواب : (ہکلاتے ہوئے) ج۔ج۔جی۔جی ہاں۔۔۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیسے بتاؤں۔

ڈاکٹر شرما : (جلدی سے) آپ کیا بتائیں گے۔ مجھے سب پتہ ہے۔ ڈاکٹر ہوں حجام نہیں ہوں۔

فیضو نواب : بی جان بی!! (ایک ساتھ) ہماری کیا مجال ڈاکٹر صاحب آپ کے سامنے مونہہ کھولیں یقیناً۔ آپ سب کچھ جانتے ہیں سب کچھ سمجھتے ہیں۔ ہم بد نصیب!!

ڈاکٹر شرما : اب کچھ مت بولئے۔ ایک موذی جانور کی موجودگی۔ غیر محفوظ دیواریں۔ دروازے اور کھڑکیاں ...... مجھے اپنی کھڑکی بند کرتے ہوئے خیال آیا۔ بچوں والا گھر۔ کیا گزری ہوگی رات بھر آپ سب پر......؟ یہ ایک الیکٹریشن ہے اور وہ پلمبر...... یہ آپ کے گھر میں بجلی کی لائین فٹ کر کے بلبس لگا دے گا...... اور وہ مشتبہ مقامات پر پلیٹس اور جالیاں (دونوں کے مونہہ دہشت زدگی کے ساتھ کھل جاتے ہیں) نہیں نہیں......آپ کوئی فکر ہر گز نہ کریں۔ آپ جملہ چار بلب جلائیں گے۔ اور دوز یرو نمبر نائٹ بلب۔ شام چھ بجے سے صبح چھے بجے تک......آپ کے اس "گڑیا گھر کو لائیٹ" آپ کی ڈاکٹر اماں دینگی۔ آخر زچگیاں کروائی ہیں۔ ممتا کب دکھائینگی؟

فیضو نواب : (بڑی عاجزی سے) میں سمجھا نہیں کیا آپ کر کیا دے رئیں ڈاکٹر صاحب!! کیا بجلی کے بغیر جیتے نہیں؟

ڈاکٹر شرما : ...... جیتے ہیں۔ کیوں نہیں جیتے۔ جیتے ہیں جیتے آئے ہیں۔ لیکن اس محلے میں سوائے آپکے غریب و امیر ہر گھر میں لائیٹ ہے۔ (فیضو نواب وفورِ جذبات سے دونوں ہاتھ پکڑ لیتے ہیں۔ بی جان بی دو ہاتھ دعا کو اٹھادیتی ہیں۔ بچے سارے دھوم مچاتے ہیں۔ "ڈاکٹر چاچا لائیٹ لاکے دئے۔ ڈاکٹر چاچا۔") آپ پڑوسی ہیں ہمارے۔ بڑا حق ہوتا ہے پڑوسی کا۔"



(چھ گھنٹوں کی آواز کے ساتھ ہی گھر کے سارے بلب جل اٹھتے ہیں اور تمام بچوں کی حیرت انگیز چیخ "یاہو" ......کھڑکی میں مسز اور ڈاکٹر شرما کھڑے ہیں۔ اور دیکھ دیکھ کر مسکرارہے ہیں۔ رنگیلا زبردست چیخ مارتا ہے۔ جھانپ کی چھت پر کڑکڑاتے ہوئے گھومنا شروع کرتا ہے جیسے ناچ رہا ہو۔ سوم تا نہم سارے بچے گانے اور ناچنے لگتے ہیں ان کے ساتھ کُتے کا پلّا بجلی بھی ناچ رہا ہے۔ یکم الف بے و دوم الف بے تالیاں بجارہی ہیں۔ ہشتم بے اور الف بغلی تال کے ساتھ رقص کررہے ہیں)

یاہو...... تاراری آراری آراری۔ تارم پم تارم پم تارارم پم

گھر میں ہمارے کتنی پیاری روشنی
چھن چھن کر آئی ہے جیسے چاندنی تارم پم تارم پم تارم پم تارارم پم
تھینک یو ڈاکٹر انکل۔ میڈم آنٹی تھینک یو بولے دل یہ جھوم کے لو یو ڈارلنگ وِی ٹو
دل دھڑکے دھم دھم دھم اور ناچیں ہم چھم چھم چھم
تارم پم تارم پم تارارم پم ۔ تاراری آراری آراری......

(دونوں میاں بیوی خود فراموشی کے عالم میں بچوں کی بے پناہ خوشیوں سے محظوظ ہورہے ہیں۔ اچانک پچھلی دیوار سے ریکارڈ شروع ہوتا ہے۔

"آنا میری جان میری جان سنڈے کے سنڈے!
آنا میری جان میری جان سنڈے کے سنڈے")



(تقریباً تین اور چار بجے شام کے درمیان کا وقت ہے فیضو نواب کے گھر پر زبردست کھٹکا ہوتا ہے۔)

آواز : (کڑک کے ساتھ) خو...... کوئی ہے بھایا۔ دروازہ کھول دیو نئی تو ہم توڑ ڈالے گا۔" (وقفہ۔ بچے ادھ کھلی کھڑکی سے جھانکتے ہوئے کچھ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں) سائی یدّ باہر نکل۔ ہم بولتا ہے بچہ۔ پھٹ سے باہر آجائی تو اندر گھس کر ٹیٹوا مروڑ ڈالے گا۔ مُرگی کا بچہ۔

کیم الف : (کھڑکی کے پیچھے سے) چاچا۔ ابّو اور امی گھر پر نہیں ہے۔

پٹھان : خو...... وہ کہاں سے ہوئے گا گھر پر؟ ہم کو دھوکہ دے کر تمارا باپ عورت کو لیکر ہنی مون منانے گیا۔؟ یہ کیا؟ اوس کا شیروانے...... اوس کا چھاتا۔ اوس کا کھانے کا ڈبا۔ ہم نئی دے گا۔ ہم کچھ نئی دے گا۔ ہہ۔ ہاں۔

بچے : (پریشان ہوکر) چاچا۔ کیا ہوا ہمارے ابّو کو...... ابّو تو ابھی دفتر سے آئے ہی نہیں

پٹھان : خاو۔ وہ اب آئے گا لی نئی۔ وہ ابی آئے گا لی نئی۔ رات کو۔ اندھیرے میں گھسے گا گھر کا اندر۔ (بچے تلتلا کر رونا شروع کردیتے ہیں) ہم یاں...... سب کا سامنے۔ اِس در پر بیٹھ کر اُس کا انتظار کرے گا۔ (اشاروں کے ساتھ) اُوس کو گردن سے پکڑ کر لٹکائے گا۔ بچہ لوگ سیدھا راستی سے بلاؤ تمارا اماں کو ہم سے بات کرے۔ نئی تو ہم اب اچ سارا پبلک اکٹھا کرے گا اب اچ ...... اسی در پر یاں۔ یہ دیکھو اوس کا کپڑا چھاتا ڈبہ یہ دیکھو اس کا شروانے۔ ٹوپے۔ (بچے روتے ہوئے) چاچا تم کیوں ہمارے ابّو کو......

یکم الف اور بے : (سختی سے) چپ کرو (پٹھان سے) خان چاچا بستی میں دنگامت کرو (دونوں ہاتھ جوڑ کر) "تم یاں اندر بیٹھ کر انتظار کرو۔ ہمارے امی ابّو غریب لوگ ہیں لیکن شریف ہیں عزت دار ہیں۔"

خان : (اندر گھستے ہوئے) گھریب تو ہے اچ مگر شریف نئیں۔ بد معاش ہے۔ عزت دار نئی ...... ہر گز نئی عزت دار۔ ڈاکو ہے ڈاکو۔ بہوت بد معاش!! شیطان کا چاچا۔ ہم کو دیکھ کر میز کے نیچے چھپ گیا۔ شیروانی کا گرا ہوا کونہ دیکھ کر ہم نے ہاتھ مارا۔ بولا "ہم تمارا کپڑا نئی چھوڑے گا جب تک تم بھار نئی نکل آئے گا۔ اور بھار نکلے گا تو تمارا گردن۔ مُوٗلی کا مافق توڑ ڈالے گا (بچے مونہہ کے سامنے پریشان دست بستہ کھڑے گھگھیا کر رورہے ہیں) شیطان کا چچہ۔ تم نے ہمارا سو روپیہ ...... پورا سو روپیہ مع سود ہڑپ لیا ہے (انگلیوں پر حساب کرتے ہوئے) سو روپیہ اصل پے بیس روپیہ مہینے منافع۔ آٹھ مہینے کا باقی ہے۔ خالی گیارہ مہینے دیا ہے باس!! ملعون۔ شداد لعین۔ شیطان کا تخوم۔ میز کے نچّے ای نچّے شیروانی کے اندر سے نکل کے بھاگ لیا۔ ہم فرشتہ کا مافق چوپ چاپ دم سادھے میز کے پیچھے شیروانی پکڑ کے بیٹھا رہا ٹھیک اجے سے تین بجے تک۔ دیکھو دیکھو یہ ٹوپے چھوڑا۔ یہ چھاتا چھوڑا۔ کھانے کا ڈبا چھوڑا۔ اور ہم کو بی جھک مارنے چھوڑا۔ ہمارا واسطے۔ اللہ اکبر۔ شیطان کا چاچا۔ ہم سے دلگّی کرتا ہے"

ہفتم : (عاجزی سے) "چاچا۔ چاچا۔ آپ ہمارے ابّو کو چھوڑ دیو۔ ہم بڑے ہوکے آپ کا سارا پیسہ"

پٹھان : (ایک زبردست چیخ خُو، مار کر) "خو...... برادر...... ہم مافی چتا ہے۔ ہم کوئی اوس کا پدر ہے۔ ہم اس کا عم ہے۔ کیا ہم اس کا ہم زلف ہے۔ کوئی بھی نئی لگتا نا...... ؟ (بچے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں) ہم اس کا گردن توڑ کے چھوڑے گا۔ ہم کو

(لپک کر کونے میں دھری کرسی پر کپڑے اور سامان فرش پر پٹخ کر کرسی کو جھٹکے سے کھینچ کر ہال کے درمیان میں لا دھرتا ہے اور آستین چڑھا کر ڈنڈا سنبھال کر زور دار جھٹکے سے کرسی پر بیٹھ جاتا ہے ساتھ ہی زبردست چیخ کے ساتھ ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے "دوہری تہہ" Double fold کی حالت میں نیچے تک اتر جاتا ہے اور اس کُشن پر ٹک جاتا ہے جو اس کے بیٹھنے کے ساتھ ہی ستلی اور دھاگوں کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی نیچے گر پڑا تھا۔ بچّے دم بخود حیران و پریشان ہوکر معاملے کو سمجھنے کی کوشش کرتے ہوئے اطراف جمع ہوجاتے ہیں۔)

پٹھان : (گھٹی گھٹی آواز میں) "یا نے۔ شیطان کا تخم۔ سانپ کا بچا سنپولا۔ ہم سے دلگی کرتا ہے۔ دیکھتا نئ ار۔ ارے رے۔ ہم پھنس گیا۔ ہم اندر دھنس گیا۔ (آواز سے بتدریج شکست خوردگی کا احساس ہونے لگتا ہے) خُو۔ ہم چھوڑے گا نئ۔

ہفتم : (ناچنے والے انداز میں چڑھاتے ہوئے) ہم گردن توڑ ڈالے گا۔ ہم چھوڑے گا نئ۔

یکم الف : (روتے ہوئے) ارے انکل۔ وہ چیر بیٹھنے کی تھوڑی تھی۔ ستلی گوندھ کر رکھ چھوڑے دکھانے کو۔ گھر میں ایک کرسی دِکھنا بول کے۔

دوم بے : "دادا جان کی کرسی ہے بول کے"

یکم بے : "آپ ناحق تو بی بیٹھے جی...... پوچھا بھی نئ" اتنی تیزی سے کہ ہم سمجھے بی نئ۔"

پٹھان : "بچہ لوگ ذرا جسم کے ہاتھ ہٹاؤ۔ ہمارا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچو۔ میخ کا موافق"

(خان بڑی مشکل سے کہنی تک ہاتھ اٹھاتا ہے۔ دونوں جانب چار چار بچے مل جل کر کھینچ کر نکالنے کی ناکام کوشش کرتے ہیں۔ جنبش تک نئی ہوتی۔ خان بھی دم دم ہوکر) "بچہ لوگ۔ جا کر بھار سے بڑا آدمی لوگ کو پکڑ کے لاؤ"۔ بچے گڑگڑا کر رونے لگتے ہیں۔ یکم الف روتے ہوئے جواب دیتی ہے "نئ چاچا نئ۔ صرف سو روپے کی خاطر آپ نے ہمیں بستی بھر میں ذلیل کر دیا۔ ہماری عزت اتار دی۔ اب ہم باہر کون سا مونہہ لے کر جائیں؟ کس مونہہ سے بلائیں؟ ذرا پاس نہ کیا۔ دن پلٹتے دیر نہیں لگتی۔ حالانکہ سو روپئے اصل پر دو سو بیس روپے منافع لے لیا۔ پھر بھی ابّو کے کپڑے اتروا لئے۔ ننگا کر دیا۔ وہ بڑے شرم والے ہیں۔ کچھ کر لیں گے تو ہم کہاں جائیں گے۔ کون پالے گا ہمیں؟ اب کس مونہہ سے اڑوس پڑوس سے بات کریں گے؟ نئ چاچا ہم باہر نئ جائیں گے۔" تمام بچے "ہم ہرگز باہر نئ جائیں گے۔"

پٹھان : پھر ہم کیسے باہر نکلے گا؟

ہفتم : وہ آپ کا پرابلم ہے۔

دوسرے بچے : ابّو کو آنے دو۔ ابّو کا انتظار کرو۔

پٹھان : (گھڑی دیکھ کر) ابی تو صرف ساڑھے چار بجا ہے۔ تمارا باپ آئے تک ہم خلاص ہو جاتا۔ جاؤ بچہ لوگ کچھ کرو۔

ہفتم : (چٹکی بجا کر) فارمولا فارٹی فور۔ ہمارے دماغ میں ایک ترکیب آئی ہے۔ ہم نے ایک پکچر میں دیکھا ہے۔

پٹھان : او برادر! تیرا تدبیر پر جلدی عمل کرو ورنہ ہم خلاص۔ ہم جوتا سے توبا کرے گا اب تُمارا باپ کو کبھی نئ پوچھے گا...... کبھی نئ۔

(ہفتم کچھ کہتا ہے تمام بچے کان لگا کر سنتے ہیں۔ پھر کرسی کو ڈھکیلتے ہوئے دیوار تک لیجاتے ہیں۔ جہاں ایک مضبوط ستون ہے اور "یا علی مدد" کہتے ہوئے بائیں پہلو پر گرا دیتے ہیں۔ پٹھان کے مونہہ سے چیخ نکل جاتی ہے۔ "ربا...... ہمارا حفاظت کر" ہفتم پٹھان سے کہتا ہے "انکل تھم کو مضبوطی سے پکڑ لو۔ ہم جیسے جیسے ڈھکیلتے ہیں۔ آپ تھم کی مدد سے باہر نکلنے کی کوشش کرو۔" یکم الف اور بے کرسی کو دبا کر پکڑ لیتی ہیں دوم الف اور بے ہاتھ پکڑ کر باہر لینے زور لگاتی ہیں سوم چہارم پنجم ششم اور ہفتم۔ دیوار پر پیٹھ جما کر لاتوں سے پٹھان کے جسم کو باہر ڈھکیلنے پوری طاقت لگا دیتے ہیں۔)

ہفتم : چاچا بائیں ہاتھ سے کرسی کے بائیں دستے پر زور ڈالکر سیدھے ہاتھ سے کرسی کو پیچھے Push کرو۔ Means پیچھے ڈھکیلو جی۔

پٹھان : (کھڑے دردناک لہجے میں) بچہ لوگ جم کے ڈھکیلو! (پیچھے والے بچے جم کر لاتیں لگاتے ہیں) بی بی لوگ۔ جم کے کھینچو!! یا الٰہی...... شیر خودھا...... مادڑ!

(دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ شروع ہوتا ہے "زور لگا کے ہیاء۔ جان لڑا کے ہیاء"

سوئی اٹک جاتی ہے۔ ہیاء ہو۔ ہیاء ہو زور لگا کے جان لڑا کے

سارے بچے ہیاء ہو۔ ہیاء۔ ہیاء۔ ہیاء۔ دفعتاً ایک زبردست جھٹکے کے ساتھ پٹھان کرسی کے فریم سے بے سدہ ہوکر باہر گر پڑتے ہیں۔ ساتھ ہی تمام بچے اپنی اپنی جگہ بے سدہ ہوکر گرجاتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی برقعے میں ملبوس بی جان بی اندر داخل ہوتے ہی اپنے ہی پاؤں پر وحشت زدہ گھوم جاتی ہیں۔ انتہائے بدحواسی اور خوف کے ساتھ پٹھان کے اوپر جھک کر "ائی اللہ۔ یہ سب کیا ہو کے اجڑا ہے اے؟ ائی۔ یہ خان صاحب کون؟" پچھلے پاؤں دروازے کی جانب بھاگتی ہے۔ "اوئی اللہ" خان پوری کوشش سے سنبھل کر ہانپتے اور لڑکھڑاتے ہوئے کھڑا ہوجاتا ہے۔

پٹھان : !! بی بی۔ اوبی بی۔ او سید انی بی بی۔

بی جان بی : "ائی نوج۔ مٹی پڑو۔ نامحرم سے میں کیا بات کروں" (بی جان بی ٹھٹک کر مونہہ پھیر کر کھڑی ہوجاتی ہیں) "کون ہیں یہ...... ہمارے گھر میں کائی کو آئیں یہ!" پٹھان۔ "او خواہرہ...... تم ہمارا چھوٹا بھین۔ ہم گل کھان...... تمارا آدمی سے اپنا پئی سا "او سول" کرنے آیا تھا۔ اب ہم تمارا آدمی کو نئی پوچھے گا۔ ہرگز نئی پوچھے گا۔ (سامنے آکر انگلی کھڑی کرکے جتاتے ہوئے) اگر پوچھا تو ہم پلید ہمارا پدر پلید...... کھدا حافظ......!! (اپنا ہی جوتا نکال کر توبہ والے انداز میں دونوں گالوں پر مارکر) "خدا حافظ بچہ لوگ۔ ہم تم کو کبھی نائی بھولے گا۔" (کہتے ہوئے لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے باہر نکل جاتا

ہے۔ بچے آہستہ آہستہ اٹھ بیٹھتے ہیں۔ پلنگڑی پر گاؤ تکیے کے اوپر شیروانی اور ٹوپی اس انداز میں پڑے ہیں جیسے کوئی سر جھکائے بیٹھا ہو اور سامنے ٹفن کیریر رکھاہوا۔ اندھیرے گھر سے کسی عورت کے بے بسی سے رونے کی آواز ابھر رہی ہے۔اندھیرا گہرا ہوگیا ہے۔ روشنی کسی نے نہی جلائی ہے۔ سارے خاندان پر مردنی چھائی ہوئی ہے جیسے سارا ماحول ہی اپنے آپ سے شرمندہ ہو۔ یکم الف ٹٹولتے ہوئے اٹھتی ہے اور ''امی! میں کم از کم قندیل جلالیتی ہوں تاکہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی دے'' لالٹین جلا کر اسٹول پر رکھتی ہے۔ منظر واضح ہوتا ہے کہ ماں اور بچے دیوار سے لگے سہمے ہوئے دم بخود بیٹھے ہوئے ہیں۔ گھڑی بارہ بجاتی ہے)

نہم : (منانے والے انداز میں) امی۔امی۔اجی امی۔بابانئی آئے۔تو سُن جی؟ بابانئی آتے اب؟

بی جان بی : (چونک کر گال پر چانٹا مارتے ہوئے) کم بخت۔آدھی رات ہے نیک فال نکال مونہہ سے!!

یکم بے : مگر امی......آدھی رات گزر گئی۔بابانئی آئے کہیں بے عزتی کی تاب نہ لاکر کچھ کرلیانہ ہو......؟آج تو سارے کا سارا محلہ اپنے سے کٹ گئے جیسادِکھ رائے۔

نہم : (روتے ہوئے) بابانئی آئے تو ہم بھوتے اچ سو جائیں دے۔ہاں۔!

بی جان بی : (بچے کو گودی میں دباتے ہوئے) عمر ساری بھوکوں مروگے۔(دوسرے بچوں سے) بچو! انوں قرض لئے ہمارے لئے۔انوں اذیتاں جھیلے ہمارے لئے! آج ان کی یہ حالت ہوئی۔

تمام بچے : صرف اور صرف ہمارے لئے۔

بی جان بی : ہاں بچو!! اللہ اسکے حبیب کے بعد ان کے سوائے کوئی میرا نہ تمارا۔بس دعا کرو بچو! وہ کچھ کرنہ بیٹھیں۔سلامتی سے آئیں۔(بھبک بھبک کر روتے ہوئے) اللہ! ہماری اتی بے عزتی تو کبھی ہوئی بی نئی اور وہ سہتے بی نئی۔(دوہاتھ اونچے اٹھاکر) اللہ انھوں کچھ کرلئے تو ان کا ان سارے بچوں کا میرا خون ناحق خان کے گردن پو ہونگا......اللہ۔بچا ہمارے پالن ہار کو بچا۔ اللہ میرے چھوٹے چھوٹے بچیاں بے موت مر جائینگے۔

یکم الف : (ناراضی سے) امی۔نیک فال نکالو نہیں تو چپکی بیٹھو۔

بے : چلو! سب مل کر دعا کریں گے۔

سارے بچے : اٹھو۔ چلو۔ ای۔ ای ...... چلو قبلے کو مونہہ کرو۔ (تمام بچے ڈل ڈل دونوں ہاتھ دعائیہ اٹھائے ہوئے) "جل تو جلال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو ساری بلا کو ٹال تو ستر بلا کو ٹال تو جل تو جلال تو۔ آئی بلا کو ٹال تو۔ جل تو جلال تو ' جل تو جلال۔ جل تو جل۔ جل تو۔ جل جل (خُرخُر) بچے وہیں کے وہیں سوجاتے ہیں۔ ان کی درد ناک تھنڈی سانوں کی لئے پر بی جان بی زار و قطار روتے ہوئے محوِ دعا ہیں۔

"غریبوں کے والی۔ غلاموں کے مولا۔ اے سمیع" بصیر۔ ان معصوم چیاں کا ایک اچ سائبان۔ ان کا باپ ہے۔ اے رحیم و کریم۔ انو جاں کئی بھی ہیں۔ سیدھی سلامتی سے واپس لادے۔ رہتا۔ میری بھی عمر اُن کو دیدے۔ یااللہ! سو کھانے والے مرکو جانا پر ایک کھلانے والا نئی مرنا...... میرے بچوں کے سر پے ان کو ہمیشاں ہمیشاں سلامت رکھ۔ سلامتی سے لالے۔ آمین ثم آمین

(بتدریج ایک دو۔ اور پھر تین گھنٹے بجتے ہیں۔ کھڑکی پر مدھم سا کھٹکا بار بار ہوتا ہے)

بی جان بی : (دعا ختم کرکے جلدی سے) کون۔ کون جی!!

فیضو نواب : (انتہائی مایوس اور پاش پاش آواز میں) دروازہ کھولو جی مئی اچ ہوں۔

(بچے سارے جاگ پڑتے اور ابو ابو چلّاتے ہوئے پھدکنے لگتے ہی۔ جیسے دانہ لانے پر چڑیا کے بچّے) "ہفتم۔ ہفتم۔ ذرا بدنے میں پانی لیکو آباوا......"

بی جان بی : اجی آپ اندر تو آؤ...... آؤ نا۔

فیضو نواب : بیگم دو روپے تو بھجواؤ پہلے۔

بی جان بی : دو...... رو...... پے۔ ہاں اچھا جی۔

نیم الف : (اپنے ڈبے میں سے نکال کر گن کر دیتے ہوئے) لیجئے ابو۔ ایک روپیہ پچاسی پیسے۔

فیضو نواب : (دہلیز کے اوپر کھڑے ہوکر چادر کسی کو دیتے ہوئے) لیجئے سائیں بابا ایک روپیہ پچاسی پیسے۔

سائل : کیا جی۔ اتنی دور تک چلا کے لالے کے الٹے پندرہ پیسے کم اچ دے رئیں۔

بی جان بی : ارے نہم کے جیب میں چوئی دیکھو...... ہاں! اے لو جی۔ یہ چار آنے دے دیو۔ دس پیسے زیادہ سہی۔

سائل : اچھا! بھائی ہم جاتیں۔ سلام۔

(فیضو نواب ہفتم کے ہاتھ سے پانی کا لوٹا لے کر باہر پاؤں دھوتے ہیں ۔ بی جان بی "کیا ہوا جی۔ پاؤں کو ؟ کس کے پاؤاں دھورئیں" فیضو نواب جواب دیتے ہیں "بیگم بس اپنے اچ پانواں دھویا۔ ننگے پاؤں آیا نا۔ پانوں کٹ لی گیا۔ گندگی بھی لگ گئی تھی" اندر آتے ہیں اور دلخراش لہجے میں ۔ آدمی ہو رنج کا خوگر تو مٹ جاتا ہے رنج۔ مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہوگئیں...... جانی!!)

بی جان بی : یہ سائیں کون تھا۔ کیوں آیا تمارے ساتھ !

فیضو نواب : مئی تو حسین ساگر پے جاکے بیٹھ گیا تھا ڈوب کو مرنے۔ یہ بول کے کی۔

آہ...... ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرقِ دریا

نہ کبھی جنازہ اٹھتا، نہ کہیں مزار ہوتا بول کے۔

انوں وان اچ آواز لگاتے بیٹھتیں۔ "ڈوب کے مرنے والوں۔ مرنے سے پہلے جو کچھ ساتھ ہے دان دیدو...... تمارا وزن بھی ہلکا ہوں گا۔ نیکی بھی اُس دنیا میں کام آوے گی۔ اور تقریباً ہر دوسرے تیسرے دن کافی تگڑی نقدی زیور گھڑی جوتے جمع کرلیتیں یہ ہفتے ان کو کوئی اچ نئی ملا...... ایک مئی آیا تو پیچھے پڑگئے۔ میں بولا ہے سو دو کپڑے پرانا پاجامہ پھٹی قمیض۔ اپے جھٹک کو دیکھ لیو کچھ ہے تو لے لیو...... تو بولے لعنت تجھ پر اتنا کنگال مریں گا تو لاش لاوارثوں میں ڈال کر جلادی جائینگی...... مجھے بڑی شرم آئی۔ تم لوگاں کو میرا اتہ پتہ نہ ملا (پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے) تو تم لوگاں کیا کریں گے ؟ کون تم سوب کو سہارا دے گا۔ سچی جانی...... اولاد کی لاگ بڑی سے بڑی ذلت برداشت کرلینے کی تاب پیدا کردیتی ہے جی۔ بھری بستی میں ننگے سر ننگے پاؤں کیسا آتا ؟ دو روپیہ کرایہ بات کرکے ان کی چدّر لی سو انوانچ ساتھ آئے ان کو اچ پیسے دیئے۔"

(تھکے ہارے پلنگڑی پر بیٹھ کر پرانی دھجیوں سے پیر کے زخم صاف کرتے ہیں)

کیم الف : ہائے رے اللہ۔ ابوؔ آپ کا جوتا کہاں گیا ؟

فیضو نواب : (لانبی سرد آہ بھر کے) عین معائینے کے وقت خان جیسے ہی جھپٹا۔ میں اسی میز کے نیچے شیروانی چھتری اور ڈبّہ چھوڑ کر رینگتا ہوا باہر نکل گیا۔ سوچا تھا سب لوگ سمجھا دیں گے۔ خان چلا جائے گا بات دب جائے گی تو دامود ھر کو بول کے شیروانی چھتری اور ڈبّہ منگوالیکے گھر آجاؤں گا۔ جتنے لوگ بھی ان افغانیوں کے قرض دار ہیں۔ ان کے ساتھ سوب چلتا رہتا ہے۔ ہر کوئی وقت پر دوسرے کے کام آجاتا ہے درجۂ سوم اور چہارم کے لئے کوئی نئی بات اچ نئی ہے بول کے...... لیکن یہ خبیث تو بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا بول کے...... ارے

صرف سو روپوں کی خاطر سب کچھ لے کے چلے گیا۔ اتنا ذلیل کر دیا ۔ ادھر میں لوگوں کی نظروں سے بچتا بچاتا مسجد پہونچا۔ سوچا۔ اک زمانہ ہو گیا۔ ذرا عصر مغرب عشاء پڑھ لیوں۔ جوتے پائنتی اچ رکھ کے پڑھا ہوں نمازیں...... جو عشاء کے بعد دیکھتا ہوں جوتا بھی غائب! (سسکیوں کے ساتھ روتے ہوئے) کیا جی مستعملہ جوتا بھی نئی چھوڑے۔

بی جان بی : بچو روؤ جی...... صبر کرو۔

یکم دوم اب : ابّو...... پیارے ابّو صبر کرو ابّو......

فیضو نواب : چار پانچ مہینے کو کافی تھا۔ اب کیا کروں...... کیسے جاؤں گا دفتر۔

ہفتم : (جھٹ سے قریب آکر !) ابّو...... ابّو۔ وہ پرانا جوتا نا...... ابھی بلدیہ والے آئے بھی نئے لے گئے بھی نئی...... وہیں اچ کچرے کی کونڈی کے پاس...... پڑا ہے۔ لا لیوں ؟

فیضو نواب : (جیسے کوئی بہت قیمتی شئے مل گئی ہو) ابھی تک ؟...... لا لے بیٹا لا لے۔ لے میں پردے کے پیچھے کھڑے ہوتوں۔ تو ڈر مت۔ لا لے (ہفتم چپل پہن کر رپٹ کر باہر نکلا چاہتا ہے کہ فیضو نواب پکڑکر) دیکھ بیٹا۔ کوئی پوچھے تو بولنا پانچ روپے کا نوٹ گر گیا ہے ڈھونڈ رہا ہوں...... ہاں"

(فیضو نواب پردے کے پیچھے سے بے چینی کے ساتھ جائیزہ لے رہے ہیں چند ہی منٹ بعد ہفتم دونوں جوتے اٹھا لاتا ہے فیضو نواب "لا بیٹے لا۔ جوتے دے" (بی جان بی راحت کی سانس لیتے ہوئے) "شکر ہے!!! اچھا ہوا جو بلدیہ والے مہینوں نئی پھکتے بڑا اسہارا ہو جاتا ہے غریبوں کو ان بلدیہ والوں کی کام چوری کا" فیضو نواب دونوں جوتے ہاتھ میں لئے غسل خانے کی جانب جاتے ہوئے دونوں ہاتھ اس طرح پھیلا دیتے ہیں جیسے صلیب کی ترجمانی کررہے ہوں اور بے حد درد کے ساتھ !! "کیا وہ نمرود کی خدائی تھی۔ بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا"!! آہ۔ بندگی میں میرا بھلا نہ ہوا۔ بھلا نہ ہوا۔ لفظ بھلا نہ ہوا کی تکرار کے ساتھ شور ماتم ۔ گویا کھوّل کھوّل کر گھٹتے ہوئے گھٹے جذبات کی ترجمانی ہو ۔ ننھے ننھے بچوں کی معصوم آواز ۔ "نعوذ باللہ ۔ واستغفراللہ اِنّ اللہ غفورُ الرّحیم"



(روشنیوں کے گھٹتے بڑھتے دائرے ، درختوں کے بدلتے ہوئے رنگ پھول پھل اور پت جھڑ دو موسموں کی تبدیلی کی ترجمانی کرتے ہیں ۔ خوشگوار موسم اپنی جھلک دکھا رہا ہے ۔ صبح سویرے ۔ بی جان بی فرش کے ایک حصے میں بڑی چوبی کشتی میں بڑے بگونے

چمچے اور کچھ برتن لئے بیٹھی ہیں)

بی جان بی : سوم چہارم۔ برتن دُھل گئے تو لالیو۔ ساتھ میں دوٹرے بھی!

پنجم الف : کیاآج پھر حصے بھیجنے ہیں؟...... ابھی اسی وقت۔

بی جان بی : ہئو۔ ہئو۔ لے لیکو آؤ نا...... شام کا کام گل پوشی کے وقت زیادہ ہے۔ کس کو بھی ہوش نئی رہتا۔ اس واسطے کوئی بھی چیز پڑی رہ کو خراب ہونا اچھی بات نئی۔ باسی چھنا نئی بنتا کھانا نئی۔ ہاں۔ دوم ذرا وہ شیر خرما سیٹ والا بکسا تو لالینا۔"

(لڑکیاں برتن لے کر آتی ہیں۔ بی جان بی خُشک کپڑے سے کشتی اور برتن صاف کرتی جاتی ہیں کہ دوم الف ڈھائی فیٹ لانبا سوا فیٹ چوڑا سوا فٹ اونچا ٹین کا ٹرنک اٹھا کر لاتے ہوئے) اے ہے! امی جان! میٹھے کے برتنوں کا صندوق تو خالی پڑا ہوا ہے۔

بی جان بی : (ٹوٹا ہوا قفل اور خالی بکس دیکھ کر حیران رہ جاتی ہے) ائی اللہ۔ مٹی پڑکے جاؤ۔ نہ چمچہ نہ تھالی۔ اس میں پورے چار "سیٹاں" تھے ناری۔ دو دو شیر خرماسٹ۔ دو۔ دو آئسکریم سیٹ۔ اری او۔ ب!! مال زادی۔ ذرا ذرا کر کے تم دونوں لونڈیوں کے جہیز کے لیے جمع کرری تھی ناری (تقریباً روپڑتے ہوئے) کیا کرریاں ریاں؟ کیا گھگھیاں والوں کو ڈال دیکے گھنگھنیاں کھائیاں گے؟ کیا چاٹنے والے کو دیدیکو چاٹنا چاٹئیں گے ...... (زمین پر پئے بہ پئے ہتھڑ مارتے ہوئے) مرجاؤ تم دونوں ...... اللہ کرے مرجاؤ تم دونوں ...... تماری جوانیاں جاکو جنگل بسو...... کیا کیا مشکل سے کما کو لاتا ہے رِیّاں وہ مردا...... ذرا تو دردا کرتیاں ...... کئیسا۔ کئیا پیٹ کو کاٹ کاٹ کو تمارا جہیز سینت رئیاں رے ہم دونوں ...... یکم الف اور بے (پاگلوں کی مانند دوڑتی چلی آتی ہیں) امی ...... امی ...... ذرا صبر کرو۔ امیٔ اللہ قسم ہم نے انگلی نہیں لگائی۔ امی ......آپ دونوں کے قدموں میں گڑ جانا ہم کو منظور امی۔ اگر ہم عمداً آپ کا دِل دکھائیں (دونوں ماں کے پیروں میں گرجاتی ہیں) امی آپ ہمارا یقین کرو۔

نہم : (کھیل چھوڑکر اٹھ کر آتا ہے) امی۔ امی۔ امی سنو نا! (کرتا اٹھا کر چڈی کی بِلٹ میں ٹھونسنے کا اشارہ کرتے ہوئے) ایسا...... ہفتم نا...... چیزاں رکھ لے کے جاتا ہے اور بستے میں بی رکھ لے کے...... جاتا ہے۔

بی جان بی : (سکتے کے عالم میں) کون ہفتم...... اتا بڑا کام کر دیا؟ مٹی پڑ کو جاؤ ہفتم پو۔ کچھ نہ کچھ کارستانی کرتا چ رہتئیاء...... حرامزادہ بھانوں کا جہیز بیچ بیچ کو پکچراں مار دیائے۔ پکڑو

حرامی کو۔ (جھپٹ کر سر جھکاکر بیٹھے ہوئے ہفتم کو دبوچ لیتی ہے اور چپل سے مارنا شروع کرتی ہے) بول ماٹی ملے۔ بول رے دشمن...... کہاں لے گیا گھر کا سامان بول...... نئی تو مار مار کے بوٹیاں چیل کوؤں کو کھلا دیؤں گی ......بول۔

ہفتم : (مونہ پھاڑکر روتے ہوئے) حفیظ چاچا سائیکلاں والے لیکا کو دیئوں بولے تو لجا کے دیا

لی جان لی : کون! حفیظ بھائی! جھوٹے حرامزادے وہ ایک شریف عزت دار آدمی ہیں۔ ان کے بچپن کے دوست ہیں۔ کیا کمی ہے اُن کے پاس مال دولت کی جو دوسروں کے گھر میں چوریاں کرائیں گے ؟ میں ابی اچ پوچھواتی ہوں۔

ہفتم : امی...... ہم نئی لیتے بولے بھی تو اُنوں ہم کو ایک ایک روپیہ دیتے۔ سینما دیکھ لے پھلی کھالے بول کے۔

لی جان لی : (ہر مار کے ساتھ) بول رے ڈاکو ؟ ہیدری لوٹا کاں گیا۔

ہفتم : حفیظ چاچا ....

لی جان لی : بول رے ڈاکو ...... پیتل کے بڑے بڑے کشتیاں کیا ہوئے ؟

ہفتم : حفیظ چاچا............

لی جان لی : (پئے درپئے مارتے ہوئے) دادی ماں کا چاندی کا کٹورہ۔ نقشی چینی کے رنگونی لیمپ۔ رنگونی محل کی ٹیبل لیمپ۔ گنگا جمنی دواتین ۔ کھلونے کا سوا گز لمبا پانی کا جاپانی جہاز۔

ہفتم : (بچوں کی طرف ملتجیانہ نظروں سے دیکھتے ہوئے جو لائین میں کھڑے لرز رہے ہیں) حفیظ چاچا ...... حفیظ چاچا .... حفیظ ......

لی جان لی : (مزید طیش میں) میرے جہیز کے گلدستے جو میں پوٹیاں کے جہیزاں میں دینے کو چھپا رکھی۔ تاج محل نقشے کے چینی اور جاپانی برتناں ؟...... الماری کے کھلونے ......

ہفتم : (ڈراؤنی آواز میں چیختے ہوئے) حفیظ ...... چاچا ......

ڈاکٹر شرنا : (دفعتاً کھڑکی کے باہر سر ڈال کر بے زارگی کے ساتھ) کھڑی دوپہر ہے۔ چلچلاتی دھوپ ہے چکنی تالو پہ چیل چپٹا مارے تو چھید ہو جائے۔ اب کیا ہو گیا......

لی جان لی : (ہانپتے ہوئے سر پر پلّو برابر کرتی ہے) کیا بتاؤں ڈاکٹر صاحب ......ذرا ذرا کر کے پوتیاں کا جہیز جوڑیوں ...... لائین لگا کو 'خیر' سے سات سات پوتیاں ہیں نا......وہ بھی میرے جہیز کا مہنگا مچھا سامان تام برتن ۔ اور بزرگوں کے نادر نایاب نوادرات ...... سارا سامان۔ نہ جانے کب سے کی ۔ یہ حرامزادہ ہفتم لے جالے جا کو وہ سائیکلاں والے

حفیظ الدین کو روپیہ پیچھے دے دیکو آیائے ...... ارے یہ دوستاں ہیں دشمناں سے بدتر۔ (ڈاکٹر شرما اور مسز شرما حیرت زدہ کھڑے کے کھڑے رہ جاتے ہیں) سچی بولئیں بزرگاں ...... برادرِ حقیقی دشمن تحقیقی ......دوست دِلدار کب دشمنِ غدار بن کو اجڑ تائے کوئی جانے ناں !! (آسمان کو نظریں اور ہاتھ اٹھاکر) "اللہ اُن کے بیٹیاں کی براتاں ڈاکوؤاں لُوٹ لے کے جاؤ۔"

مسز شرما : لی جان ماں ...... آپ غفلت میں رہ گئے۔ بچے تو بچے ہی ہوتے ہیں۔ ذرا سا پیار ذرا سا لالچ اُن میں نیک وبد کی تمیز کو ختم کر دیتا ہے......گھر کا بچہ ......اور وہ بھی اتنا ذرا سا...... بچہ...... اتنا بھاری نقصان کر گیا ......"

لی جان لی : (سینہ کوبی کرتے ہوئے) میم صاحب !! یہی غم تو ناسور بن گیا ہے۔

ڈاکٹر شرما : صبر...... صبر بہن جی صبر...... صبر سے کام لیو۔ بچہ سیدھا ہو جائے۔ نقصان پورا کرنے والا اوپر بیٹھا ہے (ہفتم کو دیدے نکال کر ڈراتے ہوئے) ہفتم! یار سیدھا ہوتا ہے یا جیل خانے میں سڑھا دیؤں۔

ہفتم : (ہچکیوں کے ساتھ روتے ہوئے) سیدھا ہو جاتوں جی ......

ڈاکٹر شرما : بہن جی سنئیے !! اپنی بستی میں ایک دردناک واقعہ ہو گیا ہے۔ وہ گھروں پر کام کرنے والی عورت 'سلوچنا......

لی جان لی : (ایك لخت سہم کر) جی ڈاکٹر صاحب آ کو مل کو گئی تھی چار پانچ دن پہلے۔

ڈاکٹر شرما : جی ہاں ...... اماں اُسکی کوئی پریشانی نئی ہے۔ لڑکا ہوا ہے...... زچہ بچہ اچھے ہیں۔ (بہت ہی دل گرفتگی کے ساتھ) اُسکے پانچوں بچے ختم ہوگئے۔ اچانک !!......(بی جان بی "ہاں" ...... !) تفصیل بعد میں ......لوگ ان کے کریاکرم کیلئے چندے کرنے آرہے ہیں۔ آپ کہہ دیجئے ڈاکٹر صاحب کے پاس بھجوا دیئے ...... وہ میں دیدیتا ہوں۔"

لی جان لی : نئی ڈاکٹر صاحب ...... ایسا کیسا !! سب کے ساتھ ہم بھی۔ آج اُن پر وقت پڑا ہے کل ہم پر پڑ سکتا ہے۔ آپ کے احسانات کیا کم ہیں۔ آپ زحمت نکو کرو صاب ۔ میں جو کچھ ہوا دس پانچ روپئے دیدیتی ہوں...... اللہ کا واسطہ دیتیوں آپ کو !!

ڈاکٹر شرما مسز شرما : خیریت کی بات نئی ہے بہن ...... آپ لوگوں کے کندھوں پر پہلے ہی بہت بوجھ ہے۔ پھر بھی آپ کی مرضی...... ہفتم! آئیندہ بد معاشی ہوئی تو دیدے باہر نکال دیؤں گا (مسکراتے ہوئے "خدا حافظ کہتے ہوئے دونوں کھڑکی کا پردہ برابر کر کے

ہٹ جاتے ہیں بی جان بی دونوں ہاتھ کمرپر رکھ کر اس طرح پلٹتی ہیں جیسے ہمت سمیٹ رہی ہوں "کوڑی جوڑے بارے بار۔ کپّا لڑھکے ایکچ بار")۔

بی جان بی : اسے بولتے ہیں مرتے پے سو دُرّے !! بے چارے معصوم بچیاں تو مر کو چین پالیئے اور اور زندہ لاشوں کی ارتھی پو دو مودے اور گر گئے...... کاں سے لائیں گے پانچ دس روپے ؟

یکم بے : امی...... پورے محلے کی ذمہ داری ہے۔ کترا کے نکل نئی سکتے آج کا خرچہ روک دیو...... خالی نہم اور ابّا کے لئے کچھ کھانے کو رکھ دیئو۔ سب جمع کر کے پہلے چندہ بھجوا دیئو ...... چلو الف ...... اپن سمیٹ سماٹ کر پیسے اکٹھا کریں۔

بی جان بی : یا اللہ ! بند مٹھی کا بھرم باقی رہنے دے۔

(بتول بی - زہرہ بی اور انسویا دروازے میں سے پردے اور چلمن کا نچلا حصہ اٹھاکر جھانکتی ہیں ...... " کیا آنا دولن بیگم ...... " بی جان بی " ارے بتول بی آپا۔ زہرہ آپا۔ انسودمّاں۔ آؤنا...... آؤ۔" تینوں " آپ اچ یاں آجاؤ نا" ...... " اچھا " کہتے ہوئے بی جان بی قریب جاکر اکڑوں بیٹھ جاتی ہیں تینوں " چھن چھن پیسے بجاتے ہوئے " چندہ۔ سُنینا سینتا۔ سامنتا۔ رادھیکا اور رانی " کی ارتھی اٹھانے کا۔ یکم الف اور بے - " ہاں۔ لا رہے ہیں۔ ٹھرو ")

بی جان بی : بتول بی آپا...... ایک دم پانچ کی پانچ !!

بتول بی : (انگوٹھے درمیانی انگلی کا پر اسرار حلقہ بناتے ہوئے) تم کچھ بی سمجھو دولن بیگم۔ مہروں کیا گئی کہ اس بستی پو خدا کا قہر ٹوٹ پڑا۔ پوٹیاں پوٹیاں پوٹیاں صاف ہو جارئیں۔

انسوئیا : ایک ہفتہ نئی گیا میری سولہ برس کی بھانجی کیروسین ڈال لیکے جل کو مر گئی......

بی جان بی : وہ کائے کو ؟ ...... اُسے کون کیا بولا۔

بتول بی : اُنے بڑی ذات والے سے محوبت محوبت میں حاملہ ہو گئی تھی۔ وہ لوگاں شادی نئی کرتے بول دیئے ...... اس اچ واسطے......

انسوئیا : مگر دوسرے اچ دِن وہ پوٹا بھی جل کو مر یانا۔ ایک اچ تھا اماں باوا کو ......

زہرہ بی : ابی تین چار دن پہلے ...... وڈروں کی بچی "پوسا" اور مسلمانوں کی بچی "سکینہ" پانی سیندھنے جاکو باولی میں گر کو مر گئے۔ جان جوان بچیاں۔

بی جان بی : مگر یہ تو چھوٹے تھے۔ اِن کو ......

بتول بی : سوال چھوٹے بڑے کا نئی۔

انسوئیا : عورت بچیاں کا ہے ...... اماں زچگی کے لئے دواخانے میں تھی۔ پوتیاں بنگلوں میں کام کر کو آئے۔ لوگاں بچی کچھی روٹی ۔ چاول ڈالے۔ سالن نئ تھا۔ پیچھے تالے پو جا کو "بھاجی سمجھ کو کیا کمی کچن کے لاکے پکا کو کھالیئے سو گئے تو سواچ گئے ...... امی دیگچی میں پڑااچ ہے۔ ڈاکٹر صاحب بولے پولیس لے جاکے معائینہ کرے گی ...... امی سلوچنا کو کچھ بھی نئ بتائے۔ کل اچ بیٹا جنی ہے۔" (آہ کے ساتھ) ہولی کی آگ لگ گئی جی پیٹ کو۔

بتول بی : اللہ ...... تو غفور الرحیم ہے ہم گنہ گاروں کے گناہ معاف کر۔ ہم سب کو حفظ و امان میں رکھ ۔ (سب کے سب) آمین۔ ہمارے پیٹاں کو ٹھنڈا رکھ رَبّنا۔ آمین۔

کیم الف : (ماں کے ہاتھ میں رقم دیتے ہوئے) امی دس روپئے !!

انسوئیا : یہ اپنے ڈاکٹر صاحب پچاس روپے دیئے سوب بنگلے والاں دس دس ۔ آپ بی دس اچ دیئے ...... ہم سوب بی، دو دو چار چار کر کے جمع کر رئیں ۔ بہوت بڑا دل ہے دولن بیگم آپ کا ۔ آپ کے میاں کا پاء بھری فصل کو پالا مار گیا۔



(فیضو نواب کا خستہ حال گھر لیکن صاف ستھرا ماحول نچلے اوسط طبقے کی ترجمانی کرتا ہوا ۔ ہال میں بجلی کی تیز روشنی ...... بلب کے ٹھیک نیچے پھٹا پُرانا لیکن صاف لال دسترخوان بچھا ہے ۔ سب کے سامنے تام چینی کی پرانی مگر صاف ستھری پھول دار رکابیاں اور کٹورے دھرے ہیں ۔ بیچوں بیچ ایک کافی بڑا "شاہ کاسہ" دھرا ہے جس سے بھاپ اٹھ رہی ہے ۔ جس کا مرغن سالن مونہہ سے رال ٹپکارہا ہے ۔ اور بازو میں دو مشقاب میں گرم گرم نان پانی کے پرانے جگ اور چھ گلاس دھرے ہیں ۔ دسترخوان کے ارد گرم تمام بچے بیٹھے ہیں ۔ فیضو نواب بچوں کی رکابیوں میں نان اور بی جان بی کٹوریوں میں نہاری ۔ گوشت کے ایک ایک بڑے ٹکڑے کے ساتھ ڈال کر رکھتی اور پھر ایک ساتھ تقسیم کردیتی ہیں ۔)

نہم : ابو ...... ابو ...... کونے والی آنتی ہیں نا ...... یہ ساری روتیاں ل۔ یہ سارا تورما بھیجے۔

بی جان بی : آج اُن کے باوا کا جہلم تھا ہو گا۔ بلائے نہیں حصہ بھجوا دیئے ۔ اور کیا۔ ہاں ...... بندہ کیا سوچتا ہے۔ اللہ کیا کرتا ہے۔ تیاری کرے تھے آج رات کا روزہ کاٹنے کی۔ مسبب الاسباب نعمت کھلوا رہا ہے ......

فیضو نواب : (سہم کر) کیوں جی ......! امی پہلی تاریخ کو چودہ دن باقی ہیں۔ امی سے اِچ !!

کیم بے	:	(بڑے غم سے) ابو جان...... وہ سلوچنا بائی ہیں نا......
فیضو نواب	:	’’وہی نا جانی ...... جو شروع شروع میں اپنے ہاں بی کام کی...... کیا ہوا اُسے!!
بی جان بی	:	ہو جی...... اُنے زچگی کیلئے زچگی خانے میں ہے۔ ساتویں مہینے میں اچ ہو گئی زچگی۔ اچانک گئی نا ...... پیوں کا انتظام کر نئی سکی ...... سالن نئی تھا بول کے پوٹیاں نالے سے بھاجی سمجھ کے کچھ لا کے پکا کے کھا گئے ...... سارے کے سارے سو گئے۔ سب لوگ چندے دیئے۔ ہم کو بھی دینا پڑا...... دس روپئے! ہم بولے...... ایک وقت کا غلّہ ...... سودا روک دے کو پا جائی کر لیں گے......!!
فیضو نواب	:	بہوت اچھا کئے ...... معصوم بچے ...... غریب گھرانا...... اُن پے آسمان ٹوٹ پڑا ہے جی۔ اب سب مل کر سلوچنا کی بھی فکر کر لینا بڑا اسہارا تھا پیاں کا...... زچہ ہے...... اور صرف ایک بچہ...... کیا سنبھالے کیا محنت مزدوری کرے...... کیا کھائے کیسے پالے...... مرد تو بلا کا پیوٹ اور بے رحم ہے...... اللہ اُس پر فضل کرے (سب کے سب) آمین...... خوشی کے ساتھ دُنیا میں ہزاروں غم بھی ہوتے ہیں جہاں بجتی ہے شہنائی وہاں ماتم بھی ہوتے ہیں چلو بچو! بولو جھٹ سے بسم اللہ!
ہشتم ب	:	ابو...... ابو...... اپن ایک سال تک کھا سکتے ہیں تا...... اِتی نی بہو سی روٹیاں اور نئی کہ اِتی نا بہو سا قورما......
ہفتم	:	(ٹھونسنی مارکر) اونہہ...... اتنے ذرّے سے روٹیاں...... اتا سا قورما...... میں تو اب کے اب اچ کھالیتوں......
ہشتم بے	:	(چھلانگ مارکر اٹھتا ہے) میں بولا۔ مئی سال بھر تک کھاتوں۔ ہٹ رے تو ہٹ۔ (دوبارہ بیٹھتا ہے تو ہفتم کی گود میں گرتا ہے۔ ہشتم غلطی کا احساس کرکے ہٹنے سے پہلے ہفتم چیخ مارتا ہے......)
ہفتم	:	دیکھو نا ابو...... میرے گود میں بیٹھ گیا کود کے۔
بی جان بی	:	(مرغ کا بھاری پنجہ چچوڑتے ہوئے) کم بختو! کھانے کو ملا ہے تو چین سے بیٹھ کر تو کھاؤ......
فیضو نواب	:	(خوش دلی کے ساتھ) بیگم۔ ایک عرصے بعد کچھ اچھا کھانے کو ملا ہے۔ بچے ہیں۔ ہنس بول کر کھالیتے ہیں تو کھالینے دونا ...... اک زمانے بعد اتنا خوش ہیں اور ڈٹ کر کھا رہے ہیں۔ (مرغ کی ٹانگ ریپٹتے ہوئے) بچو! بہوت مزیدار قورما بنائے تمہارے کونے والے آنٹی

......مانو کلیا میں گڑ پھوڑے کونے میں بیٹھ کر...... ہاتھ چوم لینے جی چاہتا ہے (دوسری ٹانگ صاف کرتے ہوئے) اللہ ہمارے پڑوسیوں کو سوا سو برس کی عمر دے کبھی بھائی بہن کی کمی محسوس نہ ہونے دی......وہ بھی ایک زمانے تھے مجانی...... جب لوگ (بات چیت کے دوران سب ڈپٹ کر کھارہے ہیں۔ دستر خوان کے بیچوں بیچ ہڈیوں کا ڈھیر کھڑا ہو چکا ہے) کھانے والوں کی تعداد کا لحاظ رکھ کر حصے بھجواتے تھے۔ آج ہم اتنے خصیص اور کنگلے ہو چکے ہیں کہ آنے والے مہمان کو آم کی ایک قاش ایک بسکٹ یا ایک موزہاتھ میں پکڑا دیتے ہیں۔ اور کافی کی طشتریوں میں حصے بھجواتے ہیں۔

لی جان لی : نئی جی ایسا خصیص پن اپنے محلے میں نہیں ہے ۔ کم یا زیادہ غریب تو سب اچ ہیں لیکن ہیں دل والے۔ میں بھی سالن بھجواتیوں تو اتنا کہ تمام گھر والے دو دو چمچے لے سکیں جی...... ہاں میٹھے کی مجبوری ہے جی...... ہماری بچے والی ہانڈی ۔ کٹیا کی ہانڈی ہے جی...... (وقفہ) اجی روٹیاں اور نہاری اور بہوت تھے۔ میں اچ سب کے یہاں کٹورہ کٹورہ بھر نہاری اور ایک ایک روٹی بھجوائی جی......"

فیضو نواب : (جوش میں) اچھا کیا ...... بہوت اچھا کیا۔ یہ ہمارے اڑوس پڑوس نہیں۔ ہمارے اپنے بھائی ہیں ۔ ہمارے اپنے ۔ میں زہر بھی کھاؤں گا تو ان سب کو ساتھ لیکے کھاؤں گا۔ (امرود کے جھاڑوں میں سے نعرہ "کیوں نہیں ہم تو ڈوبے ہیں صنم تم کو بھی لے ڈوبیں گے) اے ہے...... کیا چیز بنائی ہے۔ ڈوئی توڑ دی......!"

سوم : ابو ڈوئی توڑ دی بولے تو......

فیضو نواب : (پانی حلق سے اتار کر) مطلب یہ۔ اس سے بہتر پکانا ناممکن ہے۔

ہفتم : چاچا کے ڈھابے میں بھی نئی ابو......!

لی جان لی : (ہاتھ روک کر تلخی کے ساتھ) سن لئے ہفتم کے ابا۔ سن لئیں ؟!(ہفتم پر بہت بڑا چمچہ اٹھا کر) اب اسے ہوٹلوں ڈھابوں کے پتے بھی معلوم۔ مزے بھی لگ گئیں اٹھ بازاری چوتٹے مر دے۔ اٹھ نکل گھر سے۔ چونچ آئی چگنے کو پر آئے اُڑنے کو۔ آپ اپنی دیکھا بوجھی کر لے۔ چل اٹھ...... نکل۔

فیضو نواب : (ہفتم کو جلدی سے بغل میں چھپا کر) بیگم اب کی بار معاف کر دو۔ آئیدہ کچھ کرے تو آنکھیں پھوڑ کے اندھا کر کے فقیروں کے حوالے کر دینا۔ بھیک منگوا لینے !!

لی جان لی : آپچ سوچ لیو...... خربوزے کو دیکھ کے خربوزہ رنگ پکڑتا ہے۔ چھیاں سوب بگڑ جائیں گے اس کے لچھن سیکھ سیکھ کو...... خیر آپ سمجھا دیو اسے ۔ میں اسکی تاک میں ہوں۔

(دسترخوان سے اٹھتے ہوئے) یکم ماں بچی ہوئی روٹیاں اور قورما محفوظ رکھ کے اوپر وزن رکھ دئیو۔ ایسا نہ ہو گھوس وونس......

(دفعتاً ریکارڈ چلتا ہے۔ اور سوئی پھر اٹک جاتی ہے "تو کہے اگر۔ جیون بھر میں گیت سناتا جاؤں" من بین بجاتا جاؤں۔ تو کہے اگر")

یکم الف : ائی کہاں ہے روٹی کہاں ہے نہاری قورما۔

لی جان لی : سب خلاص؟

فیضو نواب : چلو اچھا ہوا۔ زمانے بعد پیٹ بھر کے کھائے۔ گیا کہاں؟ پیاروں کے پیٹ میں۔ اب کی پنشن پر تے نہاری بناکر سارے محلے میں بھجوانا۔ مجانے لوگاں بھی نیت بھر کو کھائے جیسا۔

لی جان لی : (کھنکارتے ہوئے ہوئے دونوں ہاتھ دعائیہ انداز میں اٹھاکر) اللہ ڈاکٹر صاحب ان کی بیگم اور ان کے بچوں کو خضر کی عمر دے۔ دن دونی رات چوگنی خوشحالی و ترقی و کامیابی دے۔ یا اللہ رہتی دنیا تک آباد رکھ۔ آمین (سارے لوگ) ثم آمین۔ (اپنے آپ سے) روشنی سے کتنی راحت ملی۔ ڈر اور خوف دور ہوا۔ رات کا اندھیرا دن لگنے لگا۔"

(فیضو نواب حالتِ مستی میں کھٹیا پر چت لیٹ کر بائیں کھڑی ٹانگ پر دائیں ٹانگ دھر کر بایاں ہاتھ تکیہ بنائے۔ دائیں ہاتھ کی مٹھی میں سگریٹ رکھ کر پھونک رہے ہیں ساتھ ساتھ دھیرے دھیرے گنگنارہے ہیں "اے چاند چھپ نہ جانا" ریکارڈ شروع ہوتا ہے "یا اللہ یا اللہ دل لے گیا۔ یا اللہ! یا اللہ دل لے گیا")



(نل سے پانی گرنے، برتن دھلنے اور یکے بعد دیگرے دوسرے گھریلو کاموں کی ملی جلی آوازیں فیضو نواب کام کے ساتھ ساتھ بڑی ہی مستی میں لہک لہک کر گارہے ہیں۔" منا مور ہوا متوالا" کس نے جادھوڈالا رے" یہ کس نے ارے کس نے جادھوڈالا رے۔ ارے کسی نے جادھو ڈالا" گھر کی منڈیر پر دو پنچو قسم کے مریل، مرغ کے پٹھے اکڑا کڑ کر بانگ دے رہے ہیں۔ فیضو نواب چکن کی ٹوکرا بھر ہڈیاں لاکر کونے میں پھینکتے ہوئے۔

غم ہستی کا اسد جز نہیں مرگِ علاج　　　شمع ہر رنگ میں جلتی ہے سحر ہونے تک

آکر جھانپ اٹھاتے ہیں "رنگیلے۔ آجا میری جان۔" جھانپ کے اندر سے ایک دہشت زدہ بلی چھلانگ مار کر باہر نکلتی ہے اور فیضو نواب کے سر کے اوپر سے چھلانگ لگا کر دیوار پر چڑھ جاتی ہے۔ دونوں پٹھے لانبی چیخوں کے ساتھ پھڑپھڑا کر رفو چکر ہوجاتے ہیں۔ بلی کی چھلانگ سے بچنے میں فیضو نواب دہشت زدہ و سراسیمہ الٹے لڑھکجاتے ہیں۔

لوٹ پوٹ کر سنبھل کر اٹھتے ہیں اور حلق کے بل چلاتے ہیں۔

فیضو نواب : ہائیں رنگیلا...... رنگیلا...... رنگیلا کہاں گیا؟ یہ بلی کیا یہ پروں سمیت اتنا بھاری مرغ ہضم کر سکتی ہے؟ آئی کیسے یہ جھانپ میں؟ (چلاتے ہوئے باہر نکل جاتے ہیں) رنگیلے ...... رنگیلے ...... چل آجا رنگیلے ...... رنگیلے ...... آجا یار (روہانسا ہوکر) رنگی ی۔ی۔ ایں دروازے پے تھیلا...... کیسا؟ (تھیلا کھول کر ذرا سا اندر جھانکتے ہیں اور پرتشدد جارحانہ چیخ کے ساتھ تھیلا اٹھا کر گھر میں گھس جاتے ہیں) ہئے غم ...... ہیئغم! غضب ہو گیا...... (سب لوگ ہڑبڑا کر جاگ جاتے ہیں)...... یہ دیکھو...... رنگیلے کے پر...... (ہاتھ ڈال کر ایک ایک چیز نکالتے ہوئے) یہ رنگیلے کے پاؤں ہئغم ...... ہئغم یہ رنگیلے کا سر...... (بیوی بچے سب آکر فیضو نواب اور تھیلے سے چمٹ جاتے ہیں۔ غضب کا نالۂ و شیون برپا ہوجاتا ہے)...... رنگیلے کا سر ۔پر۔ پاؤں...... (ماتمی لئے میں) کس دشمن کی چھری تجھے چاٹ گئی رے اللہ...... کس قاتل نے تیرے سر عزیز کو تن سے جدا کر دیا...... ارے اللہ۔ دن دو دن نئی...... پورے چار برس کا ساتھ تھا...... میرے یارا

ڈاکٹر شرما : (مسز شرما اور دیگر لوگ سراسیمگی کے ساتھ دیکھتے ہوئے) سید بھائی خیریت تو ہے۔

فیضو نواب : خیریت کہاں کی خیریت۔ میں لٹ گیا۔ تباہ ہو گیا کامریڈ...... مجھ پر پہاڑ ٹوٹ پڑا ہے......

ڈاکٹر شرما : آخر کس کو کیا ہوا، کیسے ہوا...... ؟ سب تو موجود ہیں نا۔ (سب لوگ سنی ان سنی کر جاتے ہیں)

بی جان بی : سر پیٹتے ہوئے نہم کی پیدائش پو مان کے ساتھ آیا تھا رے تو......

فیضو نواب : اسی کی خاطر اس کی مان کو......

مسز شرما : (زیادہ اونچی آواز میں) مسز پراگندہ...... خیریت تو ہے۔ کون گذر گیا ہے جی۔ (جام کے جھاڑوں کے پیچھے سے تین چہرے جھلکیاں دکھارہے ہیں جو مونہہ پر لال رومال رکھ کر ہنسی روکے ہوئے ہیں۔ بی جان بی آنسوؤں سے تر بتر چہرہ لئے لاچارگی کے ساتھ جواب دیتی ہیں "مئیم صاحب ...... ہمارا رنگیلا چل بسا۔")

مسز شرما : (چلاکر) اوہ ہاؤ سیڈ...... رول نمبر...... ؟

نیم بے : (مرغ کا سر لٹکا کر بتلاتے ہوئے) نہ جانے کس نے قتل کرڈالا میڈیم۔

مسز شرما : (لانبا ہاتھ کھڑکی سے باہر ڈال کر ہونق کی مانند) مور گھا...... رنگیلا ؟ لیکن ...... خود آپ کی ممی نے کل چکن نہاری روٹی بھجوائی تھی۔

فیضو نواب : (معصومیت سے کھڑکی کو رخ کرکے) میڈم! وہ تو کونے والی آنٹی نے بہت زیادہ بھجوادیا تھا بول کے بی جان بی سب کے گھروں کو بھجوائے ۔

ڈاکٹر شرما : (کھڑکی پر گھونسہ مارکر) ستیاناس ! کل صبح پہلوان نے "نیاز" بول کر ساری بستی والوں سے چندہ لیا تھانا۔ میں نے بھی بیس روپے دیئے۔

بی جان بی : (بھولپن سے) صاب ان کی نیاز کے لئے ہم سے منگوائے۔ ہم نے بھی دیئے صاحب دو روپئے۔

نرس : ان کے اکھاڑے میں نیاز کا پکوان تو ہو رہا تھا۔ شاید بہوت لوگوں کی دعوت بھی تھی۔

فیضو نواب : (اچانک چلاتے ہوئے) ہائے اللہ۔ غضب کر دیا ظالموں نے۔ گویا میرے رنگیلے کو قتل کر کے مجھے اچ کھلا دیا...... ارے میرا رنگیلا !!۔ (چاروں خانے چت گرکر بیہوش ہوجاتے ہیں) ۔

ڈاکٹر شرما : یہ کیا جی...... ارے سید بھائی گر کر بیہوش ہو گیا۔ بوائے (پیچھے پلٹ کر) بوائے...... نرس...... ذرا اڈوڑ کر جاؤ اور اُسے فرسٹ ایڈ دو......!



(دن ڈھل چکا ہے ۔ دیوار کے پیچھے ریکارڈ بج رہا ہے ۔ "میری یاد میں تم نہ آنسو بہانا۔ نہ جی کو جلانا مجھے بھول جاتا" ہال میں فیضو نواب اپنی کھٹیا پر مایوس و جگر سوختہ فریش پڑے ہیں ۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہے ۔ گھر پر صفِ ماتم بچھی ہوئی ہے ۔ بیوی بچے ۔ مجرموں کی مانند سرجھکائے ان کے آگے قطار میں کھڑے ہیں ۔ فیضو نواب کے پہلو میں ڈاکٹر شرما استتھسکوپ لئے بیٹھے انہیں تسلی دے رہے ہیں اور منارہے ہیں ۔)

ڈاکٹر شرما : کمال ہے سید بھائی۔ آپ اتنے کمزور نکلے۔ چار دن میں کیا حال کر لیا۔ یہی حال رہا تو ہارٹ اٹیک بھی ہو سکتا ہے۔ موت بھی واقع ہو سکتی ہے۔ یہ بے چارے بیوی بچے کدھر......

بی جان بی : دفتر سے جو بھی آئیں وہ یہ اچ بول کے جارئیں ڈاکٹر صاحب۔ مگر انوں کب سننا

فیضو نواب : (گردن نیچے ڈال کر ہچکیوں کے ساتھ شکست خوردہ آواز میں) وہ پہلوان نہیں قصائی ہے۔ اُس نے میرا ہی مرغا کاٹ ڈالا اور مجھی کو کھلا ڈالا۔ اب حلق سے نوالہ ہی نہیں اترتا۔ اُبکائی آتی ہے۔

ڈاکٹر شرما : کراہیت کیسی ؟ حلال جانور ہے۔ ہندو مسلمان سکھ عیسائی ساری دنیا کھاتی ہے چکن نیچرل فوڈ ہے۔

فیضو نواب : (سر پیٹتے ہوئے چلاکر) کامریڈ۔ وہ مرغا نہیں تھا۔ ہم کا جوڑی دار میرا چودھواں بچہ تھا...... اُس آدم خور نے اُسے قتل کر کے خود مجھے اپنے بچے کا گوشت کھلا ڈالا۔

بی جان بی : کیا جی تمے ایک...... جناور کو بچوں میں ملا دے ریاں۔

ڈاکٹر شرما : (تھوڑی پکڑکر) بچوں سے دل نہیں بھرا ابھی ؟ ذرا اُس دن کو یاد کرو۔ جب آپ کے شاہ ظفر کی خدمت میں جو خوانِ نعمت پیش کیا گیا۔ اس میں خود ان کے اپنے بیٹوں کے کٹے ہوئے سر پیش کیئے گئے۔

واہ کیا شانِ شاہیت تھی۔ شاہ اور بیگم کے دل نظر پڑتے ہی پاش پاش ہو چکے ہوں گے۔ لیکن شانِ بے نیازی سے کہا تو بس یہ کہا۔

"الحمد للہ ! اللہ کا شکر ہے میرے بیٹے مادر وطن کی آزادی کیلئے قربان ہو گئے۔" ذرا غور تو کیجئے...... کیا گزراکی ہو گی اُس ضعیف جوڑے پر اپنے دمِ آخر تک ؟ جب جب چنا روٹی کے خوان سامنے آئے ہوں گے......! نوالہ اُٹھانے سے پہلے حلق بھر گیا ہو گا۔ نا ؟ یہاں تک کہ انگریزوں نے انھیں پگھلا ہوا گرم گرم سونا حلق میں چھوڑ کر مار ڈالا...... ؟ (پیٹھ پر زور دار ہاتھ مارتے ہوئے) اور آج یہ وہی تیموری اولاد ہے جو محض ایک پالتو پرندے کو لیکر پرکھوں کی قربانیوں کو مرغ کے ساتھ تول رہی ہے۔ شاباش ہے۔ سید بھائی۔ یار کم از کم اپنے بچوں کی صحیح رہنمائی کریں۔

فیضو نواب : (اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے) "اُسکی آواز کانوں میں گونجتی ہے۔"

(ریکارڈ بج رہا ہے۔ "جدا میری منزل جدا تیری راہیں۔ ملیں گی نہ اب تیری میری نگاہیں۔")

ڈاکٹر شرما : ہفتم !! جاؤ جاکر کہو غازی میاں سے اپنا ریکارڈ بند کر دیں۔ کبھی شہزادوں کی کلکاریاں بھی۔ گونجتی رہی ہوں گی حضرت محل بیگم اور شاہ کے......!

فیضو نواب : (اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے) اُس کی تصویر آنکھوں میں پھرتی ہے تو پیٹ میں مروڑا اٹھتا ہے۔

ڈاکٹرشرما : (اپنی ران پر زبردست دھپ کے ساتھ قہقہہ لگاتے ہوئے) آہا......اب سمجھ میں آیا mania کیا ہے ؟ دراصل آپ پیدائشی عاشق صادق ہیں ...... جناب ! مگراس کی بھی ایک عمر ہوتی ہے ایک وقت ہوتا ہے ۔ (ہاتھ سے پکڑکر نیچے اتارکر کھڑاکرتے ہوئے) ذرا سوچئے تو ۔ جانور آخر جانور ہے ۔...... خطرناک ہو جائے تو پالتو کتے کو بھی گولی ماردی جاتی ہے ...... مرغا غیر معمولی بڑا...... اونچا اور طاقتور نکل گیا تھا۔ چھوٹے بچوں اور محلے والوں کو تنگ کیئے دیرہا تھا۔ انھوں نے یقیناً غلط حرکت کی ہے ؟...... مگر یہ اُن کی مجبوری تھی۔...... دراصل وہ آپ پر جبر کرنا یا آپکی دل آزاری کرنا نہیں چاہتے تھے...... اٹھیئے...... اٹھیئے ...... نہادھو کر شیر بن جایئے اور سب کچھ بھول کر معاف کر دیجئے (فیضو نواب ڈاکٹر صاحب کے کندھے پر سرٹکادیتے ہیں) ......ہاں دوڑو...... بے بی چائے تولاؤ......(یکم دوڑکر چائے لے آتی ہے ۔ ڈاکٹر صاحب بٹھاکر اپنے ہاتھ سے چائے پلاتے ہیں) شاباش ...... میں اپنے دوست وٹرنری ڈاکٹر سے کہہ کر آپ کو ایک بہترین اعلیٰ سیکس کا مرغا......

(پیڑوں کے پیچھے سے آواز) بنادوں گا۔

ڈاکٹرشرما : (ادھر اُدھر حیرت سے دیکھتے ہوئے) نہیں بھائی ۔ میری کیا اوقات ہے کہ میں ایک عزت دار پڑوسی کو مرغا بنادوں ...... میں تو مرغا......

ہفتم : (چہک کر) دلادوں گا!

ڈاکٹرصاحب : ویری گڈ چھوٹو!...... مرغا دلادوں گا۔

فیضو نواب : (سرد آہ کے ساتھ) دل ایک ہی سے لاگا ہزاروں کھڑے ۔"اب نہیں پالیں گے "۔

(جیسے ہی ڈاکٹر صاحب باہر آجاتے ہیں ۔ محتاط پیرائے میں ریکارڈ دوبارہ جاری ہوجاتا ہے ۔ " اس دنیا میں اے دل والو دل کا لگانا کھیل نہیں ...... ")



لگ بھگ دس بج رہے ہیں۔ فیضو نواب ہال میں " فل آؤٹنگ کاسٹیوم " میں۔ شیروانی پر چوڑی ہیٹ لگائے تیار کھڑے ہیں۔ کھٹیا پر سکندر صاحب سر جھکائے بیٹھے گفتگو کرتے کرتے اپنے ہی ہاتھوں سے کھیل رہے ہیں۔

فیضو نواب : جائیں گے کیسا نئیں سکندر میاں ۔ آخر بی جان بی کی سگی بھانجی کی شادی ہے ۔ بس کوئی مجبوری تھی جو سانچق میں نہیں آئے ۔ عقد میں ضرور شریک ہوں گے انشااللہ۔

سکندر صاحب : بس !اب آپا کو شکایت کا موقع مت دیجئے۔

فیضو نواب : بچی کیا صفدر میاں کو دے رہے ہیں ؟ (گویا اپنے آپ سے) ہُو و...... صفدر کو اچ دینگے۔
مئے پوچھا اچ غلط......

سکندر صاحب : جی نہیں...... صفدر کو انکار کر کے چھ مہینے ہو اچ گئے۔ والدین کے علاوہ بچی نے بی انکار کر دیا۔

فیضو نواب : بائیں...... اُس کا تو شب و روز کا ڈیرا اچ دہان تھا۔ بچے ایک دوسرے کو پسند بھی تو کرتے تھیاں۔

بی جان بی : (چاء لاتے ہوئے) ائی اللہ...... کیا ستم ٹوٹیا رے ننھے ننھے دلاں پو...... اُنوں کیوں چھُٹے ؟ انے تو قسم اچ کھا کو بیٹھا تھا کی آپا کی بچی کو لے کے اچ اٹھوں گا بول کو...... ؟ سارے خاندان کو خبر ہے...... اس واسطے اچ کوئی بھی پیام نئی بھجواتا تھا اُس جگہ......

سکندر صاحب : (سر اٹھا کر) بھائی جان ! صفدر کی اوقات اچ کیا ہے ؟ ساتویں تین سال فیل کر کے نکالا ...... میٹرک چار سال میں۔ انٹر تین سال میں۔ بی اے تین برس میں...... ایم اے تو یم۔ اے بھی مشکوک ہے۔ چہرہ جھانواں ، بنا ہوا سڑھا سیتا پھل ...... عمر پینتیس کے اُدھر...... بے روزگار...... بال بال قرض بندھا ہوا...... رہتے سو حویلی تک رہن پڑی ہوئی...... گھر میں ہانڈیاں پریڈ میں...... روز کا روز آٹھ آنے کا آٹا...... چار آنے کا چاول...... دو آنے کی دال ایک آنہ میٹھا تیل...... والا معاملہ...... ''حیدر آباد نگینہ...... اندر مٹی اوپر چونا''...... ڈیمانڈ شادی ستر اسی ہزار سے کم نئی ہونا......

بی جان بی : مگر اس سے زیادہ اچھے والے کی جو اڑھائی ہزار میں ہوئی۔

سکندر : وہ کھل کے کب بولتئیں...... یہ ایچ بولتئیں ایک لاکھ لے کے کرے...... تا آن اس کا ریٹ نئی گرنا بول کے......

فیضو نواب : ستر...... اسی ہزار...... مگر کیوں بھئی !

سکندر صاحب : اسی لیے تو تاک لگا کو بیٹھے تھے کہ آپا کے یاں صرف ایک بچی ہے۔ گھر موٹر نوکر چاکر سب ہیں ...... آسانی سے لاکھ دو لاکھ ہڑپ سکتے ہیں...... اسی لیئے...... پہل نو برس کی بچی کو ہاتھ میں لے لینے سے کی...... تا کہ انکار کا امکان اچ باقی نہ رہے...... اب بچی چودہ برس کی ہے ...... یہ سوچ لیئے۔ مطالبہ ٹھونک دیئے تو بچی کی تلملاہٹ کے پیش نظر باپ کیسا نہ کیسا پچاس ہزار روپے تو بھی لگائیگا...... ٹانگ بھی اونچی رہے گی کہ حسبِ دلخواہ کام نہیں ہوا۔ اچھا...... اور ہوشیاری تو دیکھو ان کالے چونڈے والیوں کی...... کیسا کیسا ٹل کو پہنچا تیئں۔

بی جان بی : وہ کیا؟

سکندر صاحب : مقتدر صفدر سے پانچ برس چھوٹا بھائی۔ صفدر سے زیادہ ذہین۔ زیادہ ذمہ دار اور کماؤ...... زیادہ تعلیم یافتہ ہے اور شخصیت بھی بھلی ہے۔ عمر کا کم اور دیندار ...... پرہیزگار......اُسکی شادی کے جملہ اخراجات بول کے سسرال والوں نے اڑھائی ہزار......

فیضو نواب : (چونک کر) اڑھائی ہزار......!

بی جان بی : ادے اڑھئی ہزار...... کیسا جی۔ ان کا دھنگانہ ساٹھ ستر ہزار سے اتر تا اچ نئی تھانا؟

سکندر صاحب : مارکٹ میں آج کی تاریخ میں اونچے مڈل کلاس کی شادی کا خاطر خواہ خرچہ دو اڑھائی اچ ہے۔ اڑھئی ہزار نقد دیدیئے آٹھ سو روپے مالیتی ٹکٹ پکڑا دیا۔ باہر جاؤ بول کے...... کمانے لگو تب رخصتی کروالینا۔ وان لڑکی جو چوبیس کے آس پاس ہے۔ دبلی پتلی کالی نان میٹریکولیٹ...... یاں لڑکی پندرہ کی کچی کلی۔ ہزاروں میں ایک۔ کانونٹ کی اسٹوڈنٹ۔ اعلیٰ حسب نسب...... اعلیٰ گھرانہ...... پندرہ بیس تولے طلائی جڑاوی زیور......

بی جان بی : پھر ہوا کیا ہے کتے......؟

سکندر میاں : جیسا اچ ان لوگوں نے لاکھ سوا لاکھ کا حساب جوڑا۔ ماں باپ انکار کرے سو کرے بچی بھی ڈھٹ بول گئی...... بول کے اڑھئی ہزار کا پرانا ماڈل ہم نئی خریدتے لاکھ پون لاکھ میں۔ ہونہہ۔ مرگیا مرذود...... فاتحہ نہ دُرود!!

فیضو نواب : (اپنی ہتھیلی پر مکّہ مارکر) یہ ہوئی نہ بات، بڑے گھر والوں کی! پرائے مال پہ دیدے لال میرے لعل کے۔

بی جان بی : (گردن ہلاتے ہوئے) میں بی وہ اچ کہئیوں...... اچھا کیا۔ مونہہ پے چپل مار کر دتکارا۔ میخ مار کے شکار کھیلنے آئے تھے دلندر دنیا بھر کے......!

فیضو نواب : (جوش سے ہاتھوں کو مونہہ کے قریب نچاتے ہوئے) میاں...... میاں...... سکندر میاں غلامی خط لکھ دیتوں ...... غلامی خط لکھ دیتوں......!

سکندر صاحب : ارے۔ فی الفور لکھ دیو جی آپ غلامی خط...... کون منع کرتا ہے۔

فیضو نواب : دنیا مل جائینگی تو مل جائینگی 'ماہتاب'، جیسی بچی ہرگز نئی ملیں گی ان کو۔

بی جان بی : اپے وہ نئی دیکھ رئیں کتے...... ادھر ماہتاب کو ایسا گیا گذرا رشتہ ہرگز نئی ملے گا۔

سکندر صاحب : اب یہ لڑکا جاگیردار گھرانہ۔ باپ تھیلدار۔ لڑکا ابھی سرکاری ملازم لگا ہے۔ عمر تئیس

کے آس پاس۔ صاحب جائداد۔ دادا نے حویلی اور فارم نام پر لکھ دیئے ہیں...... کافی تگڑا بو کڑ ہے !!

فیضو نواب : اور لین دین...... ؟!

سکندر صاحب : وہی جو رواج ہے۔ ایکسو اکیاون مبلغ جوڑا گھوڑا۔ چھ ماسے کی انگوٹھی۔ سوا دو تولے نقروی زیور۔ گیارہ تولہ طلائی۔ سات سیر تام برتن۔ پلنگ۔ بستر۔ الماری۔ میلے دان۔ سنگھار دان۔ ہوا دان۔ سنگھار میز۔ ہلکے بھاری جملہ گیارہ جوڑے ...... لیمن سٹ کافی سٹ۔ بارہ آدمیوں کا ڈنر سٹ ...... ولیمہ چوتھی مشترک !!

فیضو نواب : (راحت کا سانس لیتے ہوئے) باس باس بس...... بالکل واجبی ہے۔ کماتے ہیں آل اولاد کیلئے۔ اولاد پر نئی تو کس پر خرچیں گے !!

بی جان بی : ارے بھئی ...... جوڑا گھوڑا اسلامی جہیز ...... تو ماں باپ کا تحفہ ہوتیاں۔ نو آباد جوڑے کو ...... تحفہ ...... دینے والے کی گنجائش اور حیثیت کے مطابق اچ ہونا...... لُوٹ ٹھگی نئی ہونا......

فیضو نواب : ہماری شادی صرف اڑھئی سو روپے میں ہوئی تھی دل کھول کے ...... اکیسو بیس آدمی کھانا کھا کے گئے تھے ...... پیٹ بھر کے ...... اونچے اوسط خاندان کی شادیاں۔ ڈیڑھ دو ہزار بس !!

سکندر صاحب : بھائی جان...... خوش فہمیوں کے شکار۔ خود فریبی کے بیمار۔ حُسن ظن جن کا وطیرہ۔ غیر فطری جینے والے لالچی لوگ جب ضرورت سے زیادہ چالاک بننے کی کوشش کرتے ہیں تو اوندھے مونہہ گر جاتے ہیں...... دوسروں کی زن۔ زر۔ زمین کو اپنے باپ کی جاگیر مان کر چلتے ہیں۔

بی جان بی : مگر دیکھ لینا...... اُسکی شادی جب بھی ہوئی، معمولی حیثیت کے لوگاں میں اچ ہونگی...... چند سو روپلی میں...... ڈاکواں کہیں کے...... نکو...... نکو۔ ہلکی دوستی سنگ نکو۔ پاؤں میں جوتی تنگ نکو !!

فیضو نواب : انوں اچ کیا میاں۔ مفت خوری کی حرص میں چُور چُور غربت کی اقل ترین سطح سے بھی گئی گزری زندگی گزارنے والے چھل فریبئے۔ سفید پوشی کا چونغا چڑھالے کے اپنے مونہہ آپ اپنی شرافت کی شہنائی بجاتے ہوئے۔ چھل فریب سے بیٹا بیٹی لیکے نئی اُڑ جاتے...... دین کے ناٹک رچ کر ٹھگ نہیں لیتے...... مونہہ میں رام۔ رام بغل میں چھُری...... !

سکندر صاحب : ہاں۔ ہاں سب چلتا ہے۔ جب کوئی شرم اور حجاب ہی کو خیر باد کہہ دے وہ جو کچھ کرتا پھرے کم ہے۔ یہی فرمایا پرافٹ Profhet نے۔ بہت اچھا ہوا لڑکی بچ گئی ...... میں تو کہوں گا ہر لڑکی کے والدین ۔ اور والدین کی ہر ہر لڑکی کو اپنی عزت کا حجاب۔ عزت نفس

کا لحاظ رکھنا ہی چاہیئے۔ (دیوار کے پیچھے سے جو نہی ریکارڈ " دو ہنسوں کا جوڑا بچھڑ گیو رے " شروع ہوتا ہے۔ فیضو نواب اس طرح بدک جاتے ہیں جیسے بھچونے ڈنک ماردی ہو۔ اور بی جان بی جو کچھ کہنے جارہی تھیں۔ مونہہ کھلا کا کھلا رہ جاتا ہے۔ سکندر صاحب دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے مزید جوش کے ساتھ بیان جاری رکھے ہوئے ہیں) اور پھر ایسے ڈو غلے چڑی کے غلاموں کے لیئے خود آپ چکنی مرغی نہ بنیں اور نہ اپنے ماں باپ اور کنبے کو لقمۂ تر بنائیں۔

فیضو نواب : (گہری سوچ سے چونکتے ہوئے) ہاں میاں ! ان کے ہاتھ نہیں پیر تسمہ پا کے پاؤں ہوتے ہیں۔ جو لڑکے بعد والدین والدین کے بعد بہن بھائی اور پھر رشتہ دار۔ ہر کسی کو اپنی گرفت میں لیتے لیتے بیسوں انسانوں کو ہڑپ جاتے ہیں۔ گود میں گر نانہ گنگا جل ڈھونڈنا۔

سکندر صاحب : بھائی جان !! یہ سالے۔ عاشقی کی آڑ لیکر اُلّو مارنے اور ایک کے بجائے سو سوا بیٹھنے نکلتے ہیں گویا شادی کر کے اپنا نئی دوسرے کا گھر بسارئیں۔ صورت دیکھو مونہہ پہ تھوکو !

بی جان بی : (ہتھیلی پہ مٹھی مارتے ہوئے)۔ تھوکو۔ جم جم کے تھوکو۔ اوقات یاد دلادو اُن کی ؟ (دوم الف چائے اور سموسے کی ٹرے۔ دوم ب اسٹول لیئے آتے ہیں اور سرو کرتے ہیں)

سکندر صاحب : بھائی جان ! آپ کے گود میں تو اللہ کی رحمت ہی رحمت ہے۔ کچھ تیاری شروع ہوئی ؟

فیضو نواب : (غیر معمولی سنجیدگی کے ساتھ) میرے ہاں گنڈا پا کی گوڈری تھوڑی ہے میاں ؟ مہربان۔ میں ایک غریب کلرک ہوں۔ تھرڈ گریڈ۔ سماج کا کمزور سا ستون !! بالائی آمدنی بھی نہیں جانتا۔ گویا پورا کا پورا احمق ۔ چودہ جانوں کا سرپرست۔ سچ پوچھو تو ایک چھلنی۔ یوں کمائی ڈالوں۔ یوں چھن جاے......

بی جان بی : تین تین بیٹیاں سیانی ہو چکی ہیں۔ خاک تیاری شادی کی۔ بس دو ہاتھ خالی پانچ روپے تھالی (ریکارڈ تبدیل ہوتا ہے۔ مرگئے ہم جیتے جی مالک تیرے دربار میں ......)

فیضو نواب : (تلملاکر) ہرگز نہیں بیگم۔ ہرگز نہیں بیگم۔ میں اپنے بچوں کو عزت نفس کے مقام سے گرنے نہیں دونگا ...... سرکاری تعلیم غیر معیاری سہی سستی تو ہے ڈگری تو مل جاتی ہے۔ ڈگری اور پوزیشن کو دیکھنے والا یہ ہرگز نہیں پوچھتا کہ اُس نے کس سکول سے کس معیار کی

تعلیم پائی۔ اور نہ کوئی اسکول عزت اور روزگار کا ضامن ہوتا ہے۔ یہ بچے ...... یہ سارے بچے۔ ایڑی چوٹی کا زور لگا کر جی جان سے پڑھیں گے۔ تعلیمی سرکاری وظیفوں کی بنیاد پر یہ ترقی کریں گے۔ ذرا قدم جماتے ہی ٹیچرز ٹریننگ کرواکر سرکاری ملازمت میں جٹادوں گا ...... بس دو دو برس میں وہ اپنا جہیز آپ جمع کرلیں گی۔ اور عزت دار گھرانوں کی بہوئیں بن جائیں گی۔ (ریکارڈ بدلتا ہے " اپنی ادا پہ میں ہوں فِدا . کوئی چاہیے نا) ہمارے جاگیردار گھرانے میں ایک لڑکی ہوا کرتی تھی "خیر النساء" ...... ماں باپ صرف رسمی تعلیم دلوانا چاہتے تھے۔ بچی نے ضد کرکے ...... ایم۔ ڈی کیا۔ انٹرمیڈیٹ کے بعد ہی سے وہ اعلیٰ پوزیشن کے لئے وظیفہ حاصل کررہی تھی۔ یم۔ ڈی میں پوزیشن لاتے ہی FRCS کے لئے حضور نے لندن جانے ٹھرنے تعلیم حاصل کرنے واپسی اور ملازمت سرکار تک مکمل احکامات جاری فرمادیئے ...... وہ ہمارے خاندان ہی کی نہیں بلکہ ریاست متحدہ حیدرآباد۔ غالباً ہندوستان بھر کی پہلی مسلمان خاتون ہئیں جنھوں نے حضور پرنور میر عثمان علی خاں کی مہربانی اور شفقت سے اتنا بڑا مقام پیدا کیا ...... لوگ آج بھی اُس پیاری بچی کی مثال دیتے ہیں!!

سکندر صاحب : ارہاں! وہ نہ ڈاکٹر خیر النساء ...... میں نے تو جگہ جگہ ان کی مثال دی جاتی سنا ہے۔

فیضو نواب : افسوس! اُس کی زندگی نے وفا نہ کی۔ واپسی کے کچھ عرصہ بعد عالم جوانی میں گذرگئی لیکن علم کیلئے جستجو چاہ اور عزت کے ساتھ منزل تک پہونچنے کی تاریخ چھوڑگئی۔

کیم الف : یم بی بی یس۔

کیم ب : ایم ڈی۔

بی جان بی : ایف آر سی یس۔

فیضو نواب : FRCS ڈگری نہیں اعزاز ہے۔ شاہی طبی مجلس اطبا کے اہم رکن ہونے کا۔ میری بچیاں بھی پڑھیں گی۔ ان کی قدر و قیمت بڑھ جائے گی۔ اپنی شادیوں کا خرچ خود ہی بنالیں گی۔

سکندر صاحب : بھائی جان! ہر گھر مٹی کا چولھا ہے۔ کون کس کا بوجھ ڈھو سکتا ہے۔ اللہ ہی آپ کو کامیاب

فرمائے (سب کے سب با آواز "آمین")۔ سونے پر سہاگہ یہ ہوا کہ لڑکیاں بڑی لڑکے چھوٹے ہیں۔ یعنی لڑکے تیار ہو کر کمائی لائق بننے تک لڑکیاں بوڑھی ہو جاویں...... اس لحاظ سے آپ کی منصوبہ بندی بالکل صحیح ہے۔ ...... ادھر میٹرک ادھر ٹریننگ۔ سال چھ مہینے میں ملازمت سولہ اٹھارہ میں شادی...... سب کچھ صحیح ڈگر پر آجائے گا۔

لی جان لی : (چونچلے کے ساتھ) چلتے چلتے اگر اچھے پیام آجاویں تو بھی بیٹی نہ دیویں۔ بٹھا کر رکھ دیں۔؟

سکندر صاحب : آپی! رستے کے رشتے سستے میں...... کائی کو عمر بھر کا بیر اگ!! کیا لائی ری؟ کیا نئی لائی ری ...... اپنا رسہ مضبوط رکھو تو بیل بھی کھونٹے پر ٹکا رہے گا...... بیٹی دیکو ذلیل ہونے کی بجائے صبر کر کے عزت سے اٹھانا بہتر ہے۔ اپنی روٹی کھائے گی۔ الٹے چار کو پالے گی...... سمدھیانے کی بولتی بند رہے گی!!

لی جان لی : ...... چھوٹے...... میں کیا لے لیکو آئی تھی فیضو نواب کے گھر...... ڈھائی سو روپلی کی تو شادی تھی میری...... مجھے تو سب نے سر آنکھوں پے رکھا...... کل سے لیکے آج تک!

سکندر : اپی...... وہ دن لد گئے جب مائیں باوقار وضعدار بیٹے پیدا کرتی تھیں۔ آج کی مائیں۔ بیٹے نہیں مال جن رہی ہیں مال...... جس کی بولی اونچی اس کا سودا پکا!!

فیضو نواب : بجا! ہم کو کیوں وہ چھپن باتیں...... بس بل میں بلک اپنا بلک۔ تیرا میرا ملک چولھے میں جلک...... پہلے اُن پریوں کو اپنے قدموں پے کھڑا کر دیویں......

(ریکارڈ بدلتا ہے ...... اے دل ہے مشکل جینا یہاں۔ ذرا ہٹ کے ذرا بچ کے یہ ہے بمبئی میری جان۔")

سکندر صاحب : سنو آپا...... سن کے عقل کے ناخن لیو...... ہوش میں آجاؤ اپے۔ وہ ہمارے پڑوسی حیوانات کے ڈاکٹر صدیق چاچا......

لی جان لی : (ناک پر انگلی دھرکر) ووئی اچ نا...... جو آئے دن ایک نہ ایک کتا پکڑ کے لا کے پالتے تھے۔

سکندر صاحب : ہو...... اپن پلوں کو قبرستان میں پھینک آتے تھے۔ ان کی تینوں بیٹیاں اتنی حسین نکلیں کہ ویسی لڑکیاں موحلے تو کیا...... شہر بھر نہ ملیں۔ سر سے پاؤں تک...... نور کی پتلیاں۔ سڈول ہاتھ پاؤں۔ میٹھی آواز۔ چندے آفتاب چندے ماہِ تاب...... بڑی بچی ریشماں ایک جونئیر انجنیر کے سب سے چھوٹے لونڈے کی نظر میں بچ گئی۔ جان نہ پہچان خالہ ماں سلام۔

زبردستی ہاتھ پاؤں میں آنے لگا...... انجنیر اُسکا خاندان انتہائی دین دار تبلیغی جماعت کا اعلیٰ رکن۔ دین کے داعی۔ شریعت کے غلام...... اللہ تعالیٰ نے مرد کو مشورہ فرمایا ہے کہ اپنی پسند کی عورتوں سے شادی کریں۔ لڑکے کی پسند محبت اور ضد کو نظر انداز کرتے ہوئے۔ ان لوگوں نے ریشماں کو بیاہ لانے سے انکار کر دیا۔

بی جان بی : لیو! اب باقی کیا رہ گیا۔ روؤ ساری زندگی سر کو ہاتھ لگا کے!

سکندر صاحب : نہیں! ستم تو اور ہونا باقی تھا!! لڑکے نے لڑکی والوں کی منت سماجت کر کے چوری چھپے عقد کر لیا۔ ولیمہ ہو گیا۔ دو سال ہو گئے۔ جب کہیں لڑکے کے سرپرستوں کو بھنک ملی۔

فیضو نواب : (قہقہہ لگاکر) اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت!! ظاہر ہے ہاتھوں سے طوطے اُڑ گئے ہوں گے...... پاؤں تلے سے زمین کھسک گئی ہوگی!!

سکندر میاں : (سنجیدگی کے ساتھ) ''ایسا کچھ بھی نہیں ہوا۔ نہ پچھتاوا...... نہ پریشانی...... نہ مایوسی!! بڑی مصلحت سے لڑکے کو اعلیٰ تعلیم کیلئے امریکہ بھجوانے کا جھانسہ دیا۔ اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ لڑکی کا پاؤں بھاری تھا سو الگ...... پوتا پھنس گیا۔ اس کے جاتے ہی ماں باپ بھی پہونچ گئے۔ نہ دینداری سے کام لیا۔ نہ احکام خداوندی کا پاس و لحاظ رکھا۔ نہ شریعت دین پر نظر کی۔ (ریکارڈ بدلتا ہے۔ کس کی لگی۔ اے ہے کس کی لگی جلمی نجریا) بالغ لڑکے اور بالغ لڑکی کے جائیز رشتے کو اپنے باطل تکبر کی دھار پر کاٹ دیا۔ پیٹ بھر اولاد رکھ کر یہ نہ لحاظ کیا کہ...... ایک بار شادی ہو جانے کے بعد شادی کے بازار میں لڑکی کی قیمت گھٹ جاتی ہے۔ چہ جائیکہ ''موتی دانہ جیسی بچی'' ماں بننے کے مرحلے پر تھی...... جب کہ طلاق نہیں ہوئی...... مگر سماجی آداب نے لڑکی والوں کو سر جھکانے پر مجبور کر دیا۔'' (فیضو نواب اور بی جان بی کے چہرے کے اتار چڑھاؤ سے ایسے لگتا ہے جیسے وہ لفظ لفظ گھول گھول کر پی رہے ہوں) ''لڑکی میں کوئی کمی نہیں تھی! ہر لحاظ سے ان لوگوں سے بہتر تھی۔ صرف پیسے کو چھوڑ کے...... خیر...... اُس پر جو گذری سو گذری...... ڈیڑھ سال بعد حیدر آباد لوٹے۔ عقد

اولی بتا کر شادی طئے کی۔ عقد کا گلناری جوڑا خرید کے لائے۔ لڑکا رو پڑا۔ بولا ہٹادو۔ یہ رنگ میرے سامنے سے ...... دل خون خون ہو جاتا ہے اسے دیکھ کر" اور پھر جنونی انداز میں بڑبڑانے لگا۔ "یادیں! پرانی یادیں وابستہ ہیں، سہاگ کے اس جوڑے سے!"

بی جان بی : بس میاں بس!! بیٹی اور بیٹی والوں کو شادی بیاہ کا سودا "رستے کا مال سستے میں" سمجھ لے کو کام نئی نکالنا ہے۔ خوب سمجھ بوجھ کے سرپرستوں اور بزرگوں کے ساجھے سے کام ہونا اچھا۔" عشق عاشقی ساون کی دھوپ۔ ہے تو ہے نئی تو نئی۔ عاشقوں کا مزاج ساون کا نزلہ۔ یوں آیا یوں گیا۔ عاشقی کی شادی ساون کی ہریالی۔ ساون ہے پھلی پھولی ساون گیا سوکھی ..... (ریکارڈ بدلتا ہے۔ "اے ری میں تو پریم دیوانی میرا درد نہ جانے کوئے۔") میاں بیوی کا جوڑا ..... سدابہار بڑ کا پیڑ ہونا ..... موسم آئے موسم جائے سوکھے نہ جھڑے!!

فیضو نواب : واللہ! مان لیا جانی ..... خوب سوچ سمجھ کے بیٹی دو
کچے سہروں میں ناگ بستے ہیں (زبردست چیخ یا ہو)



رات کے تقریباً دس بج رہے ہیں۔ لگتا ہے ساری دُنیا پر فطری سکوت طاری ہے۔ سوائے برسات کی تیز آوازوں کے۔ جس کی پھواروں کے ساتھ ساتھ کبھی کبھی کوئی پھوار اندر آہی جاتی ہے۔ جو کچھ اور بے چین کردیتی ہے۔ برسات کبھی زور پکڑتی ہے کبھی ہلکی پڑجاتی ہے۔ اکثر مکانوں کی ٹین پوش چھتوں کی جل ترنگ جیسی آویزیں ماحول کو بے حد رومانی بنادیتی ہیں۔ محلے کے کسی قریبی مقام سے گھریلو خواتین کی ڈھولک اور تالی کی سہانی تانوں پر فلمی یا غیر فلمی گیتوں کی تانیں سمان باندھے ہوئے ہیں۔ لگتا ہے سارا انسانی سماج۔ برسات اور گیتوں کی تانوں تک محدود ہوکر رہ گیا ہو۔ فیضو نواب کے گھر کا روایتی ماحول بنا ہوا ہے۔ نائٹ بلب کی سبز روشنی ماحول کو مزید پُر اسرار بنا رہی ہے۔ کمرے اور ہال میں پانی کے ٹپکوں کے نیچے لگن بگونے۔۔ بکٹ اور کٹورے رکھے ہوئے ہیں۔ ساکنین جس کو جہاں جگہ ملے اپنے لحاف لپیٹے دُبکا بیٹھا ہوا ہے۔ بی جان بی ہشتم اور نہم کو لیئے کھٹیا کے نیچے دبکی پڑی ہیں۔ جس کے پاس بہہ

کر آنے والے پانی کو روکنے ٹاٹ رکھے گئے ہیں ۔ فیضو نواب کٹھیا پر بستر کے اوپر اخبارات بچھائے کھلی چھتری کے نیچے دبکے بیٹھے سگریٹ پھونک رہے ہیں ۔ ہواؤں کے تیز جھکڑ کے ساتھ ایک آواز گونج جاتی ہے ۔ " گرم کافی ...... کافی گرم ہے " اور فیضو نواب اور بی جان بی اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگتے ہیں ۔ ہر کوئی اپنے اپنے حال میں کھویا کچھ سویا کچھ جاگا ہوا ہے ۔

فیضو نواب : (کپکپاتے ہوئے) بھئی جاڑا اور برسات دولت مندوں کے موسم ہیں ۔ دولتمندوں...... جوانوں اور پریمیوں کے ...... غریب لوگ ! جینا تا کہ مرجانا......

بی جان بی : اللہ کی رحمت ہے برس ریٔ اے جی ...... رحمت کو پیٹھ نئی بتانا ! برسات پو تو ساری دنیا کا انحصار (انحصار) ہے ۔ (وقفہ)

فیضو نواب : (جم کر کھنکارتے ہوئے) ہوں ...... میگھا ہے جم کر برس رہی ہے ...... (آواز نکالنے کی کوشش کرتے ہیں جو پُھسپُھسا کر رہ جاتی ہے) برسورے ۔ اے ...... اے ...... برسورے اے ...... اے ...... کارے بادروا پیاسے برسو برسون ...... ہُش !! چلو یہ بھی گئی ! (وقفہ) ابھی یہ حال ہے تو سپٹمبر کیا ستمگر بن کر آئے گاماں ؟!

بی جان بی : (کسمساتے ہوئے) برسات تو سماں باندھ کے بیٹھی اے ۔ مگر بوسیدہ چھت کے نیچے سولہ جانوں کا خیال ...... خوف سے آنکھ نئی جھپک ری اے ...... کیسا بھی کر کے ستمبر سے پہلے پہلے چھت کی مرمت کرالیو جی......

فیضو نواب : (خراٹے بھری آہ کے ساتھ) جو دنیا چلا رہا ہے جانی ......اُس کو اپنے ہر بندے کی فکر ہے بے فکر سو جاؤ...... بال نئی بانکا ہوگا ۔

بی جان بی : سوئینگے کاں...... نیند کاں ہے آنکھوں میں ......پانی اور گانا...... دونوں مل کو دل میں انگاراں بھر دے رئیں......

فیضو نواب : کیا رس ہے ماشاء اللہ ...... نیند اُڑ جاتی ہے آنکھوں سے ...... (شدت جذبات سے سنبھل کر نئی بیڑی جلاتے ہوئے) جانی ...... یہ اصلی فنکار ہیں ۔ ان کی آواز تو اچھے اچھے گانے والیوں کی چھٹی کر دے ۔ یہ قدرتی ماحول کو نقل نمونے سے بچا کے رکھتی ہیں یہ ہماری بہناں ہیں ہمارے سماج کی ناموس ...... یہ دل و جان میں اُمنگ اور جولانی پھونک دیتے ہیں ۔ آج اتنا بڑا محلہ ...... سارے کا سارا اِن کی مٹھی میں ہے ۔ ان میں یہ زندگی کی جولانی کے منتر پھونک رہی ہیں ۔ اللہ عمر دے ہماری بہنوں کو...... بے لوث زندگی بانٹتی ہیں ۔

لی جان لی : ہوُجی ریکارڈاں کتناچ سنو...... رنگ اچ نئی جمتا۔

فیضو نواب : واہ کیا سماں باندھ دیا ہے۔ کیا سرُ اور تال ملا کر گایا جارہا ہے۔(دونوں کان گانوں پر دھر دیتے ہیں)

آواز : ...... دیدار کی پیاسی آنکھوں کو دیدار تمہارا ہو نہ سکا
جب دل پہ پڑی آفت ایسی یہ درد کا مارا رو نہ سکا
اے تم کو قسم ہے میری قسم۔ تم جہاں بھی ہو اب آجاؤ
دیدار کی حسرت دل میں لیئے مجبور تمہارا سو نہ سکا
جب دل پے پڑی آفت ایسی یہ درد کا مارا رو نہ سکا
جب دل پہ پڑی آفت ایسی یہ درد کا مارا رو نہ سکا

(تھاپ۔ سرُ تال اور لئے بدلتے ہیں)

چاندنی آئی بن کے پیار ۔ او ساجنا۔ او ساجنا
لاگے مورے دل پے کٹار۔ او ساجنا۔ او ساجنا
انکھیاں ملا کے ذرا الفت کا اظہار کرو
میرے بن جاؤ گے تم اس کا اقرار کرو
آتا نہیں دل بار بار۔ او ساجنا ۔ او ساجانا
لاگے مورے دل پے کٹار۔ او ساجنا۔ او ساجنا
چاندنی آئی بن کے پیار۔ او ساجنا او ساجنا

(دوبارہ گیت تبدیل ہوتا ہے۔ شوخ قہقہوں کے ساتھ ابتدا ہوتی ہے)

سہ راہے نکڑ کنے نیم کی چھئیاں تلے
دم کو سادھے تھا کھڑا ۔ تو چلی تو وہ چلا
رستہ سارا تنگ کیا۔ بول ری سکھی کون تھا بول ری سکھی کون تھا
اک سجیلا سا نورا
بانکا رسیلا باورا
رستہ رو کے کیوں کھڑا
کیوں تیرا پیچھا کیا بول ری سکھی کون تھا
نین نچا کے چھیڑ تا ۔ سیٹی بجا کے چھیڑ تا

چٹکی بجا کے بولتا ۔ گنگنا کے چھیڑتا
دل چرا کے لے گیا بول ری سکھی کون تھا
امی کو اماں کہا ۔ ابو کو بابا کہا
بہنا کو گئیاں کہا
منا کو بھیا کہا سب پے جادو کر گیا
گھر کو آیا چائے پیا بول ری سکھی کون تھا۔
کیوں کھڑی چلمن تلے
کس کا رستہ دیکھنے
سچ بتا اُس کا پتا بول ری سکھی کون تھا۔
بول ری سکھی کون تھا

اچانک شور برپا ہو جاتا ہے۔ ''ہوشیار! خبردار!...... ہوشیار!! خبردار!! گنڈی پیٹ پھٹ گیا ۔پانی چڑھ کے آریائے ...... سب لوگاں اپنی اپنی چھتیاں پے چڑھ جاؤ''

بی جان بی : (تڑپ کر باہر نکل کر) اجی...... اب کیا کرینگے جی...... اب کیا چھتیاں پو جائیں گے!!

فیضو نواب : (جیسے کسی نے موت کی سزا سنا دی ہو) جانی...... سمجھ سے کام لیئو ...... اللہ پے بھروسہ رکھو!

بی جان بی : کیا خاک اللہ پے بھروسہ رکھنا جی ...... ارے میرے چھوٹے چھوٹے چپیاں ہیں۔ جملہ پندرہ آدمی...... ارے ہمارا چھت تو ہمارے اچ وزن سے بیٹھ جائینگا نا......

فیضو نواب : (زبردست صبر کے ساتھ ۔ بڑھتے ہوئے شور کو نظرانداز کرتے ہوئے) سب کو رونے دو۔ میں گاتا ہوں۔ تم سو جاؤ...... (بے حد درد سے چھلکتے ہوئے لہجے میں شروع کرتے ہیں)

زرحمت کن نظر بر حال زارم یا رسول اللہ ۔ غریبم بے نوائم خاکسارم یا رسول اللہ



تیز چمکتی دھوپ سے فیضو نواب کا مکان جگمگا رہا ہے۔ کھڑی دوپہر ہے۔ گھر کا ماحول روایتی نہج سے ہٹ کر کسی قدر افراتفری کا مظہر ہے۔ بی جان بی اور تمام بچے سرگرمی کے ساتھ دعوت میں جانے کی تیاریوں میں جٹے ہوئے ہیں۔

بی جان بی : (بڑی سرگرم سنجیدگی کے ساتھ) بچے ہوت!! کیم الف ۔ بے ۔ دوم ۔ ذرا پلنگ کے نیچے سے وہ بھاری صندوق کھینچ کو لالینا۔ کپڑے نکالیں گے تم لوگاں کے ۔ (دیوار

کے پیچھے سے پلٹ پلٹ کر ریکارڈ جاری ہے۔"میرا پیار مجھے لوٹادو۔ میرا پیار مجھے لوٹادو......" دو لڑکیاں وزنی صندوق کھینچ کر لارہی ہیں)۔

ارے...... ارے...... وہ جوتیاں والا ڈبہ بھی لیکو آئیو......! (دوم بے جوتوں کا بڑا سا ڈبہ لاتی ہے) اے بچے ہوت ۔ یکم دوم سوم چہارم پنجم الف بے سوب کے سوب...... اے او ششم ہفتم ہشتم نہم......

آؤرے آؤ...... سوب کے سوب آؤ...... اپنے اپنے جوتے کپڑے رومالاں سب نکال کو جھٹک پھٹک کو آپی کو دیدو اِستری بنانے...... (وقفہ)

(ریکارڈ...... سہانی رات ڈھل چکی۔ نہ جانے تم کب آؤ گے ؟ "...... بی جان بی کی آواز آتی ہے " چلو بچو چلو...... تیار ہو......؟ تمہارے ابا رکشا لیکو آتے اچ ہونگے۔ دوم بے سوم چہارم پنجم وغیرہ بالکل تیار سامنے آجاتے ہیں)۔

بی جان بی : (دونوں ہاتھ آسمان کو اٹھاکے) ماشا اللہ...... اللہ پاک تیری شان...... فقیر کی جھولی میں کیا کیا جوہر ڈال دیئے...... پرانے دھرانے کپڑے...... اپنے بچوں کے صدقے میں آپا جان بنا دیکو گئے...... ہر موقعے پے کام آئیں۔ پرانے دھرانے جوتیاں...... مگر میرے بچیاں سب سے اچ پار ہو جاتیاں...... "مرچی کالی گرم مسالہ۔ بُری نظر کا مونہہ کالا۔" (ایک غیر متوقع چیخ سے دفعتاً اچھل کر گر پڑتی ہے) یکم الف ایک حواس گم کر دینے والی چیخ کے ساتھ روتے ہوئے پاس آجاتی ہے۔ جسم پر پھنسا ہوا چھوٹا سا فراک اور نہایت اونچا غرارہ۔ ناولٹی شوز کے ساتھ مضحکہ خیز منظر پیش کر رہے ہیں۔ تقریباً آدھے پاؤں جوتوں سے باہر ہیں۔

یکم بے : (دیکھتے ہی چڑھانے والے انداز میں) ائی ہئی...... امی جوتے تو دیکھو......

بی جان بی : (انگشت شہادت سے خطرناک اوی بناتے ہوئے) اوئی...... (قریب آکر کھینچ کھانچ کر برابر کرنے اور بٹن لگانے کی کوشش کرتی ہے) ووئی اللہ...... نئی سوئی اچ لگ رائیں...... پوٹی...... مٹی پڑو (یکم بے کا ناپ لے کر) اری...... یکم بے کو جاں کے واں ہیں۔ تو کیا تُیاں ناتھ پُھل کو گئی! (پیٹھ پر ہتھڑ مارکر) ککڑی کی بیل ناتھ پھیل رئی رے...... لونڈی!!

فیضو نواب : (باہر سے) آگیئے بھی رکشے!...... آرئیں؟

بی جان بی : (بی جان بی لپک کر پردے کے پاس جاکر باہر جھانکتے ہوئے)

اجی۔ ذرا صبر و...... جی...... یاں موئی یکم الف کو کپڑے اُنچے اُنچے ہو گو گئیں......

یکم الف : امی...... میں...... میں شلوار سوٹ پر آپکی ایک ساڑی باندھ لوں ؟

یکم بے : (مٹکتے ہوئے) پہن لے...... پہن لے...... کوئی پہچانے گا بھی نئی......

بی جان بی : کواری چھی بارہ برس کی...... ساڑی پہن کو چار پچیاں کی اماں دکھنا ئی...... تھو کیں گے خاندان والے دونوں طرفاں کے...... دونوں اوپر...... (ریکارڈ " او دنیا کے رکھوالے سُن درد بھرے میرے نالے " جاری ہوتا ہے) پٹاری بندھے تکو بھرم باقی ہے۔ ہاں

فیضو نواب : اب دیر کب تک...... چلو بھی...... رکشا والے گالیاں دیں گے۔ اور بیگ لینا نکو بھولو...... کوئی نا کہے اُترنا جھاڑنے آئیں...... (جام کے درخت کے اوٹ سے دو چہرے تاک جھانک کر رہے ہیں)

بی جان بی : (یکم الف سے) تو نا ایک کام کر...... ہفتم چور ماٹی ملے کو چھوڑ کو جاتیوں (کمر میں سے تھیلی نکال کر ایک ایک روپیہ دیتے ہوئے) ۔ یہ لو۔ دونوں ایک ایک روپیہ رکھ لیو۔

ہفتم : (چلاکر) نئی نئی...... ہم بڑی بجیا، کی شادی میں ضرور جائیں گے۔ نئی رہیگے آپی کے ساتھ۔

بی جان بی : (جھاڑو کا کٹھ سنبھالتے ہوئے) ارے چور ماٹی ملے۔ جاں جاتا چوریاں مارتا۔ کوئی پکڑ لے تو لجا کو جیل میں ڈال دینگے۔ بس چپکا گھر میں بیٹھ...... آپی سکول سے گراما فون لائی ہے نا...... بیٹھ کے سُن...... ناچ گا...... ہاں...... لے اور آٹھ آنے۔ گوش لا کو دے آپی تل کو کھلاتی اے۔ (ریکارڈ...... چلے آؤ۔ چلے آؤ۔ چلے آؤ جی مجھے تم سے محبت ہے)

ہفتم : (زار وقطار روتے ہوئے) تم بریانی لُقمی میٹھا کھا لینے جارئیں...... مجے

بی جان بی : (پچکارتے ہوئے) تو ڈر نکو...... میں بھائی جان کو بول کے تم دونوں کا حصہ بندھوا کے لائیوں...... (باہر مونھہ کرکے) بس دور کشے بس...... بس ہو جاتے !! ایک ایک روپیہ جاستی دید یکو بیٹھ جاتے کتا...... ایک ایک سواری پانچ پانچ ہے...... (گویا خودسے) رکشا والے اج ہیں دھوڑ دنگڑ ئیں......

یکم الف : امی...... تین روپے زیادہ دیدیں تو ایک ہی رکشا بس نا...... اکثر دس بارہ بھی بیٹھ جاتے ہیں رکشا میں...... (ریکارڈ شروع ہوتا ہے " یاد کیا دل نے کہاں ہو تم)

بی جان بی : ...... نئی ماں نکو سو نکو...... کپڑاں خراب ہو جاتیاں۔ دیکھو! پرانے دھرانے کپڑاں...... نقلی زیوراں پہن کو کیسے پیارے پیارے لگ رئیں تمارے بھان بھائی۔

یکم الف : ...... (ماں سے چمٹتے ہوئے) امی...... ابو اور آپ بھی بہت پیاری پیاری لگ رہی ہیں

...... میں نا...... جب سرکاری ٹیچر لگ جاؤں گی...... آپ سب کو ایسا ہی رکھا کروں گی......

(رکشا والوں کی پکار۔ کیا صاحب! گھر پواچ بندہ کو بٹھالیتائیں!)

ہفتم : (ناراضگی کے ساتھ) اور مجھے......

یکم الف : ارے میرے دیوانے بھیا تجھے توراجا کی طرح رکھوں گی۔ راجا...... (یکے بعد دیگرے سب کے " خدا حافظ ...... خدا حافظ " کی آوازیں ...... رکشا والوں کی بوجھ ڈھونے سے پہلے کھنکھار کر " یاعلی مدد " کی آواز ......)



دونوں فرش پر رکھے گاؤتکیے پر پیٹھ لگائے سست بیٹھ جاتے ہیں۔ یکم الف پہلے فراک اور پھر دوپٹہ ...... اور پھر غرارہ اور پھر جوتے پھینکتی چلی جاتی ہے ...... " مٹی پڑجائے ...... آج ہی چھوٹے ہونے تھے؟ اُجاڑ کپڑے......"

ہفتم : اری پاگل...... اس میں کپڑوں کا کیا قصور ہے وہ تو دوم سوم کو آجائیں گے۔ تم جو لمبی ہوگئی ہو (ہاتھ سے بتاتے ہوئے) ہاتھی کی سونڈھ کی طرح!!

یکم : (دیدے پھاڑکر) آہاں...... یہ تو میں نے نہ سوچا......

ہفتم : (ڈھکیلتے ہوئے) تو نا اب تم کو میں پھینک دوں؟!

یکم : نہیں ناپاگل نہیں نا...... کپڑے پھینکیں گے بن جائیں گے۔ بہن کو پھینکو گے تو کہاں ملے گی۔

ہفتم : (تالیاں پیٹ کر ناچتے ہوئے) غازی بھائی کے گھر میں......

یکم : اللہ نہ کرے...... اللہ میرے امی ابو سلامت رہیں...... میں تو ان کی جوتیوں میں جیوں۔"

(باہر سے آواز۔ چاکنا۔ شکم پور۔ کباب۔ گرم گرم چاکنا ......")

ہفتم : آپی...... چاکنا......!

یکم الف : بلالے۔ لے کٹورہ دیتی ہوں دو چکنی بوٹی آٹھ آنے۔ دو شکم پور چار آنے۔ دو کباب چار آنے!!

ہفتم : (بھیگی بلی کی مانند) تمارے وَن رُپی کا نا......!

یکم الف : ہاں کنجوس مہاجن۔ میرے ون رُپی کا...... روٹی گھر میں ہالیں گے۔ رات اور کل صبح کیلئے

(رات گہری ہورہی ہے۔ ہال پوری طرح صاف ہوچکا ہے۔ یکم الف اور بے فرش پر پاؤڈر چھڑکتے ہوئے۔ بے فکری کے ساتھ)

یکم الف : لے بابا لے...... "دونوں" دروازوں کو اندر سے تالے ڈال دیئے۔ اب چورِ تو چور...... شیطان بھی اندر نئیں آسکتا۔

ہفتم : مگر اب ہم سوئیں گے ...... "کہاں ؟"

یکم الف : خوب اچھی طرح پریکٹس کرنے کے بعد گراما فون بازو کرلیں گے۔ کمرے کا دروازہ بند کر کے گانے سنتے سنتے سو جائیں گے۔ ہاں۔

ہفتم : مئی خوب اچھی پریکٹس کرا تو چار آنے دیتے ؟۔

یکم الف : اچھا بابا...... دیتے۔ دیتے۔ لیوٹ کہین کا......

دونوں اپنے اپنے کاسٹیوم میں تیار کھڑے ہیں۔ پیڑون کے پیچھے سے دو لال لال دیدے چمک رہے ہیں۔ دونوں بے خبر۔ ذرا سی ایکسر سائز ؟ کر کے ہاتھ پاؤں کھولتے ہیں۔ پھر ساؤنڈ کا ٹرائیل لیتے ہیں۔ ہفتم بار بار ہائی ٹریک پر چڑھا دیتا ہے۔ یکم الف ہاتھ جھٹک کر Slow کر لیتی ہے اور پھر میڈیم۔ یکم الف دیہاتی رقاصہ بنی ہے۔ اور ہفتم ڈھولچی ! " ریکارڈ " اک پردیسی میرا دل لے گیا۔ جاتے جاتے میٹھا میٹھا غم دے گیا۔ " چڑھا کر۔ غضب کا پُر جوش رقص پیش کرتے ہیں۔ ہفتم پھر ساؤنڈ بڑھا دیتا ہے۔ یکم "۔ ٹاپ ساؤنڈ مت کرو۔ لوگ آکے جوتے ماریں گے۔ " ...... ریہرسل۔ ایک دو۔ تین۔ بار (بارہ بجنے کے گھنٹے۔ "بس اب بس"۔ تین بار کرلیئے۔ کل صبح جلدی سے کرلیں گے۔ شام میں تو ہے پروگرام۔ " دونوں گراما فون احتیاط سے اٹھالے جاکر کمرے میں رکھتے ہیں۔ ہفتم لیور کو ہائیسٹ ٹریک پر لاتے ہی یکم چپت مار کر گراما فون بند کر دیتی ہے۔ "مت کر شیطانی !!" دفعتاً لائٹ فیل ہو جاتی ہے۔ ہفتم چیخ مار کر لپٹ جاتا ہے۔ یکم الف باہر جھانک کر "ہائیں شرما چاچا کے پاس تو ہے۔ اپنی چلی گئی۔ اور شرارت کر۔ دیکھ بند کر دی انھوں نے لائیٹ۔ ٹھہر میں لالٹین جلاتی ہوں۔"

ایک لالٹین ہال میں جل رہی ہے اور دوسری کمرے کے اندر جس کا دروازہ اندر سے بند کر کے اسٹول لگا دیا گیا ہے۔ لالٹین کی مدھم روشنی میں دونوں مختصر سے بستر پر درمیان میں گاؤ تکیہ رکھ کر چپٹے ہوئے ہیں۔ ہفتم خراٹے بھر رہا ہے۔ یکم الف کی نیند کچی پکی ہے۔ یکم الف کو ڈراؤنے وسوسے آرہے ہیں۔ کوئی شیطانی چیخ۔ کوئی غیر مرئی ہیولا ...... جس سے نیند اُچٹ۔ اچٹ جاتی ہے اور وہ بدبدانے لگتی ہے۔ " **لاحولا ولا قوۃ الا باللہ**...... دفعتاً صحن میں کسی وزنی وجود کے دھپ سے گرنے کی آواز آتی ہے۔ ساتھ ہی "آہ" سنائی دیتی ہے۔ یکم الف دہشت زدہ سی اُٹھ کر دروازے سے متصلہ کھڑکی میں چڑھ کر اوپر والی جالی سے جھانکتی ہے۔ مرکزی ہال میں کوئی شخص سوچ میں غلطاں کھڑا دکھائی دیتا ہے۔ یکم

: پھرتی کے ساتھ بے آواز آکر ہفتم کو جھنجھوڑتی ہے اور سرگوشی میں۔

یکم : ہفتم...... ہفتم اٹھ بھائی! اُٹھ جا بھائی۔ ارے اٹھ جا بھیا۔ ہفتم......

(قدموں کی ہلکی ہلکی محتاط چاپ اور پھر بند دروازے پر ہلکے ہلکے ٹھونگے کی آواز جیسے کوئی بھرپور اعتماد کے ساتھ دروازہ کھولنے پر اُکسا رہا ہو)۔

"اٹھ جا بھائی...... اُٹھ!! اپنے گھر میں چور کودا......!"

(دروازے پر ملائم ٹھونگوں کا وقفہ کم سے کم تر ہوتا جارہا ہے۔ یکم ہلکی سے چمٹی لیتی ہے۔ ہفتم تلملاکر کروٹ بدلتا ہے؟......) "اٹھ ہفتم۔ گھر میں چور گرا۔"

ہفتم : (بڑبڑاکر اٹھ جاتا ہے۔ یکم اس کے مونہہ پر ہاتھ رکھ دیتی ہے) آپی...... شیطان نکلا...... ؟ (لالٹین بھڑک کر بجھ جاتی ہے۔ یکم اور ہفتم کے مونہہ سے "ارے اللہ نکلتا ہے")

آواز : (مٹھاس سے لبریز) ہم...... کھولو...... (کھٹکا) کھولو...... (کھٹکا) دروازہ کھولو......

(دونوں بچے روہانسے ہوکر چمٹ جاتے ہیں) ہفتم...... آپی۔ فارمولا فارٹی فور۔" اچانک بھیانک بہت ہی اونچی مردانہ چیخ کے ساتھ ہی دونوں کی چیخ کے ساتھ دونوں کا پیشاب خطا ہو جاتا ہے اور وہ گاؤ تکیے میں کھپ جاتے ہیں اور باہر بھگدڑ کی آواز کے ساتھ تالے لگی زنجیروں کی کھینچا تانی سے پیدا ہونے والی جھنجھناہٹ ظاہر کرتی ہے کہ نامعلوم شخص نے دونوں دروازے آزمالیئے ساتھ ہی دو تین بار چھلانگ اور نیچے گرنے کی آواز "دھپ۔ دھپ۔ دھپ۔" کے ساتھ میٹرئیل گرنے۔ کسی کے پھلانگنے کے ساتھ چوٹ لگنے کے باعث نکلنے والی ڈراونی مردانی آوازوں کا "مشترکہ شور"۔ اب ٹاپ فریکونسی پر انتہائی سُست رفتار سے بجنے والا ریکارڈ "کاؤن...... پرا...... دیسی...... ی......" ظاہر کررہاہے کہ ہفتم نے اندھیرے میں گراما فون ہی آن کیا۔ دروازے پر زوردار کھٹکے کے ساتھ زنانی اور مردانی آواز......

آواز : "کھولو...... یکم ہفتم...... دروازہ کھولو!" (یکم ایک لاش کی مانند اٹھتی ہے۔ سوئچ دباتی ہے۔ لائیٹ نہیں آتی)

یکم الف : (کھڑکی میں سے) آئے خالہ جان......ابھی آئے۔

(ہفتم بھی اٹھ جاتا ہے۔ دونوں ہال میں آکر لالٹین کی بتی بڑھاتے ہیں۔ دوروازہ کھولتے ہیں۔)

۱

عالیہ بیگم : ہوا کیا ہے۔رات کے تین بج رئیں۔گراموفون ہے یا قیامت......

یکم الف : چور کو دا خالماں...... لائٹ بھی نئی ہے! اندھیرے میں بند کرنا نئی آرہا ہے۔"

(عالیہ بیگم اور اُن کے شوہر دونوں اندر آتے ہیں۔" فرش پر بہتے پانی کی دھاروں کو دیکھ کر)

عالیہ بیگم : ارے ارے۔رے رے۔پوتا ئین کا پیشاب خطا ہو گیا رے اللہ!

(یاسین صاحب آگے بڑھ کر گراموفون بند کردیتے ہیں۔ یکم روتے ہوئے) "ہم کو بہوت ڈرایا خالماں"

ہفتم : خالہ اماں! شیطان تھا شیطان۔ دھپ دھپ دھپ کر رہا تھا۔"ہم لوگاں...... دے مار مار کے بھگائے......!!

دونوں میاں بیوی : یکم موقعہ تاک کے چور اچ کودا ہونگا...... اچھا کرے مار مار کے نکالے...... "چمبار کے دیو کو چپل کی پوجا۔"......

یاسین صاحب : چیخاں تو ہم بھی سنئیں......!

عالیہ بیگم : ہو جی ہو چور کی ممبڑی چاوڑی پے...... چوری چکاری بھی کرتیں الا...... الا کے ڈراتیں بھی......!! چلو ہم بازو ہوشیار اچ ہیں۔ اللہ کا نام لیکو سو جاؤ...... دونوں۔



(لی جان لی کمر پر ہاتھ رکھ کر کھڑی انگلی سے بجلی کے سروس وائیر کی جانب اشارہ کررہی ہیں۔ جو شرما صاحب کی کھڑکی اور چھت کے درمیان کٹ کر لٹک رہا ہے۔ دوپہر ڈھل جاتی ہے۔ یکم الف اور ہفتم بے اپنی اپنی رکابی میں لقمی ہریانی کباب لیئے کھانے کی کوشش کررہے ہیں۔ باہر گلی میں فیضو نواب کی آواز کا زیر و بم اور کھڑکی میں حرکت کرتی ہوئی تالو بتلارہی ہے کہ وہ سخت ذہنی پراگندگی کا شکار ہیں۔

لی جان لی : ادے لنیٹ کیوں نئی آرئی اے بولے تو وان...... تار کٹ کو لٹک ریائے نا۔ کوئی ذرا صاحب کو بول دیو رے۔

فیضو نواب : (باہر سے آتے ہوئی آواز) نئی نئی نئی......اب یہ محلہ...... یہ محلہ رہنے کے کام کا نہیں

رہا (دونوں ہاتھ دونوں کولہوں پر دھرکر) گذشتہ پندرہ سال سے اس محلے میں مسلمہ شرفاء رہتے آئے ہیں۔ اور اب تو چور اُچکے بھی آنے لگے۔

ہائیں...... ایک رات...... صرف ایک رات کیلئے گھر سے گئے تو گھر میں چور کودا...... میں پوچھتا ہوں مالن بی آپا...... چور کو معلوم کیسا ہوا کہ ہم لوگ نہیں ہیں............ میں پوچھتا ہوں چنولی آپا......

کیا ساری دنیا کو معلوم نہیں ہے مئی محلہ کا سب سے زیادہ کثیر العیال سب سے زیادہ غریب میری چدر میرے کواچ "پر" نئی پڑتی۔ سر ڈھانپتا ہوں تو پاؤں باہر نکل جاتے ہیں۔ پاؤں ڈھاپتا ہوں تو سر نکل جاتا ہے...... میری کونسی گوڈری لعلوں سے بھری پڑی ہے؟ آخر دھرا کیا ہے؟ میرے پاس دھرا کیا ہے......

زہرہ بی آپا...... بتول بی آپا...... چل کے دیکھ لیو...... چور دیوار پھاند کے کودا...... سارے گھر کی تلاشی لیا۔ کچھ نہ ملا تو جوں آیا توں جانے کی کوشش میں بیت الخلا کی دیوار کی منڈیر گرا ڈالا...... مرے کو مارے شاہِ مدار......

(ہشتم ب ہاتھ میں کچھ دبائے بھاگا چلا آتا ہے۔ فیضو نواب رپٹ کر پکڑلیتے ہیں) بول۔ کہاں گیا تھا۔ کیا چھپا کے لیجارائے...... بول...... نئی تو آج تیرا قضیہ اچ پورا کر ڈالتوں...... رہے بانس نہ بجے بانسری!!

(زبردستی ہاتھ کھولتا ہے لقمی دیکھ کر حیران ہوتے ہوئے) لقمی؟ لقمی؟ لقمی کیوں اٹھالے گیا باہر؟...... بیچ کے آنے؟

ہشتم ب : (روہانسا ہوکر) ہمارے فرینڈ کو لقمی دینے گئے تھے۔

فیضو نواب : اچ چھا...... اب دوستاں بھی پال رہائے...... چاٹنے کو چٹنی نئی...... مونچھوں پے گھی کا تاؤ ......بتا کہاں ہے تیرا دوست...... چل مئیں کھلاتوں اُسے لقمی......

ہشتم ب : (غازی صاحب کے گھر کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) ابو۔ اُن کا "ایاسی ڈن" ہوگیا۔ اُن کی ٹانگ ٹوٹ گئی۔ پٹی ڈال کے لٹکادیئے۔ انھوں لقمی نئی کھاتے بولے۔ بولے نا آپ غازی بھائی؟

فیضو نواب : "ارے غازی میاں" اتنا بڑا آدمی ہے تیرا دوست؟

ہشتم ب : (اقراراً سر ہلاتے ہوئے) پکّے۔ پکّے...... پنڈو! دوست ہیں ہمارے۔ روز چاکلیٹ کھلاتے میوے کھلاتے۔ گھما کے لاتے۔ ہم بی اُن کو اپنا حصہ کھلاتے۔ (متھارنے کی کوشش میں) ابو...... میں غازی بھیا کو شاہی ٹکڑے کھلائیوں؟"



رات گہری ہوچکی ہے فیضو نواب کے گھر کا روایتی ماحول برقرار ہے۔ صرف کمرے میں زیز و نمبر کا بلب جل رہا ہے۔ مرکزی ہال میں سٹریٹ لائیٹ کی روشنی کھڑکی کے ذریعے آتے ہوئے جزوی روشنی پھیلا رہی ہے۔ تمام لوگ ہال کے نچلے حصے میں کھلے حصے کو سربھانا۔ دیوار کو پائینتی کیئے سورہے ہیں۔ فیضو نواب کروٹ پر کروٹ بدل رہے ہیں باہر وقفے وقفے سے پنڈت کی چیخ و پکار ماحول میں ارتعاش پیدا کردیتی ہے۔

فیضو نواب : ''سالا! جب خم ٹھونک کر پی جاتا ہے تو ساری بستی کو سر پر اٹھالیتا ہے۔ آنکھ جھپکنے نہیں دیتا مرتا بھی نئی سالا...... ایسوں سے تو موت بھی کوسوں بھاگتی ہے۔''

پنڈت : ارارارے ......رے ظالم مارڈالا ...... مارڈالا ظالم۔ (کھڑا ہوکر ہتھیلی سے مونہہ کو گانے والے انداز میں آڑ کرتے ہوئے) کون ہے رے!!

فیضو نواب : لیو شروع ہو گیا...... کون ہے۔ تمارا باپ۔ سالے پی کے آجاتے ہیں۔ خوب ہلڑ مچاتے ہیں

پنڈت : حرامزادے باہر آ...... آ...... (لانبی چیخ) آہاہا...... ہا...... ہا۔ (روہانسی آواز میں) ارے آنکھیاں پھٹے دلارام ...... جنے والی میرے احسان کو جنی؟ کیا رے۔ میرے سر کو رادھاجی کی گگریا۔ سمجھا۔ کنکراں مار مار کو عاشقیاں کرنے ...... تیری میاء تجھے روئے!

فیضو نواب : صبح تو ہونے دو...... اس کو تو پولیس کے حوالے کر کے اچ دم لیوں گا۔ (ادھر فیضو نواب پر نیند کا غلبہ ہوتا ہے اُدھر پنڈت کے دوچار خراٹے سنائی دیتے ہیں که پنڈت تلملاکر اٹھ بیٹھتا ہے)

پنڈت : مرگیا...... آ...... آ...... مرگیا...... ہے بھگوان یہ کیا اندھیر ہے۔

فیضو نواب : (کھڑکی کے باہر سرڈال کے) پنڈت۔ چُپ چاپ سوجا ...... محلہ سارا سر پو مت اٹھالے کو بیٹھ ...... ارے۔ پینے بیٹھے تو بھچے کو گدی سے ہدھ کو نئی بیٹھنا۔

پنڈت : پاؤں پڑتوں صائب ...... کیا کروں جننے والے بے غیر تاں سور جن کو چھوڑ دیئیں۔ شیطانی پول۔ بدمعاش کہیں کے ...... (لچک سے) کچی دیوار پو تاکے جیسا نشانہ تاک کو کنکراں چلارئیں صائب!...... (سرسہلاتے ہوئے) آ...... ہا...... ہا...... ہاؤ......

فیضو نواب : بکواس بند کر پنڈت!! دو بجے رات کون اپنی نیند خراب کر کے تجھے ''کنکراں'' مارے گا تُو کونسا گاؤں کی گوری ہے...... بستر میں کھٹمل خوب جمع ہو گئے ہوں گے۔ صبح دھوپ دکھیا۔ (دونوں اپنے اپنے بستر میں دبک جاتے ہیں۔ مختصر سے وقفے کے بعد پنڈت کے چند خراٹے اور پھر برجستہ چیخ ......")

پنڈت : آہاں ...... ہا ...... ارے ...... مارڈالا۔ مارڈالا ...... مر گیارام مر گیا۔ (انتہائی جارحانہ انداز میں اٹھ بیٹھتا ہے) رانڈ کی اولیاد ...... کُتیا کے پلّے۔ اب تو مئی تجھے زندہ نئی چھوڑوں گا ...... (برجستہ اشاروں کے ساتھ) یاں اچ۔ کھود کے زندہ دفن کر دیوں گا ...... ارے۔ رے۔ رے ...... رے رے کچے گومڑے آگئے ہیں (اچانك روتے ہوئے زمین پر پے بہ پے ہتھڑ مارتے ہوئے) ترے گھر کی جائے ڈھیلہ نکور ہورے ...... تیری جوانی جنگل بسورے ...... تیری جورو رانڈ ہو جاؤ ...... تیرا تن کتے کو ئیاں کھاؤ۔

فیضو نواب : (غیر معمولیٰ بیزارگی کے ساتھ) ارے کیا جی۔ پنڈت تم پھر شروع ہو گئے۔ کیا کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ رہے ہو۔ ڈر ڈر کر کیوں اٹھ رہے ہو جی۔ پہلے اچ نیند کے بغیر برا حال ہے۔ اس پر آنکھ لگتے ہی تم اُدھم مچارہے ہو ...... ذرا جی کو سنبھالنا ...... پی لینے کے بعد کئی کئی ذیلی رد عمل یعنی Side effects ہوتے اچ ہیں ......

پنڈت : (دھوتی سنبھال کر چین بہ چین ہوتے ہوئے) تم لی ایک ...... مجھے اچ بول رئیں سید صاب ...... مئی کونسا پی پا کے پڑوں ؟ کل اچ جاترا کر کے سر مُنڈا کے تروپتی سے آئیوں یہ دیکھو (گومڑے بھری تالو دکھلاتے ہوئے) مونڈے سر کو پتھراں مار مار کے گومڑے گرادیا کون کی اچ ...... سونا حرام کر دیا ...... حرام زادہ۔" (روتے ہوئے) ڈبل کپڑا لپیٹ کے لیٹوں بھی تو پتھریوں لگتا ئے جوں کچی دیوار میں ہنڈہ بیٹھے۔ کیا کروں۔ مجبوری ہے۔ دوکاناں کی نگرانی نئی کریا تو یہ (اشارہ کرتے ہوئے) پاپی پیٹ کون بھریگا ؟ الی چار اچ دن پہلے تمارے یاں چور نئی کودا، سارے میہلے میں غلغلہ ہے۔

فیضو نواب : (کھڑکی سے آدھا دھڑ باہر ڈال کر) ہوٗ۔ پنڈت ہوٗ ...... چور کودا ...... چور کو پکڑنے جا کے بچارے غازی میاں ٹانگ تڑوالیئے۔ معلوم ہوتا ہے وہی کم بخت آج تاک لگا کے تم کو ہٹانا چاہ رائے دُکان سے ......

پنڈت : (ازسرنوجوش میں آتے ہوئے) آئی ہاں ...... سولہ آنے گھٹ بات بولے صائب۔ سمجھا۔ اب سمجھا۔ (پوری قوت سے) سُن لے کالے چور ...... میں بھی ایک اچ ہوں کایان۔ اب تو گوند لگا کے بیٹھیوں ...... تیرے باپ کو نئی ہٹنے کا ...... دیکھ لیئتوں کیسے ہٹاتائے ۔

فیضو نواب : باس ...... باس۔ بَس۔ ڈٹ جا پنڈت جم کے۔ مئی بھی لاٹھی لیکو تاک میں رہتوں۔ (گھر کے اندر سے ایک منکی کیپ Monkey Cap پنڈت کی جانب پھینکتے ہوئے)

لیو......اندر رومال رکھ کے یہ کان ٹوپ چڑھالیو......

پنڈت : (ٹوپی جھپٹ کر لیکر) جیوراجا جیو!! اب اٹھوں گا اچ نئی جگہ سے...... آج یا تو اُنے اچ یا تو مئی اچ...... سپڑ گیا تو آواز ضرور دیوں گا جی۔

فیضو نواب : ضرور دینا......رام رام جی۔

پنڈت : خدا حافظ صائب...... (وقفہ)

(دریں اثنا دوبار پنڈت کے اُچھلنے کر اہنے اور کڑکڑانے کی آواز آتی ہے)

آ......ہا......ہا کلموہا......اب آزاد نشانہ لگارائے......ارے......آہاہا...... (وقفہ)

اہہ...... ہہ...... ہہ...... سوُر کی اولاد...... (دبے دبے قدموں سے چلنے کی آواز فیضو نواب جھٹ سے اٹھ کر ڈنڈا بجاتے ہوئے)

فیضو نواب : کون ہے رے ؟

ہفتم بے : (مسکینی کے ساتھ، رونی آواز میں) مئی ہوں ابو...... ہفتم بے!!

فیضو نواب : (ملائیمت سے)بار بار کیوں اٹھ رائے رے...... نیند نئی آئی کیا؟

ہفتم : (انگلی سے اشارہ بتاتے ہوئے) نمبرون......باروں بار آریائے!!

فیضو نواب : ہائیں۔ کیا گھڑا بھر کے پانی پی گیا رے...... ؟ آج تو کھانا خوب اچ کھایا تا!! خیر سو جا۔(وقفہ)

پنڈت : ارے رے...... رے...... ہائے ہائے ہائے (اٹھ کر ہاتھ پٹخ پٹخ کر) کیا جم کے مار دیا سیدھا کان میں...... ارے تیری اماں تجھے روئے...... تیری جورو رانڈ ہو جاوے...... (وقفہ) ارے وہ کمینے...... ننگے...... رادھے کی گاگر پو شام کنکریاں مارے تاتھ چھپ چھپ کے مارتا ہے رے ؟ ارے مرد! کی اولاد ہے تو سامنے آ...... (وقفہ)

فیضو نواب : (جھپٹ کر پردے کے پیچھے چھپے ہوئے لڑکے کو دبوچ لیتے ہیں ۔)کون ہفتم...... ؟ تویاں کیا کررائے رے ؟

ہفتم : (ہاتھ سے مونہہ اور ناک کو چھپاتے ہوئے) پنڈت چاچا کو دیکھ رہا تھا۔

فیضو نواب : (ہاتھ سامنے کھینچ لیتے ہیں ۔ ہاتھ میں غلیل اور جیب سے مٹھی بھر پتھر برآمد کرتے ہیں) غلیل ؟...... اور یہ اتنے سارے پتھر ؟ (بال پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے) ارے او کفن چوز کی اولاد...... وہی تو میں کہوں ہوں تو ادھر پیشاب کو اٹھتا ہے......اُدھر پنڈت چلاّتا ہے !! (مونہہ پر تھپڑ لگاتا ہے ۔ ہفتم بے گھٹ گھٹ کر رونے لگتا ہے ۔ بی جان بی جاگ پڑتی ہیں)۔دیکھو......

دیکھو اس حرام خور کو...... بیسوں پتھر مار مار کے پنڈت کی تالو کو ابلا ہوا رتالو بنادیا (پتھر دکھاتے ہوئے) اور ابھی اُس اوپن ٹاپ پر اتنے ختم کرنے بیٹھا تھا......

بی جان بی : (اٹھ بیٹتھی ہیں اور تلتلاکر) یا اللہ! یہ اولاد ہے یا قہر...... ارے نامراد...... پنڈت کی بد دعا لگ گئی تو کلمہ نہ نکلے گا موںہہ سے۔ پانی نہ منگے گا...... کیا سمجھارے اُس آدمی کو ؟ اُس کی عزت اُس کا افتخار سارا محلّہ جانتا ہے۔ (فیضو نواب سے) لیجاؤ جی...... فی الفور لجا کے ڈال دیوُان کے پانواں میں...... یوں بھی جان جاتی ہے وؤں بھی جاتی......

(ہفتم توبہ کرتا ہے ۔ گڑگڑاتا ہے ۔ بیٹھکیں مارتا ہے ۔ لیکن فیضو نواب چیخنے چلانے کی پرواہ کیے بغیر گھسیٹتے ہوئے لیجاکر غلیل اور پتھر سمیت پنڈت جی کے قدموں میں ڈال دیتے ہیں)

فیضو نواب : (ہاتھ جوڑکر) بابا۔ اوپر والا میرا الگ نہ تمارا الگ۔ موںہہ بولے تو بندہ ئُے۔ دل بولے تو رب...... بابا...... تمھاری ہائے لگ کے مرنے سے تو بہتر ہے تماری مار کھا کے مر جائے۔ تماری ہائے لگ گئی تو چوپٹ ہو جائیں گے سارے کے سارے۔

پنڈت جی...... لیوُ...... یہ ہے تمارا چور...... بی جان بی اس کی ماں نے تمارے یاں بھیجایا ہے

(دریں اثناء پنڈت جی جو چبوترے پر دونوں ٹانگ لٹکائے ۔ تولیہ اوڑھے بیٹھے ہیں ۔ یہ سُنتے ہی نیچے اتر آتے ہیں ۔ بدحواسی میں اپنی دھوتی کی گرہ ڈھیلی ۔ تنگ کرتے ہوئے دائیرہ نما گھومتے ہوئے)

پنڈت جی : سیاء رام سیاء رام...... سیاء رام۔ پاپ۔ پاپ پاپ۔ ادے اتی رات گئے۔ اتے ذرے بچے کو بستر میں سے اٹھا کے لانا...... گھور پاپ !!

فیضو نواب : پاپ ہے یا پن۔ یہ فیصلہ آپ بعد کیجئے (چلاتے ہوئے) ساری رات جاگ جاگ کر آپ کو اور مجھے جگائے رکھ کر آپ کو پتھر مارنے والا نامراد...... پاپی یہی ہے...... لیجئے...... مار پھینکئے یا معاف کیجئے۔ ہم صبر کرلیں گے۔ ہونہہ !! فتنہ ہے فتنہ !! فتنہ !! فتنہ !!

پنڈت : (غور سے دیکھتے ہوئے) یہ بچہ...... سید صاحب ! آپ کا بچہ...... ادَے کیا جی ! سر منڈواتے ہی کچے سر پو پتھر مار مار کے پھوڑا بنادیانا...... تمارا بچہ۔

: بھیا۔ میرا بچہ نہیں شیطان کا بچہ...... !!

پنڈت : سچی بولے۔ وہ تو دکھیچ رہائے۔

فیضو نواب : (دھکہ دیکر پیروں میں گراتے ہوئے) اب تم اسے مارو یا کاٹ کے ٹکڑے کرو۔ اب میں اسے گھر سے نکال دیا ہوں۔ اب نئی رکھونگا گھر میں۔ (ہفتم کو وہیں چھوڑکر فیضو نواب تیزی سے واپس آتے ہیں اور درولزے کے ساتھ ساتھ دونوں میاں بیوی کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں۔ جن کے کانوں میں رہ رہ کر ہفتم کی ڈراونی چیخیں گونج رہی ہیں) ابو...... ابو...... ابو...... مجھے چھوڑ کے نکو جاؤ...... پاؤں پڑتو ُں...... پھر نئی کروں گا ابو پنڈت میر اگلا کاٹ ڈالینگا...... ابو۔ ابو۔ ابو...... مجھے معاف کر دیو۔ ابو۔ امی۔ امی۔ مر گیا امی۔ مرگیا ...... ابو (پنڈت کی آواز گونجتی ہے۔)

"آ بھتیجے۔ چھپ جا میری چادر میں...... آ...... چل آ۔ اپن دونوں گرم گرم سو جائیں گے۔"

(دور ڈھولک پر گیت جاری ہے " ایروا کی وچندنا ایر وا کی کاولنا)



فیضو نواب کے گھر کا روایتی منظر۔ لی جان لی کھٹیا پر بے دم پڑی ہوئی ہیں۔ حکماء کے روایتی کاسٹیوم میں حکیم صاحب تشریف لاتے ہیں۔ فیضو نواب پرانی کرسی جس پر بدوں کی کھپچیاں لگا کر کشن جمایا گیا ہوا ہے اچھی طرح جانچ کر احتیاط سے اٹھا لاتے ہیں اور حکیم صاحب کو بٹھاتے ہیں۔ جو نبض دیکھتے ہی کہنا شروع کرتے ہیں۔

حکیم صاحب : عمر بتیس کے آس پاس...... طبیعت ہول کرتی رہتی ہے۔ نیندیا تو آتی نہیں جب آتی ہے تو غشی کی حالت۔ بھوک نہ اشتہا۔ کھانا ہضم بھی ٹھیک سے نہیں ہوتا۔ دل اُچاٹ...... کبھی کبھار اسے دورے بھی پڑ جاتے ہیں...... کمزور بے حد ہے۔ خون برائے نام بھی نہیں رہا ہے

لی جان لی : (ہولے۔ ہولے) ہول لگا رہتا ہے۔ کمزوری اتنی جیسے جان ہی نہ ہو...... نچلے پیٹ میں میٹھا میٹھا درد لگا رہتا ہے۔ پھر اکثر غش آجاتا ہے۔

حکیم صاحب : بچے کتنے......

لی جان لی : نہم......

حکیم صاحب : نہم...... نو بچے...... نو...... ؟

فیضو نواب : جملہ تیرہ صاب!! پانچ سینگل چار ڈبل۔

حکیم صاحب : (حیرت کے ساتھ) سب حیات ہیں۔

فیضو نواب : گذر گئے سونا ہو کے۔ تین گزر گئے۔ تین پیٹ گئے ساب!!

حکیم صاحب : (کرسی سے اچھل) انیس ...... گویا انیس !! (واپس کرسی پر گرتے ہی کرسی الٹ جاتی ہے ۔ کشن اور جمائی ہوئی کھچیاں بکھر جاتی ہیں) ۔

حکیم صاحب : (بہ مشکل اٹھتے ہوئے) ایک منحنی سی عورت اور انیس بچے ...... لاحول ولا قوۃ الا باللہ ...... (اپنی چھڑی فیضو نواب کی ناک پر دھرکر) نبی کریم کا ارشاد ہے سب سے اچھا کنبہ وہی ہے جس میں رونے والے کم ہوں یعنی مختصر خاندان ......

ہمارے ملک میں ۔ چاول گیہوں پھل پھلاری ہی نہیں ، بچے بھی فصلوں میں پیدا ہوتے ہیں ۔

لاحول ولا ...... (اپنا بستہ اٹھاکر تیزی کے ساتھ بھاگ پڑتے ہیں) میاں دوائی خاک کرنا ہے ۔ بس عود اگربتی تیار رکھو .... اب باقی ہے کیا ؟

(فیضو نواب جو گری ہوئی کولتھیاں سمیٹ رہے تھے جن کے ہاتھ میں کرسی کا ٹوٹا ہوا پایہ ہے اسی حالت میں حکیم صاحب کے پیچھے دوڑے چلے جاتے ہیں۔ دونوں کے بھاگنے اور چلانے کی آوازیں آتی ہیں ۔)

فیضو نواب : حکیم صاحب ...... حکیم صاحب ...... رُکیئے سنئے تو ...... سنئے ......

حکیم صاحب : اب میں تو نئیں میرے فرشتے بھی نئی سنیں گے ....

فیضو نواب : ارے بھئی سن تو لو ...... سنو تو !!

حکیم صاحب : ارے میاں انسان ہو یا خبیث ...... چھوڑو میرا پیچھا ...... کوئی بھی مرنے والے کو بچائے گا ...... جو مر چکا ہو اسے زندہ کون کرے گا ۔ جاؤ ...... جاؤ ...... وان خالی سانس چل رہی ہے ۔

فیضو نواب : ارے تم حکیم ہو یا پاجامہ ...... حکیم دم غوط ...... (تھکے ہارے ۔ ناکام ۔ دم دم ہوکر لوٹ آتے ہیں اور پایہ پٹخ کر) لاولد ...... کم ظرف کہیں کا ...... نظر لگا کے گیا میرے بچوں کو ...... (اپنے آپ سے) نہ خود آپ جئیں گے ۔ نہ دوسروں کو جینے دینگے ۔ گنجا چاہئے سارا جگ گنجا ہو جائے ۔ " پالنے کے خوف سے اولاد کو مار دینا ...... اُن سے زندگی کا حق چھین لینا ...... پاپ ہے مہاپاپ !! لاحولا ولا قوۃ الا باللہ ! (ہفتم تکیہ چادر سنبھالے اندر آرہا ہے ۔ فیضو نواب اور بی جان بی چونک پڑتے ہیں) ارے ! تو کدھر سے آرہا ئے ؟ ...... ڈال دیا نہ اماں کو بستر پے ؟ !

ہفتم : پنڈت چاچا کے پاس سے آریئوں ۔ (تکیہ چادر دکھلاتے ہوئے) اب سے یاں اچ رکھنا ہے ۔ اور ان کے ساتھ سونا ہے ۔ اب میں ان کا بیٹا ہوں ......

فیضو نواب : (ہاتھ جھٹک کر) خس کم جہاں پاک...... ہش۔ (نہم سامنے آکر چونچلے سے دونوں ہاتھ اٹھا دیتا ہے۔ فیضو نواب گود میں اٹھاکرکندھوں پر چڑھالیتے ہیں۔ قریب آکر بی جان بی سے) مجانی...... پریشان مت ہوؤ...... میں بڑے ڈاکٹر صاحب کا سفارشی خط لاکر تم کو عثمانیہ میں شریک کرواتا ہوں۔ عثمانیہ...... شاہی دواخانہ، ہندوستان بھر کا بہترین دواخانہ ہے۔ مہینے بھر میں تروتازہ نئی دولہن بن جائیں گے تمے۔

لی جان لی : (مایوسی اور عاجزی کے ساتھ) بس کرو نواب صاحب...... قبر میں پاواں چھوڑ کو بیٹھیؤں بس! ہوا کا دھکا کافی ہے۔ کیا خاک دولن ہوں گی جی (حسرت و یاس کے ساتھ) حجلۂ گور میں سامان عروسی ہوں گے

لاش آرام سے سوئے گی سہاگن بن کر

فیضو نواب : (آبدیدہ ہوکر بھرّائی ہوئی آواز میں) ! آہ۔ آہ یہ کیا بول دیئے مجانی ...... ارے میرے دل کی میرے گھر کی رونق تیرے سے ہے رے۔

لی جان لی : صائب! زندگی کا قرضہ اتارنا تھا۔ اتار دیئے جی۔ تیرہ مونہہ کلمہ گو کھڑا کر دیئے۔ وہ اچ سلامت رہن تو بس ہے۔ بچیاں نئی سووالوں کو موت نئی آتی کیا...... ؟

(قدموں کی چاپ ہلکی سی دستک اور خاتون کی آواز : " دلہن بیگم ")

لی جان لی : (سرپر پلو درست کرتے ہوئے اٹھنے کی کوشش میں) جی ممانی جان۔ آیئے۔ آداب! (ادب سے جُھك کر پاؤں چھوتی ہے۔ فیضو نواب آگے بڑھ کر سلام کرتے ہیں۔ سارے بچے خوشی سے چلا پڑتے ہیں) "دادی ماں آئے دادی ماں آئے۔" (خاتون اندر اور بی جان بی کے قریب آکر)

ممانی جان : جیتی رہو۔ سدا سہاگن رہو۔ دودھوں نہاؤ۔ (فیضو نواب انتہائی سہمی ہوئی حالت میں اچھل کر دور جاکھڑے ہوتے ہیں) پوتوں پھلو۔

فیضو نواب : (اشارے سے بی جان بی کو پاس بلاکر) ان کے دعاؤں کی چکر میں نہ آنا...... بڑی ظالم دعائیں دینے والوں میں ہیں۔ اچھا سنو...... میں ذرا ماتادین کے پاس جاتوں (مزید آہستہ) وہ بڑا امیدری لوٹا ہے نا۔ رکھاد کیے ایک بیس پچیس روپے لالیتوں۔

لی جان لی : وہ تو آپ کے بچپن کے دوست حفیظ بھائی منگوالیئے ہیں۔ ہفتم سے......

فیضو نواب : (یکم الف سے) بیٹے...... کوئی تو چیز ہو جسے رکھ کے بنیاء پیسہ دے۔ سخت ضرورت ہے۔ دادی آئی ہے۔ (بچی اپنے پاؤں سے چین پٹی نکال کر دیتی ہے) ہفتم کے ہاتھ سے چاول گوشت سبزی اور کرایہ آمدورفت پانچ روپے بھجواتا ہوں۔ امی کو بول دیو

ممانی جان کو کھلا پلا کے کرایۂ آمد و رفت ہاتھ پے رکھ کے بھجانا۔ میں سیدھا دفتر چلے جاتوں۔ میرے ڈبے میں روٹی کا ٹکڑہ۔ اچار رکھ دیئے۔ ناشتہ وہیں اچ کرلینوں گا۔

(وقفہ ...... زور سے کھٹکا ہوتا ہے بی جان بی نقاہت سے) کون ہے؟

آواز : اماں! میں رکشاوالا۔ ابی گھنٹہ بھر پہلے زنانی سواری لا کے اُتاروں نا۔

بی جان بی : ہو...... لائے...... اب کیا ہے!

آواز : اُن سے پوچھو۔ کچھ گراپڑا تو نہیں نا؟ کچھ بھولے بھالے تو نئی نا۔

ممانی جان : (دروازے پر آتے ہوئے) ای میں لائی کیا۔ میں بھولی کیا۔ کیا گراپڑا۔

رکشاوالا : اجی اماں جان ذرا دیکھ لیو...... اچھی طرح دیکھ لیو۔ چوٹی کا پھندنا۔ موباف۔ دستی۔ رومال۔

ممانی جان : اے بیٹا۔ میں بڈھی۔ مجھے پھندنا کان کا۔ موباف کان کا۔ رومال (گھبرا کے کمر ٹٹولتے ہوئے۔ رنگ فق ہوجاتا ہے ار گھبرائی ہوئی آواز میں) رومال...... ائی رومال بیوہ پنشن کے ایکسو بیس روپے اور کاغذ۔

رکشاوالا : (بڑی ہی خوش دلی کے ساتھ) کیا بولیا میں۔ بولیا نئی اچھا سوچ لیئو...... اے لیئو...... یہ اچ نا دیکھ لیو۔ گن لیو۔ سوب برابر ہے کہ نئی!! (بڑا سا ریشمی رومال جس کے کونے میں کچھ بندھا ہوا ہے دیتا ہے)

ممانی جان : (بڑبڑاتے ہوئے) تمارا کرایہ نکال لے کو ٹھونس لی نا کمر میں۔ گر گیا سمجھو۔ (بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ دوہاتھ اٹھاکر) یا اللہ۔ یا اللہ تیری دنیا میں ایسے نیک غریب بندے بھی ہیں۔ میرے مالک! سبحان اللہ! اللہ سواسوبرس کی عمر دے ہر نیک ہر ایک بندے کو آباد آباد رکھ۔ آمین (بی جان بی کان میں کچھ کہتی ہیں۔ ممانی جان چلمن ہٹاکر ہاتھ بڑھاکر) بیٹا! یہ بیس روپے رکھ لے بیٹا...... اپنے بال بچوں کو کھلا پلادے! (دونوں خواتین جھانکتی ہیں۔ رکشا کبھی کا جاچکا ہے) ہائیں۔ اللہ کا نیک بندہ...... بے لوث۔ کچھ لیئے بغیر چلا گیا...... (پھوٹ پھوٹ کے روتے ہوئے) دل ہے جی یہ دل۔ کسی شاہ کے سینے میں فقیر کا کنگال دل ملتا ہے۔ اور کسی کنگال فقیر کے سینے میں سخی حاتم بادشاہ کا دل۔

بی جان بی : (تھکن کے ساتھ) سچی...... بھی۔ خاندانی شریف زادہ ہونگا ممانی جان۔

ممانی جان : (سرہلاتے ہوئے) بیشک ماں! بیشک! خون بولتا ہے۔ خون آپی آپ بولتا ہے۔ اصل سے خطا نئی بے اصل سے فلاح نئی۔

بی جان بی : سو تو ہے!۔ سچی اچ بات!!

(دونوں واپس آکر فرش پر بیٹھ جاتی ہیں ہفتم گوشت ترکاری کی پٹی اور پانچ روپیے لاکر ماں کو دیتا ہے) کیم بے۔ الف۔ گوشت لیجاؤ ماں۔ بنا کے

ہانڈی چڑھا دیوَ۔ (بچی آکر گوشت لے جاتی ہے ۔ دونوں خواتین ترکاری بناتے ہوئے) ممانی جان۔جب سے نابڑی آپا کراچی چلے گئے۔ ہماری تو کمر اچ ٹوٹ گئی جی...... بڑی امیدیں تھیں۔بچوں کے لئے۔

ممانی جان : بی بی جاتے جاتے کافی پیسہ دیکے گئے نا؟

بی جان بی : (ترکاری جھٹك جھٹك کر) کافی پیسہ کیا خاک ؟ بارہ سو روپلی نقدی۔ ادے سات سو روپے کا سامان...... ادے یہ مکان تو بڑے بھائی ہاتھ مار کو بیٹھ گئیں......

ممانی جان : گویا دو ہزار روپے...... لگ بھگ پچیس تولے سونا...... لیتے تو ایک گھر خرید کو چھوٹا موٹا دھندہ بھی کر لیتے...... اجی اماں...... کون کس کو زندگی بھر کو ٹر پڑتا ہے۔ کھلے ہاتھاں پیسہ خرچے تو قارون کا خزانہ بس نئی پڑتا۔ معمولی ٹھیلہ پھیری والا بھی دس پندرہ کا مال لاکو رات آنے تک تیس پینتیس بناچ لیتا ہے۔ کھاتا ہے کھلاتا ہے چین کی بنسری بجاتا ہے۔ چار پیسے پیچھے رکھ کے۔دو سو روپے پیچھے پان سیری بھینس۔ میں بولی بھینس لے لو۔ آٹھ دس۔ دودھ کا دھندا کرلو۔(بی جا ن بی کے چہرے کا زبردست اتار چڑھاؤ ۔ کبھی شکایتی کبھی ندامتی ۔ کبھی احتجاجی اور کبھی ۔ رضامندانہ) تم میاں بیوی بولے بھینس کے ساتھ بھینس بنا پڑتا ہے۔ سوا دو سو پیچھے نیا سائیکل رکشا۔ میں بولی آٹھ دس رکشائیں خریدلو۔ روز کے روز سولہ روپیہ نقد آمدنی۔ تم دونوں بولے رکشا رکھ کے رکشابن کے گھسیٹنا پڑتا۔ میں بولی...... چار سو روپلی پیچھے گھراں ہیں۔ چار گھر لیکے کرایے پو چھوڑ دیو۔ مہینے کے مہینے ساٹھ روپے نقد مل جائیں گے۔ تمے بولے کرایہ داریاں قبضہ مار کو کھا جائیں گے۔ سارا پیسہ سیر سپاٹے میں پھونک دیئے۔ اب بہن پاکستان سے کیسا بھجواتا۔ پھر اُن کو بھی کوئی باوا یا سسرے جائیداد و نقدی پونجی چھوڑ کے نئی مرے...... عورت ذات کمانا تو اتنوں کو پالنا۔ اُسکے حالات کیسے ہیں کی کیا ہے کی۔ تمے لوگاں کو سر بھر کے قبیلہ ہے وہ بچاری کا کون تھا کون ہے ؟ کبھی بھی اتنے کسی سے شکایت کری نئی۔ کوئی اُس سے پوچھے نئ...... کوئی نئی دیکھا اُس معصوم کی صبح حسرت اور شام

غریباں اماں ...... سگے بھائیاں ...... ہمیشہ اچ کھینچنے کا سوچ۔ ...... کسی بھائی بند ہونے پھوٹی کوڑی کبھی بہن کو دی نہ اُسکے بچوں کو۔ دعوے سُوب اچ ٹھونکے!! تم لوگاں جان کے واں قرضے میں بال بال بند ھا۔ بڑا بال برہمچاری بنا بیٹھا ہے۔ یہ گھر بھی تو ہے نا۔ اب کیا اُنے لینے کو آتی؟ بیچ باچ کے بچیوں کے شادیاں کر دیوٗ......!!

بی جان بی : (نہایت تیکھے انداز میں) وہ بھی کاں ہے ممانی جان ...... ؟ بڑے بھائی بار بار دعویٰ کر رئیں کہ پاکستان جانے سے تین سال پہلے بہن نے گھر اُن کے ہاں پانچ ہزار روپے میں رہن رکھ کے کاغذ لکھ دیا۔ سعید اور حمید دونوں بھتیجوں کی گواہی میں۔ بول کے۔ باقاعدہ تیس روپے مہینہ کرایہ لے ریاں۔

ممانی جان : ناممکن۔ ہو ہی اچ نئی سکتا۔ جعلی کاماں کر رہا ہوں گا۔ فیضی تو فیضی خود اُنے بی بہن سے چھپن وقت ہاتھ بدل بولکے ہزاروں روپیا لیتا تھا۔ کبھی واپس نئی کرتا تھا۔ ان کا تو ماہانہ اور چلر راتب بندھا ہوا تھا۔ مگر وہ برس دو برس میں ایسا لیتا تھا جوں سو سنار کی تو ایک لوہار کی۔ سسرے کو گھر دلایا اُس کے پیسیاں سے۔ سالوں کو دُکاناں لگا کو دیا۔ اُس کے پیسیاں سے سارے سالیوں کی شادی کر دی۔ ان کے پیسیاں سے۔ کنجوس نمک حرام۔ اپنی جیب سے چائے نئی پینے والا رشوت خور ...... سسر سالے سالیوں پے خرچا؟ خرچتا تو جورُو کو سونے میں کیسا تولتا۔ ہزاروں کا کپڑا جائیداد کان سے دلاتا۔ بہن کا پیسہ مال مفت دل بے رحم بول کے لگایا۔ دو طرف سے فیض اٹھایا۔ اور تو اور اس کی مکار عورت۔ اڑھائی سو اصل۔ ہزار بالائی آمدنی کما کے لانے والے کو روکھا پھلکا۔ مرچی کی چٹنی لگا کے توشہ دیتی تھی۔ بہن کے گھر پر وہ توشہ بکریوں کو کھلا کر وہاں سے کھاپی کر نکلتا تھا۔ مفت خورا ...... کبھی بہن کے بچوں کو عیدی کے نام پر دو آنے نہیں دیئے۔ آج بہن چلے گئی تو اتنی بڑی تہمت لگاتا ہے۔ سچ بولتے بڑے لوگ برادرِ حقیقی دشمن تحقیقی!!

بی جان بی : پھر رشوت کا اتنا سارا پیسہ کرتے کیا انوں......

ممانی جان : ”عورت کو اس کے لوگوں کو بھرتا۔ چڑی کا غلام ...... مالِ حرام رفت بجائے حرام بود ......
عورت چٹوری اوباش بدکارہ ہے۔ مست کھاتی پیتی اڑاتی ہے۔ بلکہ پیسہ دے کے جوان
پُٹوں کو بگاڑتی ہے۔ دنیا بھر کو معلوم ہے۔ پولیس کیسان ہو کے اچ ہیں۔ اِنوں کیا ہیں۔
بھرم بھاری پٹارہ خالی۔ سو دبا کے رکھی ہے۔ پھر بھی سیروں میں سونا۔ درجنوں میں کپڑا......
پانچ ذاتی مکاناں رکھ کے کرایہ کھاریائیں۔ کم مت سمجھو!! (سرد آہ کے ساتھ)
عورت بچی کا دل مکھن سا نرم مصری سا میٹھا...... شادی کرالیا بہن کے زیور پیسے سے دو
طرفہ۔ زر زیور کپڑا لتا سمیٹ لیا بہن کا...... سارے کا سارا جہیز سمیٹ لے گیا بہن کا......
مگر پیٹھ پیچھے مُنکری کرتا ہے احسان فراموش...... شریف زادی رو رو کے شکایت کرتی
تھی مگر پوچھی ہرگز نئی۔ تاکہ بھو نئی شیر نہ بنے...... میکہ اور سسرال۔ چکی کے دو پاٹوں بیچ
پھنسی ہوئی تھی کم بخت!! ہر دو مزے اُڑاتے رہے۔ دیکھ لینا ہول بورائے۔ ہول کے
کانٹوں پر اچ کھینچے گا ایک دن۔“



فیضو نواب کے گھر کا روایتی ماحول بنا ہوا ہے۔ دوپہر کا وقت ہے۔ بی جان بی کھٹیا پر نڈھال پڑی ہوئی ہیں۔ پلنگڑی کے پاس سوم اور چھارم بیٹھی ہوم ورک کررہی ہیں۔ دفعتاً دروازہ ہاتھ کی چھڑی سے بجایا جاتا ہے اور آواز آتی ہے۔ "صائب پاشا" ہیں۔ بی جان بی جھپٹ کر اٹھ بیٹھتی ہیں اور سرپر پلو برابر کرکے دروازے کی جانب دوڑ جاتی ہیں۔ ساتھ میں ہونٹوں پر انگلی رکھ کر بچیوں کو خاموش رہنے اور فرش بچھانے کا اشارہ کرجاتی ہیں۔ "آئیے ابا جان آئیے" کہتے ہوئے چلمن اور پردہ اٹھا لیتی ہیں۔ ایک نہایت ہی وضعدار شخصیت اندر داخل ہوتے ہی بی جان بی جھک کر سلام کرتی اور پاؤں چھوتی ہیں۔ بزرگ دعائیں دیتے ہوئے اندر داخل ہوکر شملہ بازو دھرتے ہوئے کھٹیا پر بیٹھ جاتے ہیں۔ ”کیا صائب پاشاہ دفتر گئے ہوئے ہیں؟!“

بی جان بی : ”جی ابا یاں......“

والد صاحب : ”تو کیسی ہے بانو؟ یہ میں کیا سُن رہا ہوں۔ تو بیمار رہتی ہے۔ پیسے ٹکے کی تنگی لگی رہتی ہے
علاج معالجہ کا بھی ٹھکانہ نئی...... آخر ہے کیا بات!!“

بی جان بی : (پاؤں میں بیٹھ کر گھٹنے پر ہاتھ دھرکر) ابایان! الحمد للہ میں بہوت اچھی ہوں۔ دیکھ رئیں نا آپ ...... لوگاں خواہ مخواہ آپ کے کاناں بھرتیں۔ کیا ایسی بات سکندراں بولئیں آپ کو؟"

والد : "بانو"...... سکندراں آخر کو تیرا اچ بھائی ہے نا۔ وہ کبھی نئی بولینگا پریشانی کی بات مجھ کو...... چھپا چھپا کو رکھینگا...... کڑک مرغی انڈے کو کیسا چھپالیتی چوں چوں کر کے چوزہ نکلنے تک پتہ اچ نئی چلتا کہ پیٹ میں انڈہ چھپا کے بیٹھی اے۔ میرے سو آدمی آسامی شہر کو آتے جاتے رہتیں۔ اطلاع ملتی اچ رہتی اے۔"

بی جان بی : ابایان...... مئی بیمار کاں ہوں۔ ایک ذرا کبھی کبھار چکر آجاتی ہے صفرا بڑھ جانے پو...... اُن نا۔ نا سگریٹ چاء پان بیڑی کا چسکا۔ نا دوسرے مرداں نا تھ سینما سیر سپاٹے کی طلباں جو کماتیں سیدھے سیدھے لا کو ہاتھ پو دھر دیتئیں ...... دو دن چار دن پیچھے۔ ایک آنہ لیتاں منگ کو...... اب بچے بڑے ہور ئیں خرچے بڑھ رہیں تو ذرا گھر ہستی آگے پیچھے ڈولینگی اچ نا ...... وہ بھی کیسا بھی کر کو بھر پائی انو اچ کر لیتئیں۔ میں جب بی بیمار پڑتیوں۔ ہمارے ڈاکٹر صاب ڈاکٹر میم صاب بازو اچ ہیں۔ الی کیا ہونا بول کے......

والد : ہوؤ! اماں...... لوگاں بیٹی کیوں دیتئیں گھر بسا میاں بیوی ہنسی خوشی رہنا۔ بچی کی عزت آبرو جان و مال کی حفاظت کا بھرپور بھروسہ رہنا بول کے ...... چار بال بچے ہو کو ایک نیا خاندان بنانا بول کے۔ یہ کس کو معلوم تھا۔ انوں حیدر آباد دکن کے بارڈر پو آزاد ہند فوج کھڑا کر دیں گے ...... کسی کی عورت بچی کو اولاد کا ٹکسال بنا دیں گے۔ مئی صوبیدار ہوا تو کیا میری بیٹیاں بھی صوبیدار بن گئیں۔ ارے پہلے اچ چنبیلی کی کلی نا تھ نازک ریشم کی کلیاں...... ان کے جیسے ڈبل مرداں ...... توپ کے سانچے جیسی تگڑی بیوی لانا۔ (بڑے قلق کے ساتھ) میری شکر کی گڑی...... اُن کے ایک جبڑے میں نئی پڑتی...... (بجانی کو زور دار ٹھسکه لگتا ہے۔ دم دم ہوجاتی ہیں۔ سوم دوڑکر پانی پلاتی ہے۔ دونوں بچیاں آکر ادب سے سلام کرکے نانا کو پانی پیش کرتی ہیں)
"اری تم دونوں مکتب نئی گئی۔"

چہارم : نانا جان! ہم آپ کیلئے روٹی بنانے آٹا بھگو رہے تھے۔

سوم : نانا جان! میں آملیٹ کا مسالہ بنا رہی تھی۔

نانا : (دونوں کو کھینچ کر لپٹاتے ہوئے) ارے بھئی روٹی تو سمجھ میں آگئی۔ یہ آملیٹ

کیا ہو تا ہے۔

بی جان بی : بیفۂ بریان ...... سادہ تو بی ...... مسالہ پیاز کا تو بی ۔ نیم برشت تو بی ۔ انڈے کا چیلا ......

نانا : اچھا...... تمہاری امی بیمار رہتی ہے۔

سوم : ہاں! بیمار رہتی ہیں۔

چھارم : اب رہنے لگی ہیں۔ مگر ابو پکا علاج کرار ئیں نانا جان!

سوم : امی پرسوں اچ ایک حکیم صاب آکے ۔ عود اگربتی جلا دیو بول کے بھاگ گئے۔

چھارم : اور نانا جان ......بولے قبر میں پاواں چھوڑ کے ......

بی جان بی : چُپ ہو جاؤ تم دونوں ۔ ابایان! ایسا تو ناکوئی نئی بولے ۔ ان لوگاں کو سمجھ میں کان آئینگا۔
مجھے بولے اگر اچھی طرح پرہیز نئی کیا تو کچھ بی ہو سکتا ہے۔

نانا : (طیش کے ساتھ) سمجھتا ہوں! سب کچھ سمجھتا ہوں۔ مجھے جو خبر ملی وہ اچ صحیح ہے۔

بی جان بی : (نہایت عاجزی کے ساتھ) ہے چغل خور چور سے بدتر۔ لوٹ لیتا ہے۔ آشتی کا گھر! یا
اللہ! کون تو بی کا ناں بھر ڈالے ہوں گے اِنوں کے۔

نانا : (چلاکر) بانو ...... میرے کاناں کوئی بھی نئی بھرا۔ جو چپ رہیگی زبان خنجر لو ہو پکاریگا
آستین کا ......تری صورت تری حالت بتاری رے۔ دیکھ آئینہ۔

(منظر بدلتا ہے۔ شام ہوگئی ہے بزرگ کٹھیا پر لیٹے حقہ پی رہے ہیں)

بزرگ : (چلاکر) آئے نئی نواب زادے!! میرے جانے کا وقت ہورائے!! سیدھی شرافتی سے آجانا
اچھا...... نئی تو کھڑے کھڑے اپنی بیمار چی کو لے کے چلے جاتوں ......

ہفتم : نانا جان...... صبح اچ بول کے گئے تھے ابو کی آج دفتر میں کام بہوت ہے۔

بی جان بی : (ہفتم کو اشارے سے پاس بلاکر سرگوشی میں) کب تک آؤ بولے تم تمارے ابو کو

ہفتم : امی......ان کی بس آٹھ بجے جاتی نا۔ مئی نو بجے تک آؤ بولے امی بولا ہوں۔

بی جان بی : مگر انوں گئے جیسا نئی دکھ ریائے......

ہفتم : پھر جا کے کھڑے ہو جاؤں نکڑ پر...... ؟

بی جان بی : مگر رات بھر انوں رہینگے کاں۔ کھائیں گے کاں اور دفتر جائینگے کیسا ؟

بزرگ : دفتر میں کام رات بھر ہے تو ٹھیک ہے مئی اچ دفتر کو چلے جاتیوں۔

بی جان بی : (جھپٹ کر ہاتھ پکڑکر) نئی ابایان نئی...... خدا کے واسطے آپ غصہ تھوک اچ دیجئے

ناں...... بے چارے انوں ہی بے بس ہیں۔ اپنی بوٹیاں نوچ نوچ کو کھلارئیں...... الی اور کیا کرینگے...... نامُراد !!

بزرگ : بانو...... تو خاموش رہ جا! میں آج اُس کے کان جھٹک کے اچ جاؤں گا...... یہ کیا نوج گئے۔ مطلب یہ کہ انے راتاں کو بھی دیر سے گھر آتائے...... بڑا شریف زادہ ہے۔ میں اب تک گھر کا اچ چپ ہے بول کو......

(دروازے پر محتاط سا کھٹکا ہوتا ہے اور سرگوشی میں آواز اتی ہے " بجانی " بزرگ جھپٹ کر دروازہ کھول کر پردہ اور چلمن اٹھاکر ہاتھ کے اشارے سے استقبال کرتے ہوئے۔ " آئیے مہربان فرزند۔ آئیے !" فیضو نواب ہاتھوں میں پھلوں کی چنگیر تھامے ہوئے سہمے سہمے ساکت کھڑے ہوجاتے ہیں۔ بزرگ انتہائی سنجیدگی کے ساتھ) یہ وقت ہے گھر کو آنے کا ؟ ")

فیضو نواب : (سامان کنارے رکھ کر ادب سے سلام کرتے ہوئے) ابایان...... دفتر میں کام بہوت تھانا اس واسطے اچ دیر ہوگئی۔ معافی چاہتا ہوں......

بزرگ : (فیضو نواب کو کندھے سے پکڑ کر کھینچ لاکر اپنے ساتھ کھٹیا پر بٹھاتے ہوئے) نئی صائب پاشا !! یہ کیسی گھر زندگی کرر ئیں تمے...... ہزاروں بار بولوئں...... میری بچی کی جان کی فکر کرو...... یہ کیا درگت بنا کو چھوڑئیں......

فیضو نواب : (بڑی بیقراری اور انکسار کے ساتھ) جی ! یہ کیا فرمادے رئیں آپ ابایان...... بجانی کو تو میں اپنی جان سے بڑھ کو دیکھتوئں...... پوچھو آپ ! کیا دُکھ دیوئں اُسے......

بزرگ : دُکھ تو دیا نہیں مگر سکھ بھی تو نئی دیئے۔ ایک قیدی پشو پکشی پال کو دانہ دنکا پانی تو صیاد بھی دیدیتا ہے۔ دیکھو ذرا غور سے دیکھو (گردن سے پکڑکر بی جان بی کا سامنا کراتے ہوئے جو ہچکیوں سے روتے ہوئے مونہہ ڈھانپ کھڑی ہے) ذرا درد سے دیکھو...... اپنی بیوی جائے اپنی اماں اپنی بہن کو رکھ کے دیکھو...... اب یہ زندہ لاش سے زیادہ رہ کیا گئی ہے۔ یہی سکھ دیئے تم اِنے ؟

فیضو نواب : (ہتھیلی پر ہتھیلی بے بسی سے مارتے ہوئے) کیا کروں...... کہاں سے لاوئں تھیلیاں بھر بھر کے پیسہ...... سال بھر ہورہائے آپان جان گئے جب سے ہمارے گھر کی حالت بیٹھ گئی ہے۔ نئی تو اچھے سے اچھا کھائے۔ اچھے سے اچھا پہنے......

بزرگ : میاں بال بچاں والوں کو گوہ میں گھری سود مڑی بھی دانتوں سے اٹھا کو سینت سینت کو رکھنا پڑتا

بھان ۔ ڈیڑھ دو ہزار روپیہ دے کو جاتے ای سیر سپاٹے مار کو پارٹ لک لگا کو ڈھول چٹاڈالے...... ؟!

فیضو نواب : (انکساری اور چاپلوسی کے ساتھ) ابایان !وہ کونسے لاکھ بیس لاکھ تھے ؟"

بزرگ : "کنگلے کو دمڑی بھی اشرفی سرکار" ڈیڑھ دو ہزار روپیہ معمولی نئی ہوتا پاشا...... کیوں صوبیداری میں تماری تری اراضی کے واسطے مئی بار بار بولیا نئی دیکھو...... تمے سوب کے سوب کاشتکاری تج کے شہراں کو آکے نوکریاں کرر ئیں۔ تمار ابھائی اپنی اور بھان کی بچ کو کھاگیا تمے بھی بچ کو پیسہ بنالیو...... قولدار ان کے بھروسے پے نکو بیٹھو جو سال پچھے دو تھیلاں چانول۔ سفید گیہوں جوار تھیلا مونگ پھلی دیکو...... چھٹ جارئیں...... ارے کسان کا کیا ہے سال کے بارہ مہینے ہاہا مچائے رکھتا ہے کسان کوادونوں ایک۔۔۔ ہے بھی تو چلائے نئی ہے بھی تو چلائے...... سوکھا پڑے ! سیلاب مارے کیڑا کھاجائے تو زیادہ پکارے آسمان سرپے اٹھالے...... نئی تو سرکار کائے کو پن معاف کرتی کائے کو قرض دیتی...... تمے ہولے بنتے بیٹھے ۔ لیو !اب سرکار زمینداروں کی زمین چھین کو قولداروں کو بخشدینے کا قانون بناڈالی اے...... نکل گئی بیس یکر تری پھس سے پاؤں نچے سے...... ؟ !گئے اب وہ چار مٹھی چانول گیہوں جوار پھلی ؟ ! ...... یہ ہے سوب تمارے کارنامے ...... کیسا کیسا تم اپنے ہاتھوں سے اپنے بال بچوں کی اپنی گرہستن کی قبراں کھودتے چلے گئے ...... اور تو اور کوئی عورت بچی کی کمائی پو دیدہ لگاتا ہے ؟ الٹادے کو نئی منگتے ۔۔۔۔ تمے بھائیاں۔ نئی دیکو بھان کی کمئی پو کھڑے رہے۔

فیضو نواب : (سر پیٹتے ہوئے فرش پر اکڑوں بیٹھے ہوئے) کیا سوب میں اچ کھاکے سرائیوں ؟ کھلایا نئی...... پڑھایا لکھایا پالا نئی......

لی جان لی : ابایان...... ابا ...... بس ابایان...... انوں ملیامیٹ ہو کو گئے ہمارے واسطے ابایان...... چلے گئی نا زمینداری۔ جوتی ستی...... ہم مر کو نئی چلے جائیں گے۔ بند ہو گیا نا آپا جان کا جھرنا ...... وقت رکینگا نئی گزر جائیگا۔ دیکھتے دیکھتے چھبیس ہاتھ کمانے والے کھڑے ہوجائیں گے ابایان...... تب کھانے والیاں کو ڈھونڈیں گے تو کھانے کو نئی ملینگے ...... (ہاتھ پکڑکر فیضو نواب کو اٹھاکر کھٹیا پر بٹھاتے ہوئے) تمے چپکے بیٹو جی یاں۔

بزرگ : (چڑ چڑاکر) وہ وقت آئینگا ۔ ضرور آئینگا ...... مگر اُسوقت کے آنے تک اتے بڑے کنبے کو کتنی دور تک لے کو چلنا ہے کچھ سمجھ رئیں ؟...... وہ وقت کب آئینگا...... جب سارے کے

سارے سلامتی سے وقت کے کنارے اتریں گے تب نا بیٹی ماں !! یاں توکل کے لالے پڑ رئیں نا۔

بی جان بی : (ہاتھ جوڑکر) ابایان...... دنیااچ امید پو قائم ہے۔ ہمنا اللہ سے بڑی امید ہے وہ ہماری نیا توڈُبنے نئی دینگا۔

بزرگ : (غیرمعمولی برُا مان کر) دیکھ لیو۔ دیکھ لیو یہی احوال رہا تو امیدِ امیدِ میں ناپید ہو کر رہیئے۔ (کھٹیا پر بیٹھ کر) سنو ...... فی الفور محکمۂ مال اور بندوبست میں معروضہ داخل کر دیوٗ...... دیکھ روُں...... دونوں پوتیاں خوب محنت کر کے پڑ رئیں۔ ان کے واسطے ایک عمر رسیدہ استاد دیکھ کو ٹیوٹر لگا دیو۔ مہینہ بیس تیس روپے فیس مئی دیوں گا۔ اور بچھی دودھ والی کو ساٹھ روپئے پیشگی دیدیوں۔ روز ایک سیر دودھ خالص دے دینا بول کے چھے مہینے تک دیتاچ رہوں گا۔ (ہتھیلی پرمُکا مارتے ہوئے) میری بچی کو روز صبح شام پاو سیر دودھ تمے ہاتھ سے پلا کو چکنا۔ ہاں۔

فیضو نواب : (روتے ہوئے پاؤں چھوکر) ایسااچ ہونگا ابایان۔ ایسااچ ہوں گا۔ بجانی...... ابایاں کیلئے دسترخوان بچھاوٗ...... کیم ذرا چاقو لیکو آوٗ...... مئی تمارے نانا جان کے واسطے میوہ مٹھیٗ لے کو آئیوں...... طشتری لاوٗ۔ (سُسَر کے سامنے فرش پر بیٹھ کر اپنے ہاتھوں سے پھل تیار کرکے پیش کرتا ہے) ابآیاں...... مجھ پاپی کو معاف کر دیو...... میں گنہ گار ہوں۔ اللہ کے واسطے پھل کھاوٗ غصہ تھوکو...... ابایاں...... نہ وہ اماں باوا جو جنے جھوٹے نہ اپے اماں باوا جھوٹے...... مئی اُدھورا...... اپنے جگر کا ٹکڑا دے کو پورا کیئے۔ مئی بے گھرا تھا میری اہلیہ میرا گھر بسائی...... مئی، بے بال بے پر...... اللہ میرا گھر بال بچوں سے بھر دیا (دونوں پاؤں پکڑتے ہوئے) باوا...... میری چمڑی اُتار سکتوٗں تمارے احسان اتار نئی سکتا۔ تماری دعا ہونا باوا...... مجے ۔ میرے بال بچاں اہل عیال کو تماری دعا ہونا ...... (بزرگ بازو سے پکڑکر اٹھاکر گلے سے لگالیتے ہیں دونوں پھوٹ پھوٹ کر روتے ہیں ۔ بزرگ دونوں ہاتھ اٹھاکر) یا اللہ ! اپنے حبیب کے صدقے میں میرے بچوں کے گھر کو سدا بہار گل گلزار آباد رکھیو مولا۔ آمین ثم آمین۔

بزرگ : (فیضو نواب کو اپنے ساتھ اوپر بٹھاتے ہوئے) بیٹا اللہ بڑا بادشاہ...... اللہ مریائی کو ڈُھ سریائی (جیب میں سے رقم نکالتے ہوئے) یہ لیو پانسو روپے۔ کل اچ لیجا کے

پوسٹ آفس میں جمع کرالیو۔ اپنی دولن کا بھرپور علاج کرواؤ...... دیکھو۔ دس دس پانچ پانچ بچانے کی اچ کوشش کرو۔ پیٹ میں سات سات عورت بیٹیاں ہیں۔ (ٹھوڈی پکڑ کر نصیحت کرتے ہوئے) صائب پاشا...... جاں آج مئی کھڑا ہوں۔ واں کل تمنا کھڑنا ہے۔ جاں تمے کھڑئیں واں سات داماداں کھڑنا ہونگے۔ جیسے تمے ہنیں گے۔ ویسے اچ تمارے گھر آنے والے ہنیں گے۔ یادرکھ لیوہاں۔ وقت کا پہئیہ ایسا اچ گھومتا رہتا ہے۔

فیضو نواب : جی باوا جان...... اللہ تمارا سایہ سدا قایئم رکھو ہم سب آپ کے خادم ہیں۔ تمارا جھوٹا کھانے والے! تمارے پاواں میں بیٹھنے والے۔ (رات گھری ہوگئی ہے ۔ فیضو نواب اور بی جان بی سوتے ہوئے بزرگ کے پاؤں داب رہے ہیں بزرگ نیندرائی آواز میں ......) جاؤ سو جاؤ میرے بچو! سو جاؤ۔ اللہ تمارے گھر کو سدا گل گلزار آباد رکھیو۔ اللہ حافظ!"



(فیضو نواب کے گھر کا روایتی ماحول بنا ہوا ہے ۔ ہال کے درمیان میں ایک پردہ لٹکا دیا گیا ہے ۔ جو جب چاہے ہال کو دو حصوں میں تقسیم کرتا ہے ۔ دروازے سے متصلہ حصے میں ایک سستی قسم کی میز اور چار سستی قسم کی کرسیاں زکھی ہیں ۔ اس طرف کھٹیا پر صاف چادر پڑی ہوئی ہے ۔ بالکل صاف ستھرے نئے لباس میں بی جان بی کے والد کھٹیا پر لیٹے ہوئے ہیں ۔ بی جان بی سامنے بیٹھی ہوئی ہین ۔ یکم الف بے دوم بے قریب بیٹھی ہوم ورک کررہی ہیں ۔ دوم الف کشتی میں سلیقے سے چھوٹی گلاس میں جو طشتری پر رکھی ہوئی سلیمانی چائے لیکر آتی ہے اور نانا کو ادب سے پیش کرتی ہے ۔)

فیضو نواب : (اٹھ بیٹھتے ہوئے) جیوٴ...... سوا سو برس کی عمر ہو نصیبہ نیک ہو (گلاس اٹھاکر بچی کو بازو بٹھا لیتے ہیں) گزشتہ دو مہینوں میں کافی تبدیلی آئی ہے بانو تجھ میں۔ کافی صحت مند دکھائی دیتی ہیں۔ اللہ تماری جوڑی سلامت رکھیو۔ آمین!

بی جان : ابایان...... ویسا ئی مئی کوئی بیمار نئی رہتی۔ میری انگلٹ اچ ایسی ہے بیمار دستیوں۔ ہمیشہ......

بزرگ : چلو یہ اچ سہی مگر اب تو بہوت اچ صحت مند دستی ہونا۔ بس ائی ایک چار پانچ مہینے تک جیسا بولوں ویسا اچ کرو۔ کوئی فکر نکو کرو۔

یکم الف : (بے سے) یہ کیا بیٹھے بٹھائے ہوم ورک لگا دیتے ہیں یہ ماسٹر صاحب۔ پہلے اسکول کا ہی بہت ہے۔

دوم بے : اور پھر...... یہ اردو لٹریچر ہے۔ اس میں نمبر آسانی سے مل جاتے ہیں اصل توجہ تو میاتھس سائینس انگلش جیوگرافی اور ہسٹری پر دینی چاہئے۔

یکم بے : بالکل صحیح...... انوں توزیادہ سے زیادہ غزلوں کی تشریحات لکھواتے ہیں۔

یکم الف : (روکھے انداز میں) یہ اپنے بھیجے میں سمانے والا سودا نئی۔

بزرگ : میں ان ماسٹر صاحب سے مطمئن نئی ہوں بانو...... صانبشاں !!.........

لی جان لی : کبھی کبھی مجھے بھی دماغ خراب سمجھ میں آتیں۔ مگر سارے محلے میں اِنوا چ پڑھاتیں۔ نیا آدمی۔ خالی ایک ٹیوشن کرنے کو نئی آتا۔ اس لیئے ان کو اچ لگائے ابایاں۔

یکم الف : نانا جان ! ہم سب کو آپس میں پڑھنے اور اپنے سبق تیار کر لینے کی اتنی عادت ہوگئی ہے کہ ماسٹر صاحب نہیں بھی ہوتے تو فرق نہیں پڑتا۔

دوم الف : یہ کیوں نہیں بولتے۔ آپ کے کلاس ٹیچر آپ کو بے حد چاہتے ہیں اور ہر دوسرے تیسرے دن بٹھا کر پورے ہفتے کی تیاری کرا دیتے ہیں۔ تکلیف تو ہم کو ہے۔

بزرگ : بیٹا...... اب تم لوگوں کا آخری سال ہے ہر طرح احتیاط کر لینا بہتر ہے۔

دوم بے : جیسا انھوں پڑھاتے ہیں اُس سے اور دسٹرب ہوتا ہے۔ کبھی چھٹی توڑتے ہیں۔ کبھی کھڑا کر دیتے ہیں۔ اور کبھی آنکھیں بند کر کے سبق رٹنے کی...... خیر......



پردہ گرا ہوا ہے ۔ شام ہے ۔ میز اِس رخ پر رکھا ہے اطراف تینوں کرسیوں پر تینوں لڑکیاں بیٹھی ہوئی ہیں ۔ دوم الف ایک کنارے اسٹول پر براجمان ہے ۔ ایک پر کوئی تیس بتیس سالہ دبلا پتلا منحنی سا اونچے قد والا شخص بیٹھا ہوا ہے ۔ شریف اور مسکین شکل کے ساتھ شوخ نگاہیں اور شریر مسکراہٹ بتلا رہی ہے کہ منچلا شخص ہے یکے بعد دیگرے لڑکیوں کو تشریح کا موقعہ دیا جارہا ہے ۔ پردے کے اِس طرف کھٹیا پر لیٹے بزرگ بغور اور بہ دلچسپی جائیزہ لے رہے ہیں)

دوم بے : ابن مریم ہوا کرے کوئی۔ میرے دکھ کی دوا کرے کوئی۔

شاعر کہتا ہے کہ وہ اس قدر بیمار ہے کہ اب زندہ بچنے کی کوئی امید نہیں ہے۔ اب کوئی مسیحا بن کر آئے تو شاید اس کو بچا سکے۔ ڈاکٹروں نے تو قطعی جواب دے دیا۔

دوم الف : (زور سے) جیسا ہماری امی کو بول کے بھاگے تھے۔ ''عود اگربتی جلا دیو بول کے''

ٹیوٹر : (زور سے) شٹ اپ ......! دل لگی بند......! (یکم بے کو اشارہ کرتے ہیں)

یکم بے : شعر ہے۔ ترے پیار کی انتہا چاہتا ہوں۔ میری سادگی دیکھ میں کیا چاہتا ہوں۔ اس شعر کا ایک بیاک گراؤنڈ ہے اسے جانے بغیر شعر کو سمجھنا مشکل ہے۔

ٹیوٹر : بیاک گراؤنڈ...... ؟

ٹیم بے : (تیزی سے) جی! داغ صاحب کی والدہ بڑی کم سنی میں بیوہ ہو گئی تھیں۔ اس لیئے ان کے والدین نے اُن کا عقدِ ثانی کر دیا تو داغ صاحب کے دادا دادی نے ماں سے چھڑوا کر اپنے ساتھ رکھ لیا۔ داغ صاحب کو ماں باپ دادا دادی نانا نانی کسی کا پیار نہ ملا

ٹیوٹر : اچھا......!

ٹیم بے : اب انوا پنی امی سے مخاطب ہیں کہ وہ ان کے پیار کی انتہا چاہتے ہیں۔ روپیہ پیسہ گھر جائیداد ترکہ کچھ نہیں چاہتے۔ جو بڑی سادگی کی بات ہے۔ نئی تو عقل مند لڑکے تو روپیہ پیسہ گھر جائیداد چاہتے ہیں جس سے پیار محبت بھی خریدے جاسکتے ہیں۔ مگر داغ صاحب......

ٹیوٹر : شٹ اپ! یہ داغ کا نہیں علامہ اقبال کا شعر ہے۔

ٹیم بے : (روہانسی آواز میں) تو اقبال میاں کا اچ بیاک گراؤنڈ ہو نگا سر۔

ٹیوٹر : چلو! کونے میں مونہہ لگا کے کھڑے ہو جاؤ کونا پکڑو۔ (ٹیم الف کو اشارہ کرتے ہیں)

ٹیم الف : یہ شعر بھی غالب...... حضرت اسد اللہ خاں غالؔب کا ہے۔

ہم ہیں مشتاق اور وہ بیزار یا الٰہی یہ ماجرا کیا ہے

شاعر کہتا ہے کہ وہ اس پیسے کے بے حد مشتاق ہیں یعنی خواہشمند ہیں جو ان کے قرضخواہ کی جیب میں ہے۔ ان کا قرضخواہ ساہوکار ہے جو شاعر کی بد نیتی سے خوب اچھی طرح واقف ہے اور اپنا پیسہ بچانا چاہتا ہے اس لیئے اُن سے بیزار ہے۔ ادھر شاعر پریشان ہے کہ پیسہ ساہوکار کی جیب میں ہے جس کے وہ مشتاق ہیں اور اسی وجہ سے قرضخواہ ان سے بیزار ہے اب پیسہ نہ ہوا تو پینے کو شراب کہاں سے ملے گی...... گھانس نہ ملے تو گھوڑا جئے کیسے۔

ٹیوٹر : خاموش! میں سمجھتا ہوں آپ سب شرارت پر آمادہ ہیں۔ میں سید صاحب سے شکایت کروں گا۔

تینوں : سر...... وہ آپ کیا سمجھائے یاد نہیں رہا...... سکول میں تو ہم کو ساری توجہ میاتھس سائینس گرامر اور انگلش پر دینی ہوتی ہے۔ اردو شاعری......

ٹیوٹر : اسی لئے تو آپ سب اس مضمون میں کمزور ہیں۔ پرسوں بھی آپ کی والدہ نے خود فرمادیا کہ جس مضمون میں کمزور ہیں اُسی پر زیادہ سے زیادہ توجہ دوں...... یہ کوئی معمولی مضمون نہیں ہے۔ اردو شاعری ! آج کل امریکہ اور لندن میں بھی اردو شاعری پر زبردست کام ہو رہا ہے۔

تینوں : جی! سر!

ٹیوٹر : لیجئے! اگلے شعر کی تشریح کرنے کی کوشش کیجئے۔

کیم الف : درد منت کش دوانہ ہوا میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا

شاعر کہتا ہے کہ اسے بار بار درد اٹھتا ہے۔ جیسا اکثر حالات میں قولنج یا سول کے درد کے معاملے میں ہوتا ہے اور یہ دونوں لاعلاج امراض ہیں۔ اس لیئے شاعر نہ اچھوں میں گنا جاسکتا ہے نابرُوں میں۔ زندہ نہ مردہ معلق ہے۔

ٹیوٹر : (چلاکر) لاحولاولاقوۃالاباللہ...... لعنت ہے۔

تینوں : سوری! سر!!

ٹیوٹر : (نارمل ہوتے ہوئے ملایئمت سے) لیجئے۔ میں پھر ایک بار تشریح کردیتا ہوں۔ آپ لوگ غور سے سنیئے اور دوبارہ ان اشعاروں اور دوسرے اشعاروں کی تشریح لکھ کے لایئے

شعر نمبر(۱) ابن مریم ہوا کرے کوئی میرے دُکھ کی دوا کرے کوئی۔

ابن مریم حضرت عیسٰی کا نام لقب مسیحا ہے۔ ان کا سب سے بڑا معجزہ یہ تھا کہ وہ بیماروں کو چنگا اور مرُدوں کو زندہ کردیتے تھے۔ شاعر کہتا ہے کہ اُس کا درد...... یعنی درد دل...... یعنی وہ درد جو کسی کی محبت عشق اور پیار میں پیدا ہوتا ہے وہ اپنی حد سے گزر کر لاعلاج ہوگیا ہے۔ جس کا علاج صرف اس کے محبوب کے ہاتھ سے ممکن ہے۔ اس لیئے ان کے حق میں ان کا محبوب ہی مسیحا ہے۔ وہ آگے آکر مسیحائی دکھائے۔ اسے نئی زندگی دیدے۔

شعر نمبر(۲) ترے پیار کی انتہا چاہتا ہوں ۔ میری سادگی دیکھ میں کیا چاہتا ہوں۔

شاعر اپنے محبوب سے مخاطب ہوکر کہتا ہے کہ اس کیلیئے اپنے محبوب کی محبت اُس کا پیار ہی وہ دولت ہے کہ دنیا کی ہر دولت ہر نعمت اس کے مقابل ہیچ ہے اسی لئے وہ اپنے محبوب کی صرف محبت ہی نہیں بلکہ محبت کی انتہا چاہتا ہے۔ شاعر کہتا ہے کہ اس کا محبوب اس سے ایسی محبت کرے جس کا اندازہ لگانا بھی ناممکن ہو۔ یہ اسکے معصوم اور سادہ دل کی طلب ہے

اگلا شعر ہے۔ ہم ہیں مشتاق اور وہ بے زار یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے

شاعر زمانے کو اپنے دل کی کیفیت سے آگاہ کرتے ہوئے شکوہ طراز ہے کہ شاعر تو اپنی جگہ اپنے محبوب کی دید کا محبوب کے پیار کا محبوب سے ملاقات کا اتنا طلبگار ہے کہ بیقراری کی حد سے گزر گیا ہے لیکن محبوب کی سنگ دلی اور شقاوت کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کے حال زار پر نظر کرم تو خاک کرتا الٹے بیزار ہے۔ اب شاعر اللہ تعالیٰ سے شکوہ طراز ہے کہ محبت سے محبت پیدا ہوتی ہے۔ نفرت سے نفرت۔ یہاں ماجرا ہی الٹا ہے شاعر جتنی محبت کرتا ہے اس کا محبوب اتنی ہی نفرت......

آخری شعر ہے : درد منت کش دوانہ ہوا ۔ میں نہ اچھا ہوا برا نہ ہوا ۔

(اندر سے نانا جی کی کڑک دار آواز " لاحول ولا قوة الا باللہ " ...... کے ساتھ زبردست جھٹکے سے پردہ ہٹایا جاتا ہے ۔ جو رسّی ٹوٹتے ہی سارے کا سارا ٹیوٹر پر گرپڑتا ہے اور وہ اُس میں پھنس جاتا ہے ۔ نانا جی اپنی ہتھ چھڑی اٹھائے گھس پڑتے ہیں ۔ اور ٹیوٹر کو چھڑی سے ٹھوکے مارتے ہوئے)

بزرگ : بد تمیز......بے شرم نا معقول۔...... نکل باہر۔...... دو کوڑی کے شاعروں کے دلال...... تو کیا کہتا ہے یا تیرا شاعر کیا کہتا ہے۔ اس سے معصوم عورت چپاں کو کیا سروکار ...... شاعر جو کچھ بھی بول رہائے صرف ٹیوشن کے گھروں میں اچ بول ریائے یا تیرے گھر میں لی بول رائے...... میں خوب سمجھوں تجھے اور تیرے شاعر کو...... ارے...... عقل کے کورے نقل نویس ...... کسی زمانے میں علی گڑھ کے پوٹے زنانہ ہاسٹل میں معاشقے چلانے یہ ترکیب ایجاد کرے تھے۔ عورت چپاں کو ورغلانے۔ حیدر آباد کے بوڑھ عاشقوں میں بھی خوب چلی تھی چکّی......اب توُ لیکو چلاا ے...... چلوری پوٹیوں ! ! تمے جاؤ اندر......بس اب کل سے مکتب کی وستانی ماں سے ٹیوشن لینا (ٹیوٹر چیختے چلاتے گوڈری میں سے باہر نکل آتا ہے ۔ بزرگ چھڑی کا زبردست کچوکا دیتے ہوئے) ۔لفنگے جس رکابی میں کھاتے اُسی میں چھید مارتے۔ اشراف کی قبا پہن کوڈاکے ڈالتیں ماں بھانوں کی عزتوں پر...... چل ...... دفعان ہو مونہہ کالا کر۔...... کل سے محلے میں مونہہ دکھا تو ناک کاٹ کو ہتھیلی پو دھر دیونگا۔ (ٹیوٹر گرتا پڑتا نکل بھاگتا ہے بزرگ بڑے طیش کے ساتھ دہراتے ہیں) شاعر نے کہا۔ شاعر نے کہا۔ شاعر نے مجھے بھی کہا۔ حرام خور کی گدی سے زبان کھینچ لے کو ہنکالو...... ہاں۔ بڑا آیا شاعر کا گھر داماد۔ توبہ ! توبہ ! توبہ ! بانولی...... پردہ کھینچ کو الگ بٹھا کو پڑھانا کیوں کتے ...... درجے میں ساٹھ ستر چوں کے ساتھ پڑھنے والے بچے ۔ کھلے گھر میں بیٹھ کو نئی پڑھتے ۔ ؟ اوہو۔ رستے استوار کر کو دیرئیں تمے امان ہو کو...... ! خبردار ! جوتیوں سے توبہ ...... لڑکیاں استانی سے اچ پڑھنا بھلا...... کتّے کے آگے ہڈی رکھ کو آزمائش کرنے والا خود احمق الذی ...... اکیلی جائے پے عورت بچی بیٹھی ہو تو جنے باپ کو جانے کا حق نئی کتے ...... اکیلی جائے پے نامحرم مرد جم کو زنانیوں کو پڑھانا...... الٹے شیطان کی پوجا کرنا...... ؟ ! نکو نکو نکو۔ یہ چونچلے نکو۔ مفت کرے بدنام ۔ دیدے پھٹا دلا آرام !



گھڑی سات بجاتی ہے کافی اندھیرا ہوگیا ہے ۔ گھر میں اور باہر روشنیاں جل چکی ہیں ۔ بی جان بی چلمن سے لگی جھانک رہی ہیں اور ٹہلتی جاتی ہیں ۔ کبھی کبھی دم دم ہوکر کھانسنے لگتی ہیں ۔ بچے ادھر ادھر بیٹھے یا نیم دراز کتابیں سنبھالے پڑھ رہے ہیں ۔ جن کی قیادت یکم الف اور بے کررہی ہیں ۔

بی جان بی : ساتج گئے۔ کیابات کی۔ آئے نئی ابی تک۔ ہول ہول ہورہائے۔

یکم الف : (وہیں سے) کیاامی!! ناناجان مہینہ سوروپیہ لگادینے کے باوجود پیسے کی تنگی رہناوولے تو شرم کی بات۔

بی جان بی : ......اجی بیٹے۔ جس کا بدر وہ نچائے۔ جس کی گرہستی وہ چلائے۔ بھلاابایاں کو میری گرہستی کا طور طریق کیا معلوم۔ ارے بُٹی بھر کے بال بچے۔ اس پے میری بیماری...... مردئی ہوا کولھو کا بیل ہو گیا۔ کیتاکر کے بوجھ ڈھوئینگا؟ کیسائی کر کے جی رئیں ناامان۔ اب نام ہو گیاناناجی سوروپیہ دے ریاں ...... دیکھو۔ ان کے حکم کے مطابق تم لوگوں کو ٹیوشن کے تیس روپے۔ میرے آدھ سیر دودھ کے تیس روپئے۔ رکشار اتب کے بیس روپئے۔ باقی بچے بیس...... وہ بھی میری اچ دوائیں۔ یا کبھی کبھار پیسہ دو پیسے۔ ہفتم ہشتم نہم لے لیتے یاں۔ اِنوں تو جاں کے واں کھڑ ئیں نا۔ ان کو کونسی مدد ملی...... ناناجان کے دان سے۔ آنے دیو ذرا زیار تاں حجاں کر کے آئیئے پچھے مئی بات کرتیوں ...... مئی قسم کھاکو دودھ پینا کیوں ضروری کتے...... ؟

ہفتم : (لیٹے لیٹے۔ کتاب پر جھکے پنسل چباتے ہوئے) امی۔ عید آگئی ہے نا۔ اباس کی تیاری میں ہوں گے۔ (پلٹ کر) امی ...... امی! ابو کو بول دیوٗ میرے لیئے کچھ نہ لائیں۔ مجھے پنڈت چاچاٹوپی کرتااور پجامہ بنادیئے......

بی جان بی : ارے تیرا موہنہ جلو خیراتیے ...... وہ غریب برہمن ...... دوکانوں کی چوکیداری کر کے کمالے رہائے۔ پہلے اسے مار مار کے ڈرادیا۔ اب لُوٹ لے ریائے ؟

دوم بے : امی رشوت لے رہاہے نئی مار نے کیلئے۔

ہفتم : (برامان کر) دیکھوناامی...... مجھے بدنام کر دیر ہی ہے دوم بے ...... امی انو بیٹا تو مالیئے۔ نا۔ مئی کچھ نئیں منگا۔ پنڈت چاچا خود اچ بولے۔ ہفتم تو میرے لیئے شبھ، لابھ دائیک ہے رے۔ تو میرے پاس آئے جب سے دووقت شمع معمہ لگا۔ بہوت پیسے ملے...... انو تو ابو کیلئے کرتااور تمارے لئے ساڑھی لارئیں۔ اور پھرامی۔ مئی جب بڑاہو کر کماؤں گانا......

تنخواہ کے چار ٹکڑے کرونگا۔ اچھا سوچ لیوں ۔ چار ٹکڑے کر کے۔ ایک تم کو ایک ابو کو ایک نانا جان کو اور ایک پنڈت چاچا کو دیوں گا۔ ان کو الگ کمرہ بنادیوں گا جاں ہم دونوں رہیں گے۔ دو کانوں کی چوکیداری ختم......

یکم بے : امی...... ہمارے پاس تھوڑی سی بچت ہے۔ ہم سب جمع کر کے پنڈت چاچا کیلئے دھوتی چادر خریدلیں ؟

بی جان بی : جیتے رہو میرے بچو ! جیتے رہو ! بھوکے رہو پیاسے رہو۔ دکھ درد سے تڑپتے رہو تو بھی۔ سر کو اٹھائے رکھ کے جیوٴ...... گردن کو کھڑی رکھ کے جیوٴ...... بیٹے...... ایک غریب کے خلوص کا غلط استعمال کبھی نکو کرو...... ضرور بنادیوٴ۔

ہفتم : امی...... امی ! اپنے گھر میں ایک کمرہ بنادیئے تو......

بی جان بی : ہاں۔ ذرا۔ یکم الف بے دوم الف بے کی شادیاں ہو جانے دے۔ گھر خلاصہ ہو جاتا تیرے پنڈت چاچا کو ساتھ رکھ لے...... بہوت اونچے دل کا بندہ ہے رے تیرا پنڈت چاچا۔ اب کبھی نکو ستا...... برہمن کی ہائے بہوت بری۔

ہفتم : (برُا مان کر) یہ تو تم اچ بولتیں۔ انوں تو بولتیں "جیب کی بولی بندہ سُنے ۔ من کی بولی رب" ...... ہفتم بیٹا ! چیونٹی کو بھی تکلیف نہ دینا۔ ایشور سخت حساب لیگا...... سوب آدمیاں ایشور کی اولیاد ہیں۔

یکم الف : دیکھیے...... جو آدمی ہر انسان کو اللہ کی خلقت مان لیتا ہے اُس سے بڑا دنیا میں اور کون ہے ؟ پنڈت چاچا انگوٹھا چھاپ نہیں۔ پنڈت ہیں پنڈت ۔سنسکرت تو ان کی زبان ہے لیکن انگریزی خاص کرا اُردو تو ہم مسلمانوں سے بہتر جانتے ہیں۔

سوم چہارم پنجم : امی...... امی !! ہم پنڈت چاچا سے ٹیوشن لے لینا ؟ !

بی جان بی : اس سے اچھی بات نئی کوئی۔ مگر وہ بچارے محنت بھی کریں گے فیس بھی نئی لینگے...... کیسا بولتے...... ؟ ! ان کو زحمت نکو دیو......"

(دفعتاً سیڑھی پر لاٹھی کی جم کر ضرب لگاتے ہوئے روایتی حیدرآبادی سائیل نمودار ہوتے ہیں ۔ جس دھماکے سے سارے کے سارے لوگ اچھل پڑتے ہیں اور بی جان بی مارے گھبراہٹ کھٹیا پر گرجاتی ہیں ۔ یکم الف بے وغیرہ چلمن تک دوڑ آتی ہیں)

سائیل : (کڑک کر) لادلادے دینے والے دے اللہ کے نام کا۔ حق خواجہ کا۔ حق غوث اعظم دستگیر پیران پیر کا......(آوازہ) لادلادے روپیہ اٹھنی......

سارے بچے : معاف کرو...... معاف کرو!!

سائیل : (ڈنڈا پیٹ کر کڑکتے ہوئے) لا۔ لالا روپیہ اٹھتی۔ دو مہینے بعد آئیں۔

بی جان بی : (اندر سے پکار کر) ۔ معاف کردیؤ ئیو لے ناباوا...... معاف کردیو۔

سائیل : (کچھ اور کڑک کر) کس کو معاف کرو بول رئیں۔ کوئی شوہر شو فرنو کر دکھائی دے رئیں اجی اللہ والے ہیں...... اللہ والے...... اللہ کا حق مانگ رئیں۔ لاؤ نکالو حق اللہ کا...... حق پیران پیر غوث اعظم دستگیر کا۔ حق خواجہ غریبؔ نواز کا...... نکالو نکالو روپیہ ۔ نکالو۔

سارے بچے : معاف کرو جاؤ ئیو لے تو گڑ بڑ کر رئیں کیا جی ؟

بی جان بی : (کڑ کڑاتے ہوئے) دُنیا کے فقیراں آتیں۔ جاتیں۔ آدھی رات کو آ کو دنگا کرنے والا ایسا فقیر دکھائی ...... (بچوں کو پرے ڈھکیلتے ہوئے) ہوؤ چلو۔ اپنی پڑھائی کرو۔

سائیل : ایک تو روپیہ نئی نکالتی دوسرے زبان چلارئی رے۔ زبان سنبھال لے بڑھیا۔ فقیر بھکاری ہوں گے تیرے بھائی بند ہو...... یاں خواجا کے سپاہی ہیں...... اللہ ھُو...... ھُو...... ھُو......! چل۔ نکال روپئہ ......دو روپئہ !!

بی جان بی : جھاڑوں کو روپے نئی لٹکیں...... چلتے ہو۔ (دروازہ بند کرلیتی ہیں)

سائیل : (دروازے پر زبردست ضرب لگاکر) تھیلی کا مونہہ نئی کھولینگی تو کالی آندھی آئینگی۔ تو مر جائینگی...... گھر کی جگہ ڈھیلا نئی بچیں گا!! ڈھیلا نئی بچیں گا۔“

(مرکزی ہال سے ہشتم بے کی چیخ ۔" غازی بھائی ۔ ذرا آیئے تو سہی۔ یاں ایک موٹا تازہ سلطانہ ڈاکو آ کے ہمارے گھر پے ہلہ بول دیا ہے۔ لاٹھی تو بھی گن تو بھی لیکے آیئے۔ بھنگ پی کے دھت ہے بھنگی۔ امی کو گالیاں دے رہا ئے۔ (جواب آتا ہے) ”ڈرو مت ہم لوگ بندوق لے کے آرہے ہیں “)۔

سائیل : (جواب سنتے ہی) آخ تھو...... بھیک منگے کنگال فقیر...... یہ کیا دیں گے خواجہ کا حق ...... (نعرہ) خواجا...... ان کو کھا جا“ (سیڑھی پر زوردار ضرب لگاکر چمپت ہوجاتا ہے ۔ بی جان بی رو پڑتی ہیں)

بی جان بی : سر اٹھاکے آجاتیں بے شرم بھک منگے۔ پی کے بھنگ...... بھنگی...... دُور پار کیا کیا بول کو گیا۔ (ہچکیاں لے کر روتے ہوئے) ہم مر رئیں ہماری جگہ پو...... چودہ جانوں کا پلنا بچوں کا کھیل نئی...... ان کو ان کے خواجا تائے نئی کی ہم ان کے سپاہی سے بھی گئے گذرے محتاج ہیں۔ اپنے تو بی منگ منگا کو کھا سکتا ہے۔ وہ کام ہمیں نئی کرسکتے۔ مرتے مر جانا ہے۔

ہفتم : مگر امی ...... یہ خواجہ صاحب اپنے سپاہیوں کو ٹیکس وصول کرنے بھیجتے کیوں ہیں۔ ابا تو تنخواہ سرکاری کٹوتی کے بعد اچ لاتے ہیں نا۔

ہشتم ب : دیئے تو اچھائی تو کالی آندھی چلا کے مار ڈالتیں ......

نہم : ہمارے اللہ میاں سوب سے اچھے۔ منگتے نہ لیتے بس دیتے اچ رہتے ہیں۔

ہشتم الف : کیا دیئے اللہ میاں تم کو۔

نہم : (اک اک کو چھوکر) یہ آنکھ۔ یہ ناک یہ ہاتھ۔ یہ پاؤں یہ جان۔ امی۔ یہ ابا۔ یہ گھر ...... یہ کھانا ...... اور ڈبل کا میٹھا۔ قربانی کا مٹھا ...... اور سیتا پھل ...... آم اور

ہفتم : کھجور ...... بوٹی ...... روٹی ...... دودھ۔

نہم : شکر۔ شکر کھا کو شکر یہ بول شکر پارے۔

ہشتم ب : کپڑا ساماں ...... سب کچھ۔ اور سب سے بڑی عقل۔

(تینوں ادب سے بیٹھ کر دل گذار انداز میں شروع کرتے ہیں۔ بتدریج سب آواز میں آواز ملاکر گاتے ہیں)

آؤ آؤ سر کو جھکائیں گیت خدا کی حمد کے گائیں
جس نے اس دنیا کو بنایا اور ہمیں پھر اس میں بسایا
جس نے پانی اور ہوا دی جس نے ہماری آگ جلادی
جس نے ہمیں ماں باپ دیئے ہیں ہم پہ ہزار احسان کیئے ہیں
محنت کرکے باپ کمائے ماں ہمیں ممتا سے کھلائے
بھائی بہن اور رشتے ناتے سب مل جل کے ہم کو جلاتے
آؤ آؤ سر کو جھکائیں گیت خدا کی حمد کے گائیں

بی جان بی : (دعا کیلئے دونوں ہاتھ اٹھاکر) یا اللہ ...... اپنے حبیبؐ کے تصدق میں میرے گلشن کو آباد رکھیو۔ (سب کے سب) آمین ثم آمین۔

تمام بچے : (دعا کیلئے ہاتھ اٹھاکر) اللہ پاک اللہ میاں کی پاک ذات! ہمارے ابو کو۔ ہماری امی کو عمر دے حیات دے تندرستی دے خوب دولت دے عزت دے ...... ہم سب کو راحت دے

نہم : (انتہائی تیزی سے) اور مجھے خوب مٹھائیاں دے۔ (سب کے سب) آمین ثم آمین

یکم الف : (ماں کی ٹھڈی چھوکر) ام ...... می ...... جی چھوٹا مت کرو ...... یہ گندے بھک منگے بھیک مانگتے بھی ہیں تو احسان کی آڑ لے کر ...... جس کا کیا کہا اس کے دیدے گھٹنوں آگے ......

بی جان بی : بیٹے ...... جی چھوٹ گیا تھا۔ گھر بیٹھے "اوّ کالی برسات۔"

دوم بے : دبس بج گئے کبھی کے ...... بابا نئی آئے۔ امی!

بی جان بی : وہی تو پریشانی مار دے رئی رے۔

یکم الف : نا۔ نا۔ نا۔ بس آتے ہی ہوں گے ہمارے ابو......

سب کے سب : ہمارے پیارے ابو...... ۔

(ایک ایک کرکے بچے سب سوجاتے ہیں ۔ بی جان بی کبھی کھٹیا پر بیٹھتی ہیں اور کبھی چلمن سے لگی کھڑی ہوجاتی ہیں ۔ ہونٹوں پر دُعائیں ہیں اور آنکھوں میں آنسو ۔ بارہ کے گھنٹے بجتے ہیں ...... وقفہ ۔ چلمن سے لگے پردے پر اسٹریٹ لائیٹ اکے ریفلیکشن سے ایک بے حد کبڑے ، جھکے ہوئے شخص کا سایہ پڑتا ہے ۔ بی جان بی کو گر پڑکے بھاگنے والے فقیر کا گمان اور کسی آنے والے خطرے کا اندیشہ ہوتا ہے ۔ وہ جھپٹ کر دروازہ بند کرتے ہوئے چلاپڑتی ہے "اٹھو ...... بچو اٹھو ۔ بھنگی آگیا ۔" سارے بچے ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں ۔ ہشتم بے ۔ "پھرمیں غازی بھائی کو بلاتا ہوں وہ بندوق لاتے ۔" دروازے پر دھیرے دھیرے کھٹکا اور گھٹی گھٹی آواز " دروازہ کھولو " آتے ہی ہفتم چلاّ چلاّ کر !...... تو پھر آگیا ...... کاں گئی میری لاٹھی ......"اب بی بتا تؤں مزہ " دروازے کے پاس ناچنا شروع کرتا ہے ۔

فیضو نواب : ارے دروازہ کھول بے وقوف ...... " ہفتم دروازہ کھولکر لپٹ جاتا ہے۔ سارے کے سارے ......)"ابو ...... ابو ...... ابو" (گھیر لیتے ہیں ۔فیضو نواب انتہائی بوجھل پوٹلی اندر کھینچتے ہوئے)"ارے ہٹو ...... اندر تو آنے دو۔"(فیضو نواب وزنی پوٹلی اٹھاکر لاکر بیچ ہال میں دھم سے پٹخ کر پسینہ پونچھتے اور دم سنبھالتے کھڑے ہوجاتے ہیں ۔ یکم الف دوڑکر پانی لاکر پلاتی ہے سارے بچے خوشی سے ناچنے لگتے ہیں)۔

فیضو نواب : (کھٹیا کے قریب پوٹلی گھسیٹ کر کھولتے ہوئے) کپڑے ہیں عید کے لئے ...... دو چار دن پہلے ذکر کیا تھا ...... نواب نور الدین صاحب اور مجاہد صاحب سے جاتے جاتے آپا جان جو جوڑے منا کے گئے تھے۔ ہر عید بقر عید۔ دعوت جشن میں مسلسل استعمال کر رہے تھے ڈیڑھ برس سے ...... اب تو وہ بھی تنگ اور چھوٹے ہو گئے ...... مجبوری یہ کہ چودہ جانوں کا کپڑا ...... کس کے بس کی بات ...... کروڑ پتی ہونا ...... وہ بولے "نواب! وقت وقت

کی بات ہے۔ گردش نے ظل سبحانی تیمور کو بچہ سقہ کا احسان مند بنادیا۔ اشوک اعظم نے ایک بھکشو کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا۔ ہم آپ کس کھیت کی......

تمام بچے : مُولی ہیں (خوب تالیاں پیٹتے ہوئے) کس کھیت کی مولی ہیں...... گوبھی شلجم گاجر ہیں"

فیضو نواب : "مجاہد صاحب بولے۔ نواب آج تیرہ کھانے والے مونہہ گن رہا ہے کل چھبیس کمانے والے ہاتھ نئی گن سکے گا...... جورُو مرد کی پیشی میں ہر وقت تین دم ہاتھ جوڑے کھڑے ملیں گے۔ اکی دکی اولاد کہاں کہاں کدھر نکل جاتی ہے کچھ پتہ ہی نہیں چلتا......"نور الدین صاحب پھر بولے۔ "فیضی نواب صاحب !! کپڑا نیا کا نیارہ جاتا ہے بچے بڑے ہو جاتے ہیں...... اکثر ٹیلر تیار کر کے لانے تک انچ دو انچ تنگ اور چھوٹا پڑ جاتا ہے۔ اوپر تلے چھوٹے بڑے پہن کر پیسہ چیز کر دیتے ہیں۔ ہمارے پاس تواب چھوٹے ہیں ہی نہیں ڈھیروں کپڑا بغیر برتے رکھا ہے آپ لے جایئے...... چھوٹے بھائی بہن پہن کر چچا کی محنت چیز کر دیں گے......

لی جان لی : (اپنے سینے پر ہتھڑ مارکر) سو اتنا سارا کپڑا...... اور اتنا بھاری۔ بھاری۔

فیضو نواب : (کھول کھول کر دکھلاتے ہوئے) یہ دیکھو...... یہ دیکھو۔ یہ سب کے لیئے ہیں۔ (دوم اور سوم دسترخوان لگاکر بار بار آواز دیتی ہیں لیکن فیضو نواب سنی ان سنی کردیتے ہیں)

دوم : (پاس آکر جھنجھوڑکر) ابو...... آپ کھانا تو کھالیجئے پہلے......

سوم : ابو...... مونہہ سُت گیا جی...... پہلے کھالیجئے نا......

لی جان لی : چلو جی۔ میں سب کے ناپ سے الگ الگ کر دیتی ہوں تمے دوچار لقمے تو اٹھالیو...... (سارٹنگ کرتے ہوئے۔فیضو نواب مونہہ ہاتھ دھونے چلے جاتے ہیں۔ آنے تک)...... یہ ساڑیاں...... میرے۔ یہ بڑے جوڑے یکم الف بے دوم بے کے۔ یہ دوم الف...... چھارم...... دوم...... سو۔ (کپڑے سارٹنگ کرتے کرتے) پنجم...... سوم دوم۔ چھارم۔ یکم۔ یکم۔ یکم...... دوم بے۔ الف...... پنجم یہ مردانی۔ ششم ہشتم۔ الف بے ...... ششم۔ یکم الف۔ یکم بے۔ ہشتم ہشتم۔ (فیضو نواب مونہہ ہاتھ پونچھ رہے ہیں) اوہ...... یہ ننھے منے کپڑے...... میرے نہم کے لئے......

فیضو نواب : (دسترخوان پر بیٹھ کر نواله اٹھاکر بسم الله کے ساتھ) ہونہہ...... ہونہہ...... یہ ننھے ننھے کپڑے ہمارے نورالدین بھائی کے سب سے چھوٹے بیٹے منو کے بچپن کے کپڑے ہیں۔

بی جان بی : وو ئی اچ نا جو ہمارے ہفتم کے ساتھ کھیلا کرتا تھا......

فیضو نواب : (نوالہ مونہ میں ڈال کر) ہاں۔ وہی وہی ...... اب تو وہ ہفتم سے بھی دو بالشت اونچا نکل گیا ہے۔

بی جان بی : (سرد آہ کے ساتھ) ہو جی کیوں نہو ...... خوش حالی ہے تندرستی ہے۔ بے فکری ہے کھانا کھیلنا پڑھنا سونا ...... اور بس (اس دوران سب بچے اپنے اپنے کپڑوں کا ٹرائل لیتے اور ادل بدل کرتے جاتے ہیں۔ گھرخوشی اور قہقہوں سے گونج رہا ہے۔ سب کے جسموں پر زرق برق بھڑکیلے کپڑے ہیں۔ ادھر منو کے کپڑوں کا ڈھیر سا لگ جاتا ہے) خوش حال گھرانوں میں بچے جلدی جلدی بڑھتے ہیں نا جی۔ اس واسطے دیکھتے اچ دیکھتے کپڑے چھوٹے پڑ جاتے ہیں ...... اب یہ کپڑے دیکھو...... استری ہنا لیو تو نئے کے نئے ...... (ہنستے ہنستے نہم کے جسم پر ڈال کر جو بالکل خاموش اور سست بیٹھا نندرائی آنکھوں سے سب کچھ تک رہا ہے) ” دیکھا...... میرے راجا بیٹے!! دیکھا ترے کپڑے ...... پسند آئے!؟“

نہم : (کپڑے دور پھینکتے کر ایک جھٹکے سے کھڑا ہوجاتا ہے) یہ ہمارے کپڑے نہیں ہیں۔ یہ منو کے کپڑے ہیں۔ ہم نہیں پہنیں گے منو کے اُترے کپڑے!“

(باپ کو نفرت سے گھورنے لگتا ہے۔ فیضو نواب کے ہاتھ سے لقمہ گرجاتا ہے۔ بی جان بی ہکا بکا حیرت زدہ رہ جاتی ہے۔ تمام بچے اپنے اپنے کپڑے کندھوں پر لادے جہاں کے تہاں کھڑے رہ جاتے ہیں)

فیضو نواب : (تیکھے انداز میں) ”کیوں نہیں پہنو گے تم اُترن کپڑے ؟!“

نہم : (اپنے سامنے سے ایک ایک کپڑا ادھر ادھر اچھال کر) نئی۔ نئی نئی ہم کبھی نئی پہنیں گے۔ ہم بھئی فقیر نئی......

فیضو نواب : (ہاتھ روکے ہوئے سخت لہجے ہیں) تمارا باپ پہن رہا ہے اُترن۔ تماری ماں پہن رہی ہے اُترن ...... تمارے یہ سارے بہن بھائی۔ یہ سب پہن رہے ہیں اُترن ......

(نوالہ پٹخ کر اٹھ کر ہاتھ سے پکڑ کر ٹھڈی سے مرکز پر لاتے ہوئے) تم ...... تم کیوں نہیں پہنو گے اُترن ...... ہاں ! تم آسمان سے ٹپکے ہو ؟“ (دونوں کندھوں سے پکڑکر جھجھوڑتے ہوئے) تم کپڑے پہنو گے ...... تم منو کے کپڑے پہنو گے......

نہم : (شدت سے پیر پٹختے ہوئے) نئی نئی نئی ...... نئی پہنتے نئی پہنتے نئی پہنتے!!

بی جان بی : (سہمی ہوئی) تم چھوڑ دیو جی...... اسے میں سمجھالیوں گی...... ہٹو تمے۔

فیضو نواب : (بی جان بی کو دور ڈھکیلتے ہوئے) تم سب کے لاڈ پیار نے اسے توٹ کی ڈالی پو بٹھادیائے...... کیا سمجھتائے خود کو...... میں اس کی مستی اتار کو چھوڑونگا۔ (ایک ہاتھ سے کپڑے چھانتے ہوئے) ایک ادنی کلرک کا پوت...... دماغ وائسرائے کا...... اِنے توانے اس کا باپ بھی پہنیں گا منو کے اُترن کپڑے......

نہم : (بُری طرح مچلتے ہوئے) تم پہن لیو جی منو کے کپڑے...... ہم نئی پہنتے۔

فیضو نواب : (دو طمانچے مارتے ہیں۔ نہم گرجاتا ہے اور بے بسی سے ہاتھ پیر گھسیٹنا شروع کرتا ہے ساتھ میں چلارہا ہے) نئی...... نئی...... نئی...... نئی...... امی۔امی......

بی جان بی : (جھڑک کر ہاتھ جھٹک کر چھڑوانے کی کوشش میں) چھوڑ دیو جی اسے...... میں پہنادیتیوں...... پہن لیگا...... بچے سے کائیکی ضداں جی۔

فیضو نواب : (بی جان بی کو بُری طرح ڈھکیل کر) اب...... ابھی۔ اسی وقت پہنیں گا (نہم کو گھسیٹتے ہوئے کمرے میں گھس کر دورازہ لگا لیتے ہیں۔ زودوکوب اور نہم کی چیخوں کی آواز۔ باہر سے سب دروازہ پیٹ رہے ہیں۔ چلا رہے ہیں دو ہائیاں دے رہے ہیں) جہالت جتا کے ڈراتا ہے مجھے حرام خُور...... سینے پو سلا کو...... اپنا خون چٹا کو پالا تجھے...... تو مجھے دبانے کی کوشش کرتا ہے سنپولے......

بی جان بی : (گڑگڑاکر) اللہ اس کے حبیب کا واسطہ چھوڑ دیو میرے بچے کو......

تمام بچے : ابو...... ابو...... دروازہ کھولو ابو ابو...... ابو......

(زدوکوب کی آوازیں شدید ہوتی جاتی ہیں۔ ساتھ ہی چیخیں بھی)

نہم : نئی...... نئی۔ چھوڑو...... ہم کو چھوڑو...... ہم نئی رہتے تمارے ساتھ۔ ہم کو چھوڑ دیو...... ہم چلے جاتے چھوڑو......

فیضو نواب : (نہایت طیش کے ساتھ) جھولے میں جھلایا ہوں تو 'نا' ڈولے میں اٹھاؤں گا مگر چھوڑونگا تو نئی...... حرام زادے...... تیری بوٹیاں کتر کو چیل کوّاں کو کھلا دیوں گا...... چھوڑونگا تو نئی...... پہن...... پہن...... پہن !!

بی جان بی : (دھم سے گاؤ تکیے پر گر جاتی ہے) اللہ تو رحم کر۔ اللہ تو فضل کر...... اللہ مٹی پڑ کو جاؤ عید پو...... عید کے کپڑاں پو...... یاں تو میرے بچاں کی قربانی ہو جارئی اے رے......

نہم : (کی فیصلہ کن چیخ) نئی پہنتے جی...... ہم کو چھوڑو!
(زوردار تڑاخ دار! آواز کے ساتھ ’’پہن حرامی پلے!! اور ساتھ ہی نہم کی زبردست چیخ ’’مر گیا امی‘‘ پھر گڑگڑاہٹ) پہن لیتے منو کے کپڑے۔ پہن لیتے منو کے کپڑے۔
فیضو نواب : (اترتے ہوئے اُبال کے ساتھ) اب عمر بھر یاد رکھنا۔ تو ایک ادنیٰ کلرک کا تیرھواں بیٹا ہے۔ کیا...... چل گردن اٹھا ......وہ ہاتھ بڑھا۔
نہم : (ہچکیوں کیساتھ اٹکتے اٹکتے مردہ آواز میں) مئی ادنیٰ کلرک کا غریب بیٹا ہوں۔
فیضو نواب : ادنیٰ غریب کلرک کا تیرھواں بیٹا......
نہم : ادنیٰ غریب کلرک کا تیرھواں بیٹا......
فیضو نواب : چل۔ ادھر والا ہاتھ ڈال (وقفہ) ...... لے اب یہ چڈی پہن۔ ہونہہ...... جلدی...... (باہر آواز لگاتے ہوئے)۔ یکم! ہاتھ بڑھا کے جوتے دے......
یکم الف : (کھٹکے کے ساتھ) اولیو جوتے......
بی جان بی : (بڑی حسرت اور غم میں) لیو مبارک۔ کلیجہ ٹھنڈا پڑ گیا۔ پوٹے کا قیمہ بنا کو۔
فیضو نواب : چل...... پہلے سیدھا پانوڈال۔ لے۔ اب بایاں پاؤں ڈال...... لے پونچھ۔ مونہہ پونچھ
(دوازہ کھول کر بچے کو ہاتھ سے پکڑکر باہر لاتا ہے ۔ نہم سسکیوں ہچکیوں اور سرد آہوں کے ساتھ ایک معمول کی مانند ڈُلتا ہوا چل رہا ہے یکم کھینچ لیتی ہے ۔)
یکم الف : شیطان سر پے چڑھا تھا۔ مرنے کو ضد کرتا ہے۔ لے پانی پی لے۔
(نہم گلاس بھر پانی معمول کی مانند پی جاتا ہے ۔ فیضو نواب پکارتے ہیں ۔ آ بیٹھ ۔ میرے ساتھ کھانا کھا ۔ میرے ہاتھ سے ۔ “ نہم ادھ کھلی آنکھوں کے ساتھ معمول کی مانند آجاتا ہے)
بی جان بی : (خشک لہجے میں انتہائے درد کے ساتھ) نکو جی نکو...... ابی سونے سے پہلے اچ کھالیا...... کھانا ایچ تھوڑا ہے۔ تمے کھالیو......!
فیضو نواب : (برس پڑتے ہیں) چوپ!! (گود میں بٹھاکر اپنے ہاتھ سے سارا کھانا کھلا دیتے ہیں نہم معمول کی مانند نگل لیتا ہے) ۔

بیوی بچے سارے کے سارے بستروں میں دبک جاتے ہیں ۔ بی جان بی مونہہ پر لحاف ڈالے گھٹ گھٹ کر رورہی ہے ۔ فیضو نواب بچے کو اپنے بستر پر لیکر سینے پر ڈال کر

تھپکیاں دیکر سلانے کی کوشش کرتے ہوئے ۔ پس منظر میں نہم کی ڈوبتی ہوئی سسکیاں جاری ہیں)

فیضو نواب : میرا نہم ...... میرا بیٹا ...... میرا بچہ ...... میرا راجہ بیٹا ...... یہ بقر عید ہو جائے۔ اگلی عید پو اپنے راجا بیٹے کو نئے نئے بھاری کپڑے ہواؤں گا۔ (نہم ڈوبتی ہوئی آواز میں کراہتا روتا اور چمک چمک جاتا ہے) اور ہاں ...... ٹوپی۔ چمکدار زری والی دستار ...... موتیاں لگی ہوئی بادشاہوں والی دستار لاؤں گا ...... (چومتے ہوئے) میرا لعل راجا دکھائی دے گا ...... میرا لعل ...... آ ...... ہاں ...... آں ...... اور نہ ...... نیا نیا ...... کینولیس کا جوتا بھی لاؤں گا ...... صرف اپنے نہم کیلئے ......

ہفتم : (بستر کے اندر سے) ابو ...... مجھے بھی لا کے دینا۔

ششتم و ہشتم : اور مجھے بھی ...... مجھے بھی ...... (فیضو نواب سنی ان سنی کرجاتے ہیں)

فیضو نواب : لا۔ لہ لہ لا۔ لالا

آجا ری نیند و رانی آجاؤ تو ۔ منے کے نینوں میں گھل جا تو۔

نہم : (کربناک ڈوبتی ہوئی آواز میں) امی سلام ...... ابو سلام۔ خدا حافظ ......

فیضو نواب : آجا رے سپنے راجا جلدی سے آ منے کو نندیا کی گھوڑی چڑھا

نہم : .... (نہایت پرسکون نیند میں ڈوبی ہوئی سرگوشی میں) ابو ...... خدا ...... حا ...... فظ ......

فیضو نواب : آجا ری نندو والی آ کے نہ جا۔ منے کو بانہوں میں جھولا جھولا ......
نا۔ نا ۔ ری۔ نا۔ ناری ۔ نانا۔ نا ...... !۔

(تمام سونے والوں کے پرُسکون خراٹے گھونجنے لگتے ہیں)



اذان ...... مندر کی گھنٹیاں ...... چرچ کے گھنٹے ...... تیلی راجا کی پکار اور ڈنڈی کے گھنگرو ...... کوئے کی کائیں ۔ کائیں ۔ چڑیوں کی چہچہاہٹ ...... مرغ کی بانگیں ۔ مرغیوں کا کراکنا ......

فیضو نواب کے گھر کا رؤایتی منظر زیادہ ہی بے ترتیب پڑا ہوا ہے ۔ سب کے سب بے سدھ سوئے پڑے ہیں ۔ جیسے کسی کو کسی کا ہوش نہ ہو ۔ روشنی تیز ہوگئی ہے ۔ دن چڑھ آیا ہے ۔ کھٹیا پر فیضو نواب سینے پر نہم کو سلائے بے سُدھ سو رہے ہیں ۔ نہم کا ایک پاؤں

بستر کے باہر نکل آیا ہے جسے مدہوش نیند میں غلطاں پٹی سے سر ٹکاکر بیٹھی ہوئی بی جان بی نے اپنی پیشانی سے لگائے رکھا ہے۔ گلی میں پھیری والوں کی آواز گونج رہی ہے۔ ''قربانی قربانی...... اللہ کی راہ میں قربانی......'' ''قربانی...... قربانی...... قربانی''۔

ڈاکٹر شرما : (مسز اینڈ مسٹر شرما، کھڑکی سے جھانکتے ہوئے) ارے کیسا بے ترتیب سو رہے ہیں یہ سب

مسز شرما : نرسیں بتا رہی تھیں رات کو خوب گرما گرمی ہو گئی......

مسٹر شرما : ارے! آج تو عیدالضحیٰ ہے۔ نماز جلد...... بلکہ کئی مسجدوں میں تو ہو چکی ہوں گی......

مسز شرما : اوہ گاڈ...... مسز سید! کا سونا کیسا لگ رہا ہے جی۔ بس تصویر لے لینا......

مسٹر شرما : ایسا سوچو بھی مت!...... یہ فیملی اتنی فوٹو جینک ڈرامہ باز ہے کہ بلاناغہ صبح سے شام تک بس فلم ہی نکالتے رہنا ہوگا...... اچھا ذرا آواز دے کر آپ جگائیں سہی...... (ڈاکٹر شرما ہٹ جاتے ہیں)

مسز شرما : مسز سید...... یکم الف یکم بے! (دو چار بار آواز دیتی ہیں۔ یکم الف و بے آنکھیں ملتے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں)

یکم الف و بے : گڈ مارننگ ڈاکٹر میم صاحب...... گڈ مارننگ۔

مسز شرما : ویری گڈ مارننگ...... دیکھو امی کو بیٹھے بیٹھے نیند لگ گئی ہے۔ انھیں جگاؤ تو...... دیکھنا ......(خدشہ کے امکان کے پیش نظر)

یکم الف : امی...... امی...... امی اٹھو......

(بی جان بی مردہ آواز میں جواب دیتے ہوئے جاگ جاتی ہیں۔ یکم الف باپ کو جگانے جھکتی ہے)

بی جان بی : سونے دیوٗ دونوں کو...... بڑی مشکل سے سوئے دونوں کے دونوں۔ (آگے آکر جماہی لیتے ہوئے) گڈ مارننگ ڈاکٹر میڈم!!

مسز شرما : کیا...... آج عیدالضحیٰ ہے نا...... ہم آپ کے خوبصورت بچوں کو نماز کو جاتا دیکھنا چاہ رہے تھے آپ عید کے دن اچ سوب کے سوب سو گئے دیر تک......

بی جان بی : (مردہ آواز میں) نصیب اچ سو گئے تو ہم دہ کیا جگتا ڈاکٹر صاحب...... چلو چو! اٹھو جلدی جلدی...... نہا دھو کر کپڑے بدل لیو...... (یکم سے) تمے سوب لوگاں نہا دھو کر کپڑے بدل لے کو ان دونوں کو جگا دیوٗ...... باوا اچ نہلا لیتئیں بیٹے کو...... نہلا لینے پٹا لینے دیوٗ......

(سرکو ہاتھ لگاکے فرش پر بیٹھ جاتی ہیں) سر پھٹا جارائے......(یکم بے اور دوم بے کو پاس بلاکر) بیٹے۔تمے دونوں مل کو سیر بھر کنکی میں دو مٹھی دال مسور ڈال کو دھولیو...... پانچ گلاس پانی میں دو چیچ تیل دو چیچ نمک چار چھ ہری مرچاں چمچہ بھر ادرک لہسن ڈال کو اونٹھالیو...... دال چاول میں ہلدی چھوڑ دیو ماں...... کھچڑ ادم ہو جائینگا...... اچاراں سنگ کھالینا...... آج تمارے ابو سے اٹھانہ جاوے گا...... بیٹے کے تن پو مار کو اپنے کلیجے پو مار لیکو پڑئیں...... میں ذرا کمرے میں پڑ جاتیوں رے۔

تمام بچے : نہادھو...... کپڑے بدلے۔ صاف ستھرے تیار پلنگ کے پاس آجاتے ہیں۔

ہفتم : (ہولے ہولے ہلاتے ہوئے) ابو...... ابو...... اٹھو۔ آج تو عید کا دن ہے۔

ہشتم الف : بکرے کی عید کا...... ابو۔

ہشتم ب : ابو...... اٹھو...... وقت نئی ہے مسجد میں جگہ نئی ملے گی...... جماعت تیار ہے۔

(فیضو نواب ہڑ بڑا کر آنکھیں کھول دیتے ہیں ۔ اور بڑے پیار سے نہم کو جگانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ محبت سے سرپر ہاتھ پھیرتے ہوئے)

فیضو نواب : نہم...... نہم...... نہم جانی...... نہم بیٹے...... نہم راجا...... اٹھو ماں اٹھو...... صبح بہوت ہو گئی ماں ......(مدد طلب نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے) جانی...... جانی......

لی جان لی : (چمک کر) آئی جی......

فیضو نواب : جانی...... یہ کیسا بخار چڑھا جی اسے......(پہلو میں لینے کی کوشش کرتے ہوئے)

لی جان لی : ہوئچڑھا ہونگا جی ہر بچے کا بخار......

فیضو نواب : کہ ٹھنڈا برف ہو گیا...... (ایک زبردست چیخ کے ساتھ) نہم میرے بچے...... ہا...... اٹھ گیا نہم اٹھ گیا۔

لی جان لی : (خشک آنکھوں اور کسک کے ساتھ) میرا بچہ...... میرا نہم...... اٹھ گیا۔ (فیضو نواب کے سینے پر دھری لاش کو ٹٹولتے ہوئے) چل ساتھ ساتھ اٹھتے ہیں کتے......(بیہوش ہوجاتی ہیں)

سارے بچے اطراف جمع ہوکر دیوانہ وار نالہ وشیون برپا کیئے ہوئے ہیں ۔ شورش سُن کر ڈاکٹر مسز اور مسٹر شرما جھانکتے ہیں ۔

مسز شرما : کیا جی...... چو !! تم سب دن رات ادھم مچاتے۔ پیشنٹس کو اور ہم کو بہت ڈسٹرب ہوتا۔ نا...... آ...... آ......

ڈاکٹر شرما : کیا ہوا...... کیا ہو گیا (کھڑکی سے سر باہر ڈال کر)

نیم الف : (سر اٹھاکر) ڈاکٹر انکل ......ابو۔ نہم ......امی ......سب بے ہوش!!

ڈاکٹر شرما : ......ہائیں...... ٹھیرو ......میں آرہا ہوں۔

(ڈاکٹر مسز۔ مسٹر شرما۔ نرس دوڑے چلے آتے ہیں۔ معائینے کے بعد۔)

ڈاکٹر شرما : (سب مل کر فیضو نواب۔ بی جان بی کو ہوش میں لاتے ہیں) سید صاحب افسوس! نہم جا چکا......

بی جان بی : ......ڈاکٹر صاحب...... کیا ہو گیا میرے نہم کو؟!

ڈاکٹر شرما : (معنی خیز شکوہ طراز نگاہیں صدمے سے پاگل فیضو نواب پر گاڑ کر۔ گہری سوچ میں ڈوب جاتے ہیں۔ ان کے اندر ضمیر کی آواز: ...... "احمق! تم نہیں جانتے تم کیا کرگزرے ہو۔ اگرچہ کہ ہلاکت اتفاقی ہے۔ حماقت اور طیش کے ہاتھوں۔ سہواً سہی تمہارے ہاتھوں ایک انسانی جان گئی۔ تمہارے اپنے پھول جیسے شاندار بچے کی ...... اس اتفاق اور بدبختی کو میں مزید تیرہ جانوں کی سماجی موت کی بنیاد بننے نہیں دوں گا۔ قانون کے تنگ نظر ہاتھ میں ہلاکت کی تلوار نہیں دوں گا ...... تمہاری تڑپ ہی تمہاری سزا ہوگی!" بی جان بی سے مخاطب ہوتے ہوئے)
افسوس! آپ لوگوں کو کبھی احساس بھی نہ ہوا کہ نہم کے دل میں ایک لاعلاج سوراخ ہے جس کے باعث وہ زیادہ سے زیادہ جی سکتا تو صرف سات آٹھ برس کی عمر ہونے تک۔ اس دوران کسی بھی وقت اس کا ہارٹ فیل ہو سکتا تھا...... سو وہ ہارٹ فیل نماز فجر کے قریب ہو ہی گیا۔

(گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے) صرف ...... ہا ......رٹ۔ فیل! (مسز شرما کو اشارہ کرتے ہیں۔ مسز شرما بی جان بی کو ہاتھ پکڑ کر کنارے لے جاکر)

مسز شرما : مسز سید!! ہوش میں آؤ ...... پورا کا پورا خاندان توپ کے مونہہ پر بندھ گیا ہے۔ (جھنجھوڑتے ہوئے) اب اگر ہوش نہ سنبھالیں تو کئی کئی مردے اٹھانے پڑیں گے۔

بی جان بی : میں کیا کروں......

میری گودی اجڑ گو گئی، میرا لال مٹی میں مل گو گیا۔ میری کوکھ کو ہولی چاٹ گئی گے ماں۔

(پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے سر کو ہاتھ لگا کر بیٹھ جاتی ہیں) ربا میں کیا کروں گے ماں۔

مسز شرما : دل کو مضبوط کرلو...... آج نئی تو کل نہم کو جانا ہی تھا...... وہ لاعلاج تھا اس لیئے بتانا فضول تھا۔ نئی بتایا۔ اب اگر سید صاحب نے یہ سمجھ لیا کہ نہم اس کی وجہ سے مر گیا تو یا جیل کی ہوا کھائے گا یا پھر...... پاگل ہو جائے گا...... یہ بارہ بچے گلی گلی کے ہو جائیں گے...... اور سید بھائی بھی نئی بچے گا...... مر جائیگا ...... ان معصوم بچوں کی خاطر جی مضبوط کرلیو...... تاکہ سید صاحب بھی ہمت سے کھڑا ہو جائے...... (لپٹا لیتی ہیں)۔

ڈاکٹر شرما : (فیضو نواب کو کنارے لے جا کر) میں مانتا ہوں...... بچے کا ہارٹ فیل ہونا تھا لیکن عمر کے ساتویں آٹھویں برس میں...... دراصل مسلسل ناکافی غذا اور گھٹے ہوئے ماحول نے آپ سب کی قوت برداشت ختم کردی ہے۔ آپ لوگ انتہا پسند بن گئے ہیں۔ اپنے آپ پر کنٹرول ہی نہیں ہے۔ (انتہائی جذباتی ہوکر) ارے اولاد۔ باپ دادا کی متروکہ جاگیر نہیں۔ اوپر والے کی امانت ہوتی ہے۔ یہ جو ہو گیا۔ سو ہو گیا...... اب صبر کرو۔ صبر کرو صرف صبر۔ جانا تو اسے تھا ہی...... بہت جلد چلا گیا اوپر والے کی مرضی...... اگر ہوش حواس بحال رکھ کے بات نہ مانو گے تو ان سب بچوں بچیوں کو یتیم خانے والے بھی قبول نہیں کریں گے۔ (جیب سے دوسو روپئے نکال کر دیتے ہوئے) سید صاحب۔ ہوش اور صبر سے کام لیو۔ بیگم کو چار دن کیلئے ہمارے نرسنگ ہوم میں شریک کرادیو...... جلدی کرو...... کافی دیر ہو چکی ہے۔ جسم بگڑ بھی جا سکتا ہے۔

(بچوں کے قریب جاکر) بچو! آج کونسی عید ہے۔ عیدالضحٰی نا۔ جب حضرت ابراہیم نے اللہ کے حکم پر اپنے اکلوتے چہیتے بیٹے اسمٰعیل کو ذبح کر دینے کی کوشش کی۔ وہ اپنے امتحان میں کامیاب ہوئے اور اللہ نے اسمٰعیل کی جگہ دنبہ ذبح کر دیا۔

بچے : جی ڈاکٹر انکل......

ڈاکٹر صاحب : یہ عید قربانی سکھاتی ہے۔ اللہ کی راہ میں قربانی۔ بندے کو راضی بہ رضا شاکر بہ قضا رہنا سکھاتی ہے۔ سو چلو...... پہلے سب کے سب نماز کو چلے جاوٴ...... Come on like good children! اور صبر کے ساتھ دُعا کرنا کہ اللہ میاں کی خدمت میں آپ سب نے اک پھول بھیجا ہے۔ دُنبہ نہیں!! اللہ میاں قبول کرلیں (سب لوگ لوٹ جاتے ہیں)۔

فیضو نواب : (دیوار پر دونوں ہاتھوں کو پٹخ پٹخ کر)

میری قسمت میں غم جو اتنے تھے   دل بھی یارب کئی دئے ہوتے



ضبط صبر کا پیکر بنے فیضو نواب اپنے ہاتھوں پر نہم کی معصوم سی کفنائی ہوئی نعش اٹھائے ہوئے ہیں ۔ بتول بی ۔ زہرہ بی ۔ چنوماں ۔ بی جان بی کو صورت رکھا تی ہیں بی جان بی سہمی سہمی سرگوشی میں اٹکتے اٹکتے ...... ''جاؤ بیٹے نہم ...... جاؤ اللہ کے حضور جاؤ ...... نئے نئے کپڑے پہن کے جاؤ۔ تمارے شرما چاچا نے دلوادیئے نئے کپڑے ...... پہن لے کے جاؤ ...... اب یہ کپڑے تم سے کوئی نہیں چھینے گا ...... جاؤ خدا حافظ ...... سو جاؤ! قیامت کے دن اللہ رسول کا کلمہ شریف پڑھتے ہوئے اٹھنا ماں خدا حافظ۔''

دریں اثناء ...... وقفے وقفے سے صدا جاری رہتی ہے ۔ قربانی اللہ کو پیاری ہے قُربانی ...... قربانی کے چمڑے ...... قربانی کے چمڑے ...... قربانی ...... وقفے وقفے سے فیضو نواب کے گھر میں رکابی بھر بھر کر گوشت آرہا ہے ۔ جسے یکم الف اور بے خالی کرکے ادل بدل کرکے نقرئی ورق لگاکر جوابی حصہ رکھتی جاتی ہیں ۔ تمام لڑکے نماز کی ٹوپی پہنے کھٹیا کے نیچے مدہوش پڑے ہیں ۔ لڑکیاں ماں کی گود میں سر ڈالے پٹاپٹ آنسو گرارہی ہیں ۔ فیضو نواب نماز کے پرانے کپڑوں میں کھٹیا پر اوندھے پڑے ہوئے ہیں ۔

یکم بے : باجی ...... سارا دن گذر گیا۔ سب کا فاقہ لگ گیا ...... آج تو روزہ بھی حرام ہے اور بھوکوں رہنا بھی ...... باجی! کیسا کریں کہ یہ ناشتہ کرلیں۔ تم ابو کو بولو نا۔

یکم الف : (آنسوؤں کو پیتے ہوئے) مُنّی ...... کس مونہہ سے بولوں۔ نہم کو گذرے اٹھارہ گھنٹے نہیں گذرے ...... کس مونہہ سے بولوں ...... منوں مٹی تلے دبے ہوئے پھول کو فوراً بھلا دو ......

دوم بے : لیکن آپی ...... غم اگر ان سب پر مُسلط ہوگیا تو ان کو سنبھلنے میں دیر لگے گی۔

یکم بے : اور ہوسکتا ہے ...... امی یا ابو کو اٹیک آجائے ......

یکم الف : سچ کہتی ہو ...... سچ تو یہ ہے پہلے ہی کونسی عید ہوتی تھی۔ بس عید کو گھسیٹ لیتے تھے۔

دوم بے : باجی ...... Now it is too much اب کچھ ہونا چاہیئے جو انھیں چونکا کر ذمہ داریوں کا احساس دلائے۔

یکم بے : باجی!! نہم سب سے چھوٹا تھا وہ اُس کو اتنا ہی چاہتے تھے۔ جتنا تمھیں کیوں کہ تم اُن کی پہلن بیٹی ہو ...... وہ تمھاری کوئی بات نہیں ٹالیں گے۔ باجی پلیز!



(ماحول حسب حال برقرار ہے ۔ عید کی شام کا پرجوش شور کبھی کبھار دُر آتا ہے ۔ یکم

الف ہال کو جھاڑو لگاتی آرہی ہے ۔ اچانک ایک ڈراؤنی چیخ مارکر فرش پر گرکر تلتلا نے لگتی ہے ۔ چیخ کے ساتھ ہی فیضو نواب اور بی جان بی " میری بچی " چلاتے ہوئے دوڑ پڑتے ہیں ۔ " یکمے ......یکمے ...... بیٹی " دونوں گود میں سمیٹ لیتے ہیں ۔ یکم بے لڑکھڑاتے ہوئے پانی کا گلاس لے آتی ہے ۔ دوم بے دوڑکر نرس کو بلالاتی ہے ۔ یکم الف پانی پئے بغیر پھڑک پھڑک کر بے ہوش ہوجاتی ہے)

فیضو نواب : یکماں......یکماں میری بچی۔

بی جان بی : یکم جانی......یکم بیٹے۔

(دونوں ایک ساتھ) ......ارے اللہ...... ہماری ہاتھ مونہہ کو آئی جان جوان بچی رے۔

(دوم بے نرس کو ساتھ لیئے داخل ہوتی ہے)

نرس : بچی کو کھٹیا پر لٹانا ہوگا...... میرے ہاتھ میں موچ ہے ۔

فیضو نواب : میں اٹھاؤں گا اپنی بچی کو...... مئی اٹھالیوں گا اپنا بوجھ ۔

نرس : ارے نئی نئی......بچی کو لے کر گر پڑیں گے آپ۔جوان بچی ہے کافی وزن ہے ۔

فیضو نواب : (جھنجھلاکر) سسٹر...... یہ میرے غموں کے بوجھ سے زیادہ بوجھل نہیں ہے۔ یہ تو پھول ہے۔ میرا پھول...... میرا پھول۔یا علی......(بچی کو پھول کی مانند اٹھاکر پلنگڑی پر لٹادیتا ہے ۔ نرس چیک اپ کرکے بے حد پریشان ہوجاتی ہے)

فیضو نواب : کیا ہوا ہے سسٹر......

نرس : میں پریشان ہوگئی ہوں سید بھائی۔ڈاکٹر صاحب اور میم صاحب ایک ہفتے کیلئے کلکتہ گئے ہوئے ہیں۔ میری پچیس سالہ سروس میں یہ دوہرا Most Complicated Case ہے یہ ......

بی جان بی : (پریشانی کیساتھ بچی کے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے) کیا ہوگیا ہے میری بچی کو؟

نرس : مسز سید! لڑکی کے دل کی بائیں جانب......

فیضو نواب : کیا ہے بائیں جانب......

نرس : مجھے خوف ہے کہ آپ دونوں سن نہ سکیں۔

(دونوں ایک ساتھ): نہیں جی......بول دیجئے......جی...... ہم جھیل لیں گے جی۔بڑی مُنڈ ہے ہماری حیات !! کچھ نئی ہونگا ہم کو......(پھوٹ پھوٹ کر رو پڑتے ہیں) آج جگر کے ایک ٹکڑے کو منوں مٹی تلے دبا کے بیٹھیں......

نرس : اس بچی کے دل کی بائیں جانب سوراخ ہے۔ اب پھیل گیا ہے۔ اس لئے یہ دورہ آیا......

یکم بے : (بازو سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے) سسٹر۔ سسٹر۔ یہ دورہ نہیں ہے۔ باجی صبح سے بھوکی پیاسی ہے۔

نرس : ہو سکتا ہے اسی وجہ سے سوراخ پھیل گیا اور دورہ آگیا۔ اب سمجھو دورے آتے رہیں گے (دونوں پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے) اللہ ! اب ہم کو یہ غم نکو دے۔ اللہ اب اور آزمائش میں نکو ڈال۔ مولا۔

دوم بے : سسٹر پہلے ان کو ہوش میں تو لائیے۔

نرس : میں کوشش کرتی ہوں لیکن پہلے میری دو شرطیں سُن لیجئے آپ لوگ۔ پہلے اس کو زرّہ برابر صدمہ نئی ہونے کا۔ دوسری بات اس کو ہرگز بھوکا نئی چھوڑنے کا۔ کچھ نہ کچھ کھانا اُنے بھوکی نہ رہنا......ورنہ کسی بھی وقت......

دونوں میاں بیوی لرزتے ہوئے "بس! بس اب کچھ نکو بولو سسٹر...... ہم پوری احتیاط کریں گے۔"

نرس فرسٹ ایڈ باکس نکال کر انجکشن تیار کرتی ہے ۔ بچوں سے یکم الف کی ہتھیلیاں اور تلوے سہلانے کو کہتی ہے انجکشن لگانے کے بعد ذرا سے وقفے سے مونہہ پر ہلکے ہلکے چانٹے لگاتے ہوئے فیضو نواب اور بی جان بی کو اشارہ دیتی ہے کہ اُسے آواز دیں ...... یکے بعد دیگرے دونوں آواز دیتے ہیں ۔ "یکم۔ یکماں۔ یکم جانی۔ یکم بیٹے۔"

نرس : (سب سے) آپ سب لوگ اپنے چہرے صاف کرلو...... بالکل خوش اور حال...... تاکہ اسے کسی غم کا احساس تک نہ ہو......(سب اپنی حالت سدھار لیتے ہیں)

"دوم بے...... ذرا پانی لانا...... (بچی پانی لاتے ہی۔ نرس مونہہ پر دو چار مرتبہ چھینٹا لگاتی ہے۔ یکم لانبے لانبے سانس لے کر کراہنا شروع کرتی ہے۔ دونوں میاں بیوی بیقراری سے آواز پر آواز دیتے چلے جاتے ہیں ۔ اب آہستہ آہستہ گال تھپتھپاتے ہوئے نرس آواز دیتی ہے) یکم الف...... یکم...... اٹھو بے بی...... اٹھو...... اٹھ جاؤ۔" (یکم وحشت زدہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر دیکھتی اور نقاہت سے پوچھتی ہے) ۔ امی ...... ابو...... مین کہاں ہوں...... مجھے کیا ہوا...... ابو...... میرے ابو...... امی...... میری امی۔

(دونوں محبت سے اوپر جھک کر) بیٹے ...... چکر آگیا تھا تم کو۔

یکم الف : ارے...... ہاں۔ (سینے پر ہاتھ رکھ کر) یہاں ذرا زور اور درد ہو رہا تھا دیر سے۔

نرس : لاؤ بھئی دودھ لاو۔ (دوم بے دوڑکر دودھ کا گلاس لاتی ہے ۔ نرس سہارا دے کر اٹھاتی ہے ۔ یکم بے قراری سے دودھ کے گلاس کو مونہہ لگانے کے

قریب ہے ۔) بے بی۔ اب بھوکے نہیں رہنا۔ آپکے لیئے بھوکے رہنا بہت برا ہے سمجھے۔

(یکم الف نرس اور پھر باپ اور ماں کی صورت دیکھ کر چونک کر گلاس دور ہٹا دیتی ہے) امی ...... ابو ...... آپ دونوں نے کھایا؟

نرس : بے بی! تم وہ فکر مت کرنا ...... تم بیمار ہو!

یکم الف : مرتی مر جاتی سہی ...... میری ماں بھوکی ہو۔ میرے ابو بھوکے ہوں۔ میرے بھائی بھوکے ہوں اور میں ...... دودھ ...... (غشی جیسی حالت میں ڈلنے لگتی ہے ۔ نرس سنبھال لیتی ہے)

فیضو نواب : نئ بیٹا نئ ...... ہم بھوکے نہیں۔ ہم کھانا کھائیں گے ارے بیٹا تیرے لئے تو ہم آگ کے دریا میں بھی کود جائیں گے۔

بی جان بی : ...... یکماں ...... میں پیٹ بھر کو ٹھونس ٹھونس کو کھالیوں گی۔ اماں تو اٹھ کے بیٹھ ......

سارے بچے : باجی ...... باجی ...... ہم سب کھانا کھالینگے۔ تم اٹھ جاؤ۔

یکم الف : سسٹر ...... پہلے ان سب کو کچھ کھلاؤ ...... آہ ...... آہ ...... امی ...... ابو۔

فیضو نواب : یکم بے دوم ...... لا بیٹا ...... کچھ دیدے۔

(دونوں بچیاں کھانے سے بھری رکابیاں لاکر ہاتھوں میں پکڑا دیتی ہیں ۔ سب لوگ جلد جلد کھانا شروع کردیتے ہیں ۔ نرس سہارا دے کر یکم الف کو اٹھاتی ہے اور دودھ پلاتی ہے جو آہستہ آہستہ دودھ پی لیتی ہے ۔)

نرس : (اپنا سامان سمیٹتے ہوئے) اب انھیں مکمل آرام کرنے دیجئے۔ بھوکا مت رکھئے۔ وقت پر غذا دیں ...... ڈاکٹر صاحب آنے تک میں روز آکر ان کو دیکھتی رہوں گی ...... خبردار ...... اب دورہ Repeat نہ ہو۔ خیال رکھیئے۔



فرش پر دائیں بائیں فیضو نواب اور بی جان بی پیر پھیلائے بیٹھے ہوئے ہیں درمیان میں یکم الف لیٹی ہوئی ہے دونوں اپنا اپنا ہاتھ یکم پر رکھے اُسکی جانب متوجہ ہیں۔

فیضو نواب : جان جوان بچی ہاتھوں پے آگئی ہے۔ اللہ اس کی ہر بلا مجھ پر ٹال دے۔

بی جان بی : نئ جی ایسا نکو بولو ...... اماں بی تم اچ ہیں باوا بی تم اچ ...... میں کیا ہوں ایک ڈُبتی ہوئی شام ...... اللہ میرے بچاں کے سارے بلائیاں مجھ پے اتار دے آمین ثم آمین۔

یکم الف : امی...... ابو...... اللہ آپ دونوں کو ہم سب کو سلامت رکھے۔ آپ دونوں نہ ہوں تو۔ ہمارا جینا بھی کیا جینا۔ (اپنے دونوں ہاتھ دونوں پر رکھ دیتی ہے۔)

دونوں : بیٹے تم وہ سب نکو سوچو نکو دل پو لیو بیٹے تمارے دم سے ہمارا چمن اتا پھلا پھولا (وقفہ)

فیضو نواب : (اپنے آپ سے) عید ہو کر دو دن ہو گئے آج تیسرا دن ہے۔

بی جان بی : (سرد آہ بھرکر) پھر بھی قربانیاں کا سلسلہ ابھی جاری اچ ہے۔

فیضو نواب : جانی یکم بے دوم بے سوم چھارم پنجم پر سارے کام کا بوجھ پڑ گیا ہے۔ اپن باری باری نپٹا لینا جی۔

بی جان بی : (جلدی سے) نئی جی...... نئی ہو تا۔ میری پہاڑ جیسی جان فرش سے لگ گئی۔ میں ایک پل نئی ہٹوں گی اُس پاس سے۔

فیضو نواب : (حسرت اور مجبوری سے) جانی...... مجھ سے بھی ہٹنا نئی ہو تا۔

یکم الف : ابو...... امی آپ مجھے چھوڑ کر مت جانا...... ابو...... مجھے وہ گیت سنانا۔ ''ہمت بڑی ہے ہمت بڑی ہے۔''

فیضو نواب : ہاں! اچھا بیٹا (گاتے ہیں) ہمت بڑی ہے ہمت بڑی ہے ہمت سے لوئی کام لے یکم دونوں کے ہاتھ پکڑ لیتی ہے۔ ''امی...... ابو۔ اب میں سو جاتی ہوں۔''
(دونوں ایک ساتھ) نئی بیٹے نکو سوؤ...... نکو سوؤ...... میری بچی۔ سوؤ نکو ماں۔ تمے سو گئے تو ہمارا دم نکل جائینگا۔''

یکم الف : (غنودہ آواز میں) ابو...... میری امی۔ کچھ بھی نئی ہو گا۔ میں جب تک سوتی رہوں آپ دونوں نماز پڑھ کے ہم سب کے لئے دُعا کرتے رہنا۔ میرے بازو...... بازو!''

فیضو نواب : (دونوں ہاتھ اٹھاکر) ہاء...... مولا...... بڑا آسرا ہے تیرے نام کا۔ تیرے بے یار و مددگار بندے کو اس ہوش رُبا دنیا میں!! (یکم خراٹے بھرتے ہوئے سو جاتی ہے)

بی جان بی : (گڑگڑاکر) اجی...... اس کے دل میں لی سوراخ ہے اور دورے بھی پڑنے لگیں۔ ایک اچ نقصان عمر بھر کو ہو گیا۔ اب نکو جی!! اجی نبیٔ کریم نے فرمایا اولیاد کے حق میں باپ کی دُعا ایک پیغمبر کی دُعا نا تھ قبول ہوتی ہے۔ اپے گڑگڑا کو دُعا کرنا جی...... (وقفہ)

دونوں ایک ساتھ دائیں بائیں نماز کو کھڑے ہو جاتے ہیں۔ فیضو نواب بہ آواز بلند: اللہ ہو اکبر:



فیضو نواب کے گھر کا وہی روایتی منظر ہے۔ فیضو نواب اور بی جان بی یکم الف کو

سہارا دے کر بٹھا کر دودھ روٹی کھلانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ یکم الف ہاتھ پٹخ پٹخ کر ! ’’نئ نئ ۔ نئ میں نئیں کھاتی جب تک آپ دونوں نئیں کھائیں گے ۔ میرے بہن بھائی نئ کھائیں گے ۔‘‘ دونوں ایک زبان ہوکر چلا پڑتے ہیں ۔ ’’بیٹے ...... بیٹے تمیں طیش میں نکو آؤ اماں ...... لاؤ یکم بے دوم بے جو کچھ تیار ہے سب کو دیدیو ...... چلو آجاؤ تم دونوں اماں‘‘ دونوں بچیاں رکابیوں میں کچھ چاول دال اور ایک ایک ٹکڑا پاپڑ لگاکر ہاتھوں میں تھمادیتے ہیں جو جہاں بیٹھا ہے وہیں کھانے لگتا ہے ۔ فیضو نواب اور بی جان بی باری باری دودھ روٹی کا نوالہ یکم الف کے مونھ میں دیتے جاتے ہیں خود بھی اپنا کھانا کھاتے جاتے ہیں ۔ " دروازے پر فقیروں کی صدا ...... سرکار ...... قربانی کا گوشت عید کا انعام ...... برس کا ایک دن سرکار ...... ’’فیضو نواب بری طرح چونک پڑتے ہیں جیسے بچھو نے ڈنک ماردی ہو ۔

فیضو نواب : (یکم بے سے) بیٹے ۔ کیا تماری امی فقیروں کیلئے صفائی والوں بھنگی نائی چمار کے لئے ۔ ہمیشہ کی طرح کچھ بچار کھئیں یا نئیں

بی جان بی : ...... نئ جی ...... ہوش اچ نئ تھا ۔ یاد اچ نئ رہا ۔ پریشانیوں میں ۔

یکم الف : بے ...... میں نے آئے ہوئے گوشت سے تھوڑا تھوڑا گوشت بچاکر رکھا تھا نا (فقیروں کی صدا جاری ہے) فیضو نواب ’’ٹھیرو صبر کرو ...... ٹھیرو!‘‘

یکم بے : ’’ہم دونوں نے اُس کے کباب لگادیئے نئ تو سڑھ کے خراب ہو جاتا۔‘‘

فیضو نواب : (بری طرح جیبیں ڈھنڈلاتے ہوئے) بے شک ہم غریب لوگ ہیں ۔ لیکن دُنیا میں ہم سے زیادہ محتاج ہم سے زیادہ غریب بھی زندہ رہتے ہیں ۔ غریب کی عزت یہ ہے کہ اس کے گھر سے کوئی سوالی خالی نہ جائے ۔ چاہے دو کھجوریں دے ۔

آواز : ’’صفائی والے سرکار‘‘ ...... آواز ...... ’’بھنگی سرکار‘‘ ...... ’’گورکھا مالک!‘‘

فیضو نواب : ٹھیرو ...... ٹھیرو ...... صبر کرو ...... (اپنے آپ سے) دولت مند خیرات شان کیلئے دیتا ہے ۔ غریب خیرات ایمان اور عزت کی خاطر دیتا ہے ۔

(دفعتاً ہفتم دوڑتا ہوا جاکر اپنا مٹی کا " غلہ " اٹھا لاتا ہے ۔ اور باپ کو دیتے ہوئے) ابو ...... وہ جب میں سودے میں سے پیسے چرا کر جمع کرتا تھا نا ۔ جمع کراسو بھول گیا ۔ یہ لو ...... لایا ۔ (ہفتم غلہ پھوڑکر دونوں مٹھیوں میں چلر بھر بھر کر لاکر باپ کو دیتا ہے) فقیروں کی صدا جاری ہے ۔

فیضو نواب : (گن کر) جملہ پندرہ روپے چالیس پیسے ۔ ارے میر اپینا بڑا پیسے والا ہے ۔

ہفتم : آپ ڈرو نکو ابو...... میں بڑا ہو کے بھر بھر کے نوٹاں کما کے لاکے آپ کو دیوں گا اور امی کو بھی اور پنڈت چاچا کو بھی......

فیضو نواب : ہفتم ...... بیٹے۔ تو ساہوکار میں قرضدار ...... مجھے اُودھار دے میں تجھے چار آٹھ دن میں دیدیتوں ...... آخر ...... تیری محنت کی کمئی ہے رے۔

ہفتم : آپ کا اِچ پیسہ ہے ابو......

فیضو نواب : (پانچ روپے ہاتھ پر دھرکر) سارے فقیروں کو چار چار آنے اور صفائی والوں۔ بھنگی وغیرہ کو ایک ایک روپیہ دے دے بیٹا۔ اور ہاں یہ دو روپے گور کھے کو دیدنا۔ (وقفہ)

دفعتاً سائلہ کی آواز آتی ہے۔ "سرکار چھوٹے چھوٹے بچاں والی ہوں کچھ عطا کرو۔"

لی جان لی : (فیضو نواب سے) اجی۔ یتّے خواب آیا جی ...... اپنا نہم ایک بہوت بڑے پھولوں پھلوں سے لدے باغ میں جھولا جھل رہا ئے۔ سونے کی ہنگوئی ہے۔ چاندی کی ڈوران...... پینگ پے پینگ لیئے جارہائے۔ کیا مسکرارہائے بولے تو بس...... مئی پوچھی "یاں یکیلا کیا ریائے بیٹا۔ تو مسکرا کے بولا۔ آؤ آؤ سر کو جھکائیں۔ گیت خدا کی حمد کے گائیں۔ پڑھ رہا ہوں امی...... خوب یاد ہو گیا پچھے گھر آوں گا۔ مئی واپس آنے لگی تو پیچھے سے میرا پلو پکڑ کو کھینچنے لگا ...... مئی پلٹ کو دیکھی "بیٹا۔ میرا مکتب میں کیا کام ؟ تم درس کر کو آجانا" تو شرارت سے مسکرانے لگا۔"

فیضو نواب : (حسرت و یاس کے ساتھ) میرے خواب میں بھی آیا جی بولا "ابو مجھے گولا لادیؤ......"

لی جان لی : (آہ کے ساتھ) ہم سے نئی تو کس سے منگے گا جی۔

یکم الف : (چونک کر) امی ...... ابو ...... وہ غریب بچے والی کھڑی ہے۔ اس کے بچوں کو چھوٹے کپڑے ...... کھلونے برتن دے دیوٴنا۔ اس کے ننھے ننھے بچے خوش ہوں گے تو انھیں دیکھ کر نہم بھی خوش ہوگا۔" دونوں ایک ساتھ "سولہ آنے صحیح بولے بیٹے۔ لے ...... بیٹے نہم کے سب چیزاں وہ اماں کو دیدو!! وہ یاد بھی کیا یاد جو خالی چیزوں کو دیکھ کر آئے۔ یاد تو وہ یاد ہے جو دل سے ہوک بن کے اٹھے۔ دماغ پر قیامت بن کر ٹوٹے...... آنکھوں سے شرارہ بن کر نکلے...... اور کوئی یادوں میں گھر جائے ڈوب جائے...... ! ہاء ......

یکم الف : (باپ کو لپٹتے ہوئے) ابو...... پیارے ابو!! میں مر جاؤں تو آپ ایسے ہی یاد......

(دونوں ایک ساتھ لپٹا کر)۔ "نا بیٹے نا...... اللہ اب اور نہ غم دے بیٹا۔ بیٹے...... جیوٴ۔ سوا سو برس جیوٴ...... بڈھے بڈھے پنکھ ہو کو جیو !"

(دونوں بیک وقت ہاتھ اٹھاتے ہیں ۔ ساتھ ہی سائیلہ کی آواز آتی ہے)

سائیلہ : یا اللہ ...... تیرے نیک بندے مجھے میرے معصوم بچوں کو پیسہ کھانا کپڑا دیئے ...... اللہ میرے محسن کے در و گھر کو ہمیشہ آباد آباد رکھ ...... ربّا ...... عمر دے تندرستی دے ۔ عزت دولت راحت دے ۔

دونوں : یا اللہ ! رحم کر فضل کر ہمارے گناہ معاف کر (سب کے سب آمین ۔ ثم آمین) ۔



فیضو نواب کے مختصر سے گھر کا ماحول پہلے سے زیادہ منتشر اور ابتر ہے ۔ یکم الف کی کمزوری اور ناتوانی بے حد بڑھ گئی ہے ۔ فیضو نواب ۔ بی جان بی بلکہ سارے کے سارے بچے بڑے سب اُس کی دلجوئی اور خدمت میں جٹے ہیں ۔ فیضو نواب کے سرسے نماز کی ٹوپی نہیں اترتی ۔ بی جان بی بھی زیادہ سے زیادہ نماز اور دعا پر رجوع ہیں ۔ بلکہ بسا اوقات دونوں لیٹی ہوئی یکم الف کے دائیں اور بائیں نماز ادا کرکے مسلسل بچی پر دم کرتے دکھائی دیتے ہیں ۔

یکم الف : ...... ابو ...... نانا جی ابھی حج سے واپس نئی آئے ۔ اب آپ کی اور ہماری مدد کرنے والا کوئی اور تو نئیں ہے ...... آپ آفس نہیں جاؤ گے تو گھر کیسے چلے گا ۔

فیضو نواب : (انتہائے کرب اور مایوسی میں) کیا دفتر جاؤں بیٹے ...... پانچ برس کی جان ہاتھوں ہاتھ چلی گئی ...... چند گھنٹوں کے اندر جان جوان ہاتھوں پر آگئی ہے ۔ میرا دل تجھ میں اٹکا ہوا ہے ۔ کیسا جاؤں دفتر ...... ! کیا کروں !! جانتا ہوں ...... شمع پے مرنے والے سُن ۔ کوئی مرتا نہیں کسی کے لئے !! ...... مگر میں مجبور ہو گیا ہوں ......

بی جان بی : بیٹے ...... تماری پریشانی دُنیا سے اچ بے نیاز کر کو ڈال دی اماں ...... یہ بی یاد نہیں رہا ہم کب گئے ۔ کب کیا کیسا ہو کو گیا ......

فیضو نواب : ڈاکٹر صاحب جلدی آتے تو اچھا ہوتا ۔ مئی میری بچی کو جانے نئی دیونگا ۔ اور بچا نئی سکا اگر تو ساتھ جاؤں گا ......

یکم الف : (دونوں کو لپٹتے ہوئے) میرے پیارے ابو جان ! اللہ آپ کا سایہ ہم سب پر ساری دُنیا کے بچوں پر تا قیامت قائم رکھے ۔ میری پیاری امی جانی ...... اللہ میاں اگر مجھے جنت میں بھیجیں تو میں پہلے پوچھ لیوں گی میری امی میرے ابا جہاں رہیں گے مجھے وہیں بھیجنا ...... جب جب ہم کو جلائیں گے ۔ مجھے میرے سارے بھائی بہنوں کو تم دونوں کی آغوش میں اٹھانا

میرے ابو...... میری امی...... آپ دونوں دنیا کے سب سے اچھے امی...... ابا ہیں۔ تمارے سائے میں ہمارا فاقہ، روزہ ہے۔ تمارے سوکھے ٹکڑوں میں جنت الفردوس کے میوؤں کا مزہ ہے۔ تم ہو تو ہم سب کو یہی بس ہے۔ اب کبھی بڑی بات مونہہ سے مت نکالنا......

فیضو نواب : (آنسو پونچھتے ہوئے) اولاد کے آگے ہر رشتہ اس کی کشش اور محبت پھیکے پڑجاتے ہیں۔ اللہ تیرا سوبار شکر تو نے مجھ ناہنجاز کو سعادت مند نیک عزت دار اولاد دی۔

بی جان بی : ہمیں شکرانے کے ہزار سجدے کریں بھی تو کم ہے جی۔ سچی بی اللہ میاں ہم کو سب سے اچھے بچے دیئے جی...... ! ہم نہ تو خاص تربیت کرے نہ نصیحت !!

فیضو نواب : ہاں جانی ۔ اِن کی فطرتاں اچ نورانی ہیں ۔ اِنوں بڈی پونئی پڑے۔

یکم الف : ابو جانی...... وعدہ کرو۔ اب کبھی آپ کسی بات کیلئے دُکھی نہیں ہوں گے۔ ہمیشہ اللہ میاں کے ہر حال میں شکر گزار رہیں گے۔

فیضو نواب : (بچی سے ہاتھ ملاکر وعدہ کرتے ہیں) بھر پور کوشش کروں گا بٹو۔

یکم الف : (اپنے سرپر ہاتھ رکھواکر) کھاؤ میری قسم۔ (فیضو نواب سوچ میں ڈوب جاتے ہیں) ابو نئی تو میں روٹھ جاؤں گی۔

فیضو نواب : لے تیری قسم...... میں ہر حال میں راضی بہ رضا شکر...... گزار رہوں گا۔

یکم الف : امی جانی...... وعدہ کرو...... آپ کبھی کسی بات کیلئے دُکھی نئی ہونگی۔ نہیں روئیں گی۔ نہیں تڑپیں گی۔ ضرورت سے زیادہ۔ ہمیشہ ہر حالت میں اللہ میاں کی شکر گزار رہیں گی۔ (بی جان بی بچی کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر آنسوؤں کو ضبط کرنے مونہہ میں کپڑا ٹھونس لیتی ہیں۔ یکم زبردستی اپنے سرپر اُن کا ہاتھ لے کر) کھاؤ میری قسم......

بی جان بی : تیری قسم میری جان تیری قسم میں ہر حالت میں اللہ میاں کی شکر گزار تابعدار رہونگی اماں۔

یکم الف : اگر آپ دونوں نے وعدہ توڑا تو میرا مونہہ کفن میں اِچ...... (بیک وقت دونوں بچی کے مونہہ پر ہاتھ رکھ دیتے ہیں۔ فیضو نواب تڑپ کر "اماں۔ تیرہ برس سینچ کے کھڑی کی سو فصل ہے تو...... دیکھتے دیکھتے ناس ہوجانے کی باتاں نکو کر) اچھا ابو...... اب ہمیشہ! خوش خوش ہنستے بولتے رہنا۔ ہاں۔"

ڈاکٹر شرما : (دروازے پر ہلکے سے کھٹکے کے ساتھ) سید صاحب...... سید بھائی!! (فیضو نواب اور بی جان بی لپک کر پہونچتے ہیں)۔ "آیئے! ڈاکٹر صاحب تشریف لایئے" (استتھسکوپ زانو پر اور ڈاکٹر ز بیگ فرش پر رکھتے ہوئے کھٹیا

پر بیٹھ جاتے ہیں ۔ اور بے حد مایوسی کے ساتھ) مجھے کیفیت مل گئی ہے۔ بچی کافی سیریس ہے۔

فیضو نواب : (آنسو پیتے ہوئے) بس اللہ ہی اللہ ہے۔ ڈاکٹر صاحب!

بی جان بی : ڈاکٹر صاحب! اگر آپ علاج نئی کر سکتے تو...... دُعا ہی کر دیو اوپر والا ہماری بچی ہم کو بخش دے ...... وہ آپکی دُعا نہیں لوٹائے گا۔

ڈاکٹر صاحب : (چمک کر) آپ کی بچی کیسے ؟ ...... ارے اُس کی چیز ہے اُسکی امانت! آپ تو محض کسٹوڈین ہیں۔ خیر میں دُعا ضرور کروں گا کہ اللہ اپنی نعمت آپ سے نہ چھینے ...... (بیگ کھولتے ہوئے ۔ بی جان بی سے) مسز سید ایک بہوت ہی صاف دیگچی لیکر۔ دو گلاس پانی احتیاط سے آپ جوش دیکر لائیے ...... جب جوش کھانے لگے تو لیجئے یہ سفوف ڈالکر صاف چمچے سے ہلا دیجئے ۔ (بی جان بی پڑیا لیکر چلی جاتی ہیں ۔ ڈاکٹر صاحب بیگ میں کچھ ڈھونڈتے ہوئے) افوہ! یہ ہماری سسٹر صوفیہ بوڑھی ہورہی ہیں۔ سامان رکھنا بھی بھول جاتی ہیں۔ سید بھائی یہ چٹھی انھیں دے کر وہ جو دوائیں اور سامان دیں لا لیجئے۔ (فیضو نواب چٹھی لیکر جاتے ہیں۔ ڈاکٹر صاحب یکم کے پاس آجاتے ہیں اور جھک کر سرگوشی کرنے لگتے ہیں)

یکم الف : اوہ ڈاکٹر انکل آپ کا بہت بہت شکریہ ...... آپ اگر راستہ نہ بتاتے تو یہ دونوں تو مر ہی چکے ہوتے۔ اب دو ہفتے ہو چکے ہیں۔ دودھ روٹی پر میرا ستیاناس ہوا جارہا ہے ...... پلیز آپ جلدی سے کوئی راستہ تو نکالیئے ...... اب اور ایکٹنگ نہیں ہوتی۔

ڈاکٹر شرما : وہی تو کر رہا ہوں ...... بس دو دن اور ...... اور پھر تم اپنے مدرسے دوڑ جانا۔ دیکھو ایک مرغ کے لئے جان سے گذر جانے والا نہم کے لیئے خود مر جاتا اسے دیکھ کر مام مر جاتی۔ اب شکر ہے دونوں تمہارے چکر میں غلطاں ہیں (گال تھتھپاکر) کلیور گرل ...... ویری کلیور گرل ......

یکم الف : ڈاکٹر انکل ...... دونوں ہی نہیں سب کے سب میری طرف ایسے لگ گئے کہ یہ دو ہفتے کیسے بیتے ان کو کوئی ہوش ہی نہیں ہے۔

ڈاکٹر شرما : بچو! تم نہیں جانتی! تم نے اپنے پورے سارے خاندان کو ڈوبنے سے بچالیا ہے۔ تو نے ان کا نفسیاتی علاج ......

بی جان بی : ڈاکٹر صاحب! پانی جوش کھالیا ئے پوڑی ڈال دیوں نا......

ڈاکٹر صاحب : فوراً ڈال کر ہلا کر لے آیئے......اور ایک صاف تولیہ بھی!

فیضو نواب : (باہر ہی سے) چچو! شور مت کرو......ڈاکٹر صاحب آئے ہوئے ہیں۔ بھاگ جاؤ یہاں سے......(کچھ دوائیں اور ایک سرینج لاکر ڈاکٹر صاحب کو دیتے ہیں)

ڈاکٹر صاحب : (گہری سنجیدگی کے ساتھ) میں نے پوری طرح چیک اپ کرلیا ہے۔ شکر ہے۔ ابھی حالت غیر معمولی سنگین نہیں ہے۔چانس ففٹی ففٹی ہیں۔

بی جان بی : (مونہ قریب لا کر) کیا بول دئے اپے.........ففٹی ففٹی --- پرسنٹ

فیضو نواب : (اور بی جان بی بیک وقت خوشی سے دیوانہ وار) اللہ تیرا شکر ہے ۔ مالك تیرا شکر ہے .. نا امیدی اور مایوسی سے امید کی کرن دکھایا ۔ڈاکٹر صاحب آپکے مونہ میں گھی شکر ..... ففٹی پرسنٹ چانس تو ہے نا۔

ڈاکٹر صاحب : بچ جانے کا۔

بی جان بی۔ فیضو نواب : "بچ جانے کا...... بچ جانے کا۔"

ڈاکٹر صاب : (بائیں ہاتھ کو خواہ مخواہ اسفنج واش دے کر سیٹ تیار کر کے دیوار پر کھونٹی سے لگا کر گلوکوز چڑھا کر اس میں وٹامن بی کامپلیکس انجکٹ کردیتے ہیں ۔) "یہ سب آپ دونوں کی دعاؤں کا اثر ہے۔ اب دوا سے زیادہ دعا پر بھروسہ کرو۔ جوان بچی ہے لٹائے مت رکھو۔ اکڑ کر کوڑا ہن جائے گی۔ زیادہ سے زیادہ خوش رکھا کرو۔ اس مرض کے لئے مخصوص کیپسول ہوتے ہیں۔ ہمیشہ الگلو (EGLOO) میں رکھنا پڑتا ہے۔بیٹا صبح اور شام آکر ایک ایک کیپسول نگل لیا کرنا۔"

یکم الف : جی ڈاکٹر چاچا۔ ڈاکٹر چاچا میرے اگزامس قریب ہیں میں اسکول جاسکوں گی نا!

ڈاکٹر صاحب : اللہ پر بھروسہ کر کے جانے لگو لیکن دو چار دن بعد سے۔ اچھا میں چلتا ہوں۔ آدھ گھنٹے بعد سسٹر صوفیہ آجائیں گی۔ پریشان مت ہونا۔

(دونوں دروازے کے قریب تك جاکر رخصت کر آتے ہیں)

فیضو نواب : صحیح معنوں میں ڈاکٹر شرما مومن ہیں۔

بی جان بی : اجی۔ کیا ہو گیا جی تمنا۔ لوگاں کیا بولیں گے۔ انوں کھلے ہندو ہیں نا۔

فیضو نواب : مومن معنی ایمان والا۔ ایمان والا ہر وہ بندہ ہے جو اپنے پیدا کرنے والے سے ڈرتا ہے۔ اس کے بندوں سے محبت کرتا ہے۔ دنیا میں امن سے جیتا ہے۔ خود جیتا ہے دوسروں کو جینے دیتا ہے۔ اور یہ سب باتیں جس میں ہیں وہ ایمان والا ہی مومن ہے۔

یکم الف : واہ واابو......واہ...... ابو بڑی پیاری بات بتائی آپ نے۔ اور ابو...... ہندو تو ہم سب ہیں نا......

سارے ہندوستانی!

فیضو نواب : پتہ نہیں بیٹے......!

کلیم الف : ہاں اتو...... بھارت کو یہ نام عربوں نے دیا۔ عرب ہر کسی ہندوستانی کو ہندو کہتے ہیں۔ ہندو قومیت ہے مذہب نہیں۔ اس لحاظ سے ہندوستان میں پیدا ہونے والا ہر چہ ہندو ہے۔ صرف ہندو۔ جس کا تعلق مذہب سے نہیں۔

فیضو نواب : (آہ بھرکر) ظفر آدمی اسے نہ جانئے گا۔ ہو کتنا ہی صاحبِ فہم وذکا

جسے عیش میں یادِ خدا نہ رہی۔ جسے طیش میں خوفِ خدا نہ رہا

(دونوں ہاتھ پھیلا کر چلاتے ہوئے) "ربنا ظلمنا انفسنا ان لم تغفرلنا وترحمنا ۔ لنکونن من الخسرین فی لِدُنیا والآخرۃ"

بازگشت : مالک! ظلم کرلیا میں نے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال کر۔ اگر تو مجھ پر رحم نہ کرے مجھے معاف نہ کرے برباد ہو جائیں گی میری دنیا اور آخرت!!



(روشنی کے پھیلتے اور سکڑتے دائرے وقت کے گذرنے کی ترجمانی کرتے ہیں ۔بی جان بی چلمن کے قریب بیٹھ کر ترکاری بنارہی ہیں ۔ کبھی کبھار مرغیوں کے لڑنے کی آوازیں آجاتی ہیں ۔ دور کہیں وقفے وقفے سے بلّی کی میاؤں میاؤں سنائی دیتی ہے ۔ ایک غریب ہمسایہ گرہستن ہاتھ میں چھوٹی سی کٹوری لئے آتی ہے ۔)

پڑوسن : دولن بیگم! اوئے چمچہ بھر ادرک لہسن مسالہ دیؤ جی۔ ہمارا پیسنا ہے۔

بی جان بی : (خالی خالی نظروں سے دیکھتے ہوئے) زہرہ بی آپا۔ ہم ادرک لہسن عام خاص نئیں برتتے۔ گرم ہوتا بول کے بصرف خاصہ پکوان میں لگاتیں۔ ہوتا تو تمنا ضرور دے دیتی۔

زہرہ بی : کیا طبیعت خراب رکھ لے کے بھی تم اچ اٹھ کو بیٹھ گئے جی......

بی جان بی : (دلخراش آہ کے ساتھ) جب سے نہم گئے ہیں۔ سوب اچ اُلٹے پلٹے ہوگئے۔ طور طریق اچ بدل (چونک کر) الحمد للہ! اللہ کا شکر ہے۔ سب ٹھک ٹھاک ہے جی۔!

زہرہ بی : (گہری آہ کے ساتھ) ہونہہ...... قسمت ہے بی قسمت!! خدا کی شان اُدھر تماری جٹھانی محض چوّے کا بچہ جننے کو ترستی اے۔ ادھر تماری گودی میں بھرپور فصل۔

بی جان بی : (جھپٹ کر مونہہ پر ہاتھ رکھتے ہوئے) نئی امان نئی۔ اللہ کے واسطے۔ میرے بچیاں کو نظر سکو لگاؤ بی...... مئی جیٹھ کے بھروسے یہ پیٹئی نکالنیوں۔ جو دیا وہ اچ پروان چڑھائیگا۔

زہرہ بی : نئی ماں ...... غلطی سکو سمجھنا۔ مئی بولے تھوڑے تم کو ہوتے تھوڑے اُن کو ہوتے تو پرورش آسان ہو جاتی اے۔ چلتیوں ماں!

بی جان بی : خدا حافظ! ...... یکم بے دوم سوم چہارم پنجم

(بچیاں دوڑی چلی آتی ہیں کسی کے ہاتھ میں برتن ، کسی کے ہاتھ آٹے سے لتّے ، کسی کے ہاتھ میں جھاڑو ، کسی کے ہاتھ میں دھلائی کا صابن ہے)

بچیو!!! اسنبھال لیو اپنے باوا کا گھر جیسے بنے۔ اب میرے سے نئی ...... (چونک کر) اللہ تیرا شکر ہے جِلا ریا ئے۔ ذرا تھک گئی جان۔ آج کر لیو بچو!

یکم بے : امّی پیاری۔ ذرا یاد تو کرو۔ آپ نے یکم کی قسم کھائی ہے سر پر ہاتھ رکھ کے۔ ہمت کو ہاتھ سے مت جانے دو...... اس کو جینے دو ماں۔

بی جان بی : (گھٹے ہوئے لہجے میں) کیا ہے کی ماں۔ مجے ایسا دِکھ را ئے میرا بوریا بستر بندھ کو گیا۔

(دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ جاری ہوتا ہے) ۔

اُو دور کے مسافر ہم کو بھی ساتھ لے لے۔''

دوم بے : امّی۔ امّی۔ نئی بولو۔ نئی نکالو بُری فال۔ اللہ آپ دونوں کو تا قیامت سلامت رکھے۔

(آمین آمین) نشیمن پھونکنے والے ہماری زندگی یہ ہے
کبھی روئے کبھی سجدے کیے خاکِ نشیمن پر



(کافی اجالا ہوچکا ہے ۔ گھر پر ویرانی چھائی ہوئی ہے چند بچے بستر میں پڑے ہیں ۔ چند کام بنٹارہے ہیں ۔ فیضو نواب کھٹیا پر پڑے انگلی سے دیوار پر ان دِکھی لکیریں بنا رہے ہیں ۔ بی جان بی بستر میں بیٹھی چاول چن رہی ہیں ۔

بی جان بی : اٹھو جی! اٹھ جاوَ۔ تمے نئی اٹھے تو گھر اچ نئی اٹھتا۔ دیکھو جی کیسی چُپ چَپ لگی ہے۔ کیسا سونا سونا ہے۔ بچے! میری اماں ...... تمے آرام کرو جانِ بھاناں سنبھال لیتیئں فکر سکو کرو۔ چلو جی اٹھ بیٹھو!

فیضو نواب : (لانبی سرد آہ کے ساتھ اپنے آپ کو دھپ لگاتے ہوئے) ۔

گریہ چاہے ہے خرابی میرے کاشانے کی در و دیوار سے ٹپکے ہے بیاباں ہونا ......

آ...... آہا (اٹھ بیٹھتے ہیں ۔) بچے ...... آوَ بیٹا ...... ذرا قرار تو دیدوَ ...... ! (یکم دوڑتی ہوئی آکر باپ سے لپٹ جاتی ہے ۔ اس کے ساتھ ہی ساری بچیاں

آکر ''مئیں بھی مئیں بھی'' کہتے ہوئے لپٹ جاتے ہیں)...... جئیو...... جئیو سواسو برس جئیو...... پھولو پھلو ۔شاد آباد رہو۔

ڈاکٹر شرما : بھائی سید صاحب۔ آسکتا ہوں ! !

فیضو نواب : آیئے سرکار...... آیئے...... تشریف لایئے۔ کیم بے۔ بیٹا...... ذرا کرسی......

ڈاکٹر شرما : (ہاتھ پکڑ کر ساتھ لے کر کھٹیا پر بیٹھتے ہوئے) چھوڑو یار۔ کرسی وُرسی کا ہے کی (فیضو نواب گم سم ہیں۔ڈاکٹر صاحب غور سے دیکھتے ہوئے) معلوم ہوتا ہے ''پھر اسی کوچے کو جاتا ہے خیال پھر وہی راہ گزر یاد آیا ...... ہاں ؟

فیضو نواب : (بے ساختہ ٹپ ٹپ گرتے آنسوؤن کو روک کر چھپاتے ہوئے)...... واللہ صاحب ! کیا زبان ہے آپکی۔ گویا پھول جھڑ رہے ہیں...... آہ...... کیا شعر پڑھا......

ڈاکٹر شرما : (آپ اپنے بازو تھتھپاتے ہوئے فخر سے) جناب۔ ہائی اسکول سے کالج تک بیت بازی میں جیتتا آیا ہوں۔ سید بھائی ہم آپ کے پاس ایک شکایت لے کر آئے ہیں۔''

فیضو نواب : (گھبر اکر) حکم دیجئے۔ سرکار...... ہر غلطی کی اصلاح کر لوں گا۔

ڈاکٹر شرما : آجکل ہمارا عملہ...... دیر گئے تک سویا رہتا ہے۔ جسکی وجہ سے نہ تو کام صحیح ہوتا ہے نہ دماغ حاضر رہتا ہے۔ باربار تنبیہہ کے بعد ہماری ہیڈ نرس سسٹر صوفیہ نے...... اس انتشار اور بے رغبتی کی وجہ آپ کو بتایا۔ تمام دایاؤں آیاؤں نے اسکی تصدیق کی...... !!

فیضو نواب : (اچھل پڑتے ہیں) مئی...... مئی۔ مئی کیا کیا صاب !!

ڈاکٹر شرما : وہ سب بتلا رہی تھیں۔ آپ موہنہ اندھیرے جاگا کرتے تھے۔ آپ کے اشعار اور برتنوں کی آواز سے وہ لوگ جاگ جاتے تھے اور دل جمعی کے ساتھ آپ کے ساتھ ساتھ کام کرتے تھے......

فیضو نواب : زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا ہمی سو گئے داستاں کہتے کہتے
سرکار...... بگڑی ہے ایسی بات بنائی نہ جاسکے !!

ڈاکٹر شرما : (زور دار دھپ لگاکر) میاں مردوں والی بات کرو۔ کیوں خواہ مخواہ معصوم بچوں اور بے زبان بیمار بیٹی اور بیوی کے دشمن ہوئے ہو۔

کیم الف : ابو...... ابو جانی...... آپ مجھ سے بیزار ہو گئے ہیں۔ میری قسم توڑ رہے ہیں۔

فیضو نواب : ارے نئی بیٹا...... خدانخواستہ ! ! بیٹا اللہ پاک تیری ہر بلا مجھ پر اتار دے۔

ڈاکٹر شرما : سید بھائی ! یہ دو کشتیوں کی سواری بھول جاؤ۔

(اچانک فیضو نواب گھٹنوں پر ہاتھ۔ ہاتھوں پر چہرہ رکھ کر بے قابو ہوتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کررونے لگتے ہیں ۔ یکم الف روکنے آگے بڑھتی ہے ۔ ڈاکٹر شرما اشارے سے روک دیتے ہیں کہ رو لینے دیا جائے ۔ بی جان بی دم بخود مونہہ تک رہی ہیں)

ڈاکٹر شرما : (پیٹھ سہلاتے ہوئے) سید!! زندگی میدان جنگ ہے۔ مرد اس کا سپاہی۔ حالتِ جنگ میں ایک سپاہی کے ساتھی آس پاس کٹ کٹ کر گرتے اور مر جاتے ہیں۔ اس کے باوجود وہ ہر احساس اور جذبات سے عاری ہو کر پورے جوش و خروش کے ساتھ اپنا فرض پورا کررہا ہوتا ہے۔ اپنی آخری سانس تک۔ (دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ شروع ہوتا ہے "کر چکے ہم فدا جان و تن ساتھیو") ان معصوم بچوں کی صورت دیکھو۔ اس پل پل مٹتے ہوئے گھر کی حالت دیکھو۔ دیکھو سید۔ تمارے خاندان کا شیرازہ بکھر رہا ہے۔ اب بھی وقت ہے۔ سستی بے دلی اور اُداسی چھوڑ کر۔ اللہ کا نام لو اور جٹ جاؤ میدان جنگ میں۔

(ہفتم ہاتھ میں ہرا مسالہ تھامے داخل ہوتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو دیکھتے ہی چلا کر)

ہفتم : وہ آئیں ہمارے گھر خُدا کی قدرت ہے۔ کبھی ہم اُن کو۔ کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں۔"

(ڈاکٹر صاحب زبردست قہقہہ لگاکر) "آجا میرے شیر۔ کیا زبردست شعر کہا ہے (فیضو نواب اور بی جان بی حیرت زدہ ہوجاتے ہیں لیکن جیسے ہی ڈاکٹر صاحب ہفتم کو گود میں اٹھا لیتے ہیں وہ بھی کھکھلاکر کر ہنس پڑتے ہیں)

ڈاکٹر صاحب : یقیناً گالب صاحب نے یہ شعر صرف تیرے مونہہ کیلئے کہا ہو گا۔ (ڈاکٹر صاحب وفور جذبات میں ہفتم کو ہرا مسالہ سمیت گود میں اٹھاکر دائیروں کے انداز میں گھومتے ہوئے) آخر ہے ناپراگندہ شاعر کا شاعر بیٹا...... لیکن یار تو میری طرح ڈاکٹر بن...... شاعر صرف آنسو دے سکتا ہے۔ لیکن ڈاکٹر...... زندگی!! (سارے گھر والے اطراف جمع ہوکر اُن کے گرد گھومنے لگتے ہیں ۔ ڈاکٹر شرما ہفتم کو گود سے اتار کر مکا بلند کرتے ہوئے) آؤ...... آؤ میرے ہندوستان کے شیرو ...... میرے ہاتھ مضبوطی سے پکڑلو...... اور بولو۔

حیات لے کے چلیں۔ کائینات لے کے چلیں
چلیں! اور سارے زمانے کو ساتھ لیکے چلیں

"بھوک بیماری بدبختی ۔ آنسو غم اور ناامیدی!" "مُردہ باد، مُردہ باد، مُردہ باد"۔ "اپنی طاقت اپنا حوصلہ اپنا عزم"۔ "زندہ باد تابندہ باد۔ پائندہ باد!" (ڈاکٹر شرما دونوں بانہوں میں بی جان بی اور

فیضو نواب کو سمیٹ لیتے ہیں ۔ تمام بچے اطراف گردش کرتے ہوئے تالیاں پیٹ پیٹ کر)
"ڈاکٹر چاچا زندہ باد۔ ڈاکٹر چاچا زندہ باد...... زندہ باد۔"
(اوپر کھڑکی میں سے مسز شرما اور سارے مریض نظارہ کررہے ہیں جبکہ جام کے پیڑوں کے پیچھے سے چھ آنکھیں چمک رہی ہیں)۔ "زندہ باد۔ تابندہ۔ پائندہ باد۔"



(چڑیوں کی چہچہاہٹ ۔ مرغ کی اذانیں ۔ تیلی راجا کی گھنگھرو ڈانڈی کی جھنکار کے ساتھ پکار ! ماحول پر طلوعِ آفتاب سے پہلے والی سیّاہی مائل سفیدی طاری ہے ۔ فیضو نواب کے مکان سے پر سوز رسیلی آواز بلند ہورہی ہے)۔

کچھ تجھ کو خبر ہے ہم کیا کیا اے گردش دوراں بھول گئے۔
وہ زلفِ پریشان بھول گئے ہم دیدۂ گریاں بھول گئے۔
اب گل سے نظر ملتی ہی نہیں۔ اب دل کی کلی کھلتی ہی نہیں۔ کھلتی ہی نہیں۔ کھلتی ہی نہیں۔
اے فصل بہاراں رخصت ہو ہم لطفِ بہاراں بھول گئے۔

(اور پھر اپنے آپ سے)

مرنے کی دُعائیں کیوں مانگوں۔ جینے کی تمنا کون کرے   اب وہ دنیا ہو کہ یہ دنیا۔ اب خواہش دنیا کون کرے

(مترنم گنگنانے لگتے ہیں ۔ مسلسل تکرار میں)

مرنے کی دُعائیں کیوں مانگوں ۔ جینے کی تمنا کون کرے۔   کون کرے۔
وہ دنیا ہو کہ یہ دنیا اب خواہش دنیا کون کرے ۔   کون کرے......

(مصرعہ اٹھاتے ہوئے) جب کشتی ثابت و سالم تھی۔ ساحل کی تمنا کس کو تھی۔
ساحل کی تمنا کس کو تھی۔
اب ایسی شکستہ کشتی پر۔ ساحل کی تمنا کون کرے۔

(ڈاکٹر مسز شرما کھڑکی سے سر ڈال کر) "سید بھائی زندہ باد"۔ "کون کرے۔ کون کرے۔"
لیجئے ! ہم اور ہمارا سارا کلینک جاگ گیا۔ آپ کی آواز ہمارا کلاک ہے)

دوم بے : (پیٹھ کے اوپر سے باپ کے گرد بانہیں لپیٹ کر) ابو جانی ! کتنا عجیب سا۔ پیارا پیارا سا لگ رہا ہے۔ ہم سب کا صبح سویرے جاگ جانا۔ کام میں جٹ جانا...... بہت پیارا !

فیضو نواب : (چہرہ پھیرتے ہیں جو آنسوؤں سے تربتر ہے) چلو !...... آپ کے۔ ڈاکٹر انکل۔

دوم بے : (آنسو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے ایک ماں کی مانند باپ کا سر سینے سے لگاکر) ابو..... اچھے ابو! آپ رو رہے ہیں۔ باجی کی بدی چیت رہے ہیں۔ آپ نے راضی بہ رضا رہنے کی قسم کھائی ہے۔ باجی ابھی بھی خطرے میں ہے۔

فیضو نواب : (سر اٹھاکر بیٹی کا چہرہ تھڈی پکڑکر اٹھاتے ہوئے) او کالی بادل۔ نہ چاہے آجا تم ہیں برس کر کھل جاتے ہیں۔ بیٹے..... یہ آنسو صبر اور راحت کے آنسو ہیں۔ کہتے ہیں۔ نہ..... ہی دل رہا نہ تو غم رہا۔ بس یہ خیال آگیا آپ کے ڈاکٹر چاچا نے تو رشتوں ناطوں ان کی قربتوں اور دوریوں کو حرف غلط کی طرح مٹادیئے۔ اُن سے بڑھ کر اب ہمارے اپنے کوئی نہیں ہیں نا۔

بی جان بی : (دیوار کا سہارا لیتے چلتی آکر) اللہ سوا سو برس کی عمر دے اُن کو۔ اُن کی بیگم کو۔ اُن کی آل اولاد کو۔ ہماری ڈوبتی ہوئی کشتی کو بڑا سہارا دیئے جی انو لوگاں۔ غم کو غم نئی رکھے۔ فکر کو فکر نئی۔

فیضو نواب : اس کے باوجود ہم اُن کے احسانات کے شکریئے بھی ادا نہیں کر سکتے۔

یکم بے : (دوڑتی ہوئی آکر) کیوں ابو..... آخر کیوں..... ہم بھی بہت کچھ کرینگے!؟"

فیضو نواب : (فلفسیانہ انداز میں) وہ جذبے جن کے اظہار کیلئے الفاظ نہیں ملتے اُن کی قیمت اور قدر کا بھی حساب نہیں کیا جاسکتا۔ سوائے خاموشی اختیار کرلینے اور دُعا کے۔ ان کو فرشتہ یا دیوتا کہنا ان کی توہین ہے کیونکہ فرشتے اور دیوتا بھی اپنی حد سے آگے نکل کر کسی انسان کی کوئی مدد نہ تو کرسکتے ہیں نہ کرتے ہیں نہ قریب ہوتے ہیں۔

یکم الف : (نحیف آواز میں) کیونکہ شرما چاچا ان سب سے بلند ہیں۔

سارے بچے : سب سے اونچے سب سے مہان..... نا ابو!

بی جان بی : فیضو نواب ایک ساتھ! "ہاں بچو!"......

(اچانک باہر سے قدموں کی آہٹ آتی ہے۔ سب کے سب آگے بڑھ آتے ہیں)

ڈاکٹر شرما : یار ہفتم..... کیا ہم آسکتے ہیں۔ (سب ایک ساتھ) آیئے۔ ڈاکٹر صاحب..... تشریف لایئے۔

بی جان بی : ڈاکٹر صاحب۔ کان پکڑ لیجئے۔

ڈاکٹر شرما : اوہ! تو ہماری پیشنٹ ہمارے کان کھنچوا رہی ہے۔ نا بابا نا سمجھ گئے۔ لو چھو لیا کان۔ ہماری یاد ہو رہی تھی نا؟ (ڈاکٹر صاحب کے ہاتھ میں ایک لفافہ ہے۔ پردہ اور چلمن اٹھاکر ملازمہ کو آواز دیتے ہیں۔ "آؤ بھئی بالمّاں....." ایک

اونچی گوری صحت مند شائیستہ پختہ العمر عورت ہاتھ میں تھال لیئے داخل ہوتی ہے۔")

ڈاکٹر شرما : بھئی بچو! دیکھو تو آپ کی ڈاکٹر میم صاحبہ نے آپ سب کیلئے کیا بھجا ہے۔" (خادمہ طورۂ پوش اٹھاتی ہے تھال میں مختلف پھل و میوے بھرے ہوئے ہیں۔) اور یہ رہی یکم الف کی مکمل رپورٹ! آج مسلسل چار مہینے کے علاج کے بعد وہ سوراخ جو بہت معمولی تھا وہ Patch up ہو گیا ہے اب یکم الف بالکل صحت مند اور خطرے سے باہر ہے۔

(فیضو نواب اور بی جان بی)!" جیو ڈاکٹر راجہ...... جیو...... جیو ہزاروں سال جیو راجا...... یا اللہ تیرا شکر ہے ہزار بار شکر مولا" (دونوں بیک وقت بچی کو لپٹالیتے ہیں اور لاکر ڈاکٹر شرما کے قدموں میں جھکا دیتے ہیں۔ ڈاکٹر شرما۔ یکم الف کو اٹھاکر سرپر ہاتھ رکھ کر دُعا دیتے ہوئے)

ڈاکٹر شرما : ایک اور خوشخبری ہے۔ یکم الف اور یکم بے روزانہ چار تا نو بجے شام میرے کلینک پر سسٹر صوفیہ کے تحت نرسنگ کریں گے۔ اور اس کا مشاہرہ فی کس تیس روپے ہوگا۔" اب انٹر کے بعد ہی فیصلہ ہوگا۔ یہ آئندہ کیا بنیں گی۔"

یکم الف اور بے : (پاؤں چھوکر) ڈاکٹر انکل...... ہم دونوں پوری ذمہ داری سے سسٹر صوفیہ کے ماتحت کام سیکھیں گی اور کریں گی...... اور اعلیٰ تعلیم بھی حاصل کرینگی۔"



دوپہر ہے۔ فیضو نواب فرش پر اپنے پرانے اسٹایل میں لیٹے ہیں۔ بی جان بی اپنے بازو ایک پر انا زربفت کا بستہ کھولے چند بے حد نایاب اور بھاری جوڑے اتھل پتھل کررہی ہیں بالآخر...... کھیوا. تاربانہ...... اور مُشجر کی تین ساڑیاں اور کرتنی چولیاں نکال کر بازو جماتی ہیں۔ " ہیمرو۔ شمرون۔ تاربانہ۔ نوتارہ۔ سجنابی۔ ربّا ربّا ربّا ربّا۔"

فیضو نواب : (سوچ میں ہلکان انداز میں) جانی! رہ رہ کے ایک سوال میرے دل کو دیمک نا تھ چاٹے جاتا ہے۔

بی جان بی : (کھوکھلی آواز میں) کیاجی۔ کائیکو سوچاں سوچ سوچ کو من کو مار لیتیں بول دیوجی۔

فیضو نواب : ڈاکٹر صاحب نے وقت پر بتادیا ہوتا۔ وقت پر معلوم ہو جاتا تو ہم کی بھی احتیاط کرلیتے۔ ہم بھی بچ جاتا تا...... بیمار کو مار لگنے سے اور اول اچ مرکو گیا ہوتا۔

لی جان لی : (بہتے ہوئے آنسو پونچھتے ہوئے) یہ اچ بات مئی پوچھی ڈاکٹرنی ماں سے۔ انوں بولے۔ کیم کے دل میں سوراخ معمولی تھا مگر جسم میں بڑھنے اور پھیل کر سوراخ میں بھر جانے کی گنجائش تھی...... مگر نہم کے دل میں سوراخ غیر معمولی بڑا تھا۔ خون بھی بہوت کم تھا۔ اور جسم میں جلدی پھیلنے کی صلاحیت اچ نئی تھی۔ اس کو تو بہر حال جانا تھا......

فیضو نواب : پھر بھی بتا دیتے تو بات تھی۔

لی جان لی : انوں بولے۔ مرض لاعلاج ہے سو ہے۔ جب غشی کے دورے شروع ہوں گے تو بتا دینگے۔ نئی تو سارا اگھر مسلسل غم اور فکر میں مارا جائے گا۔ مگر الٹیوں اور دوروں کا وقت اچ نئی آیا۔

فیضو نواب : جیتا تو اور چار چھ سال جی جاتا۔

لی جان لی : نئی جی...... بہوت ...وہ بہوش ہو جاتا پھر بہوشی بہوشی۔ مین اچ ختم ہو جاتا۔

فیضو نواب : ''کومامیں''

لی جان لی : ہو وَجی...... بہوشی بہوشی میں اچ ختم ہو جاتا۔ اب تمے بی بُھل جاؤجی...... بُھل جاؤجی...... (روتے ہوئے) مئی ماں ہو کر بُھلا بیٹھوں جی۔

فیضو نواب : (ادھر ادھر دیکھ کر) نہ تو بُھلا پائی بجانی۔ نہ اچ مئی بھلا پایا۔ نہم ایک ببول کے کانٹے نا تھ دل میں کُھب کو بیٹھ گیا ئے!

لی جان لی : (جتانے والے انداز میں انگلی کھڑی کرکے) دیکھو۔ صبر اور شکر کریں گے نا تو اللہ پاک سے عاجزی کر کے ...نوائیں گا بھی اُنے اچ!! (مونہہ پھیر کر رو دیتی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ خاموش ہیں۔ **وقفہ کھیوے کی ساڑی اور زربفت** کی کرتنی چولی سنبھال کر) دیکھو جی۔ میرے جی میں ایک بات آئی اے۔

فیضو نواب : کیا

لی جان لی : بہوت دنوں سے میرا جی کرتا ئے ڈاکٹر صاحب اور ڈاکٹرنی صاحبہ کو تحفا دینے کو...... مگر ان کے شایانِ شان کرنے کی گنجائش نئی نا۔

فیضو نواب : مئیں بھی کوئی نہ کوئی موقعہ ڈھونڈ کے کچھ کرنا چاہ رؤں جی۔ انکے سامنے تو کچھ بول اچ نئی سکتا۔

لی جان لی : سنو جی!! یہ کچھ بھاری اصلی چاندی کے کپڑے رکھئیں۔ اللہ قسم مئی جسم پو ڈالی تک نئی۔ تب بہوت لمبے اور بڑے بڑے تھاناں۔ مجے نئی جمتے تھے۔ بس وقت اچ گزر گیا۔ بزرگاں تو سوب کے اچ بزرگاں ہو تئیں بزرگاں کی نشانی تکو...... کھیوانئی تو تاربانہ نئی کی مشجر کے جوڑیاں ان کو تحفے میں دینگے نا......!!

فیضو نواب : (اٹھ بیٹھتے ہیں) پڑے رہنے دو۔ بچیوں کی شادی کے کام آئینگے۔ اب زندگی بھر ایسے جوڑے ہمیں خرید نئی سکتے۔

لی جان لی : (ہاتھ پٹخ کر) ہوئی نا بات...... اجی جہیز اور جوڑاں میں تال میل ہونا کتے...... ایسی کیسی بات..... سونے کو کاٹھ کی کھٹیا سواری کو ہاتھی '!! یہ کپڑاں جہیز میں لگا ئینگے تو اس کے جوڑاں کا اچ پلنگ۔ بستر۔ الماری۔ سنگھار میز۔ ششدرہ۔ میز کرسیاں۔ کوچاں۔ مٹلیٹاں دینے پڑیں گے۔ ہاں گھر آئے بھوا ئں کو پنا دینا اور بات ہے۔

فیضو نواب : صحیح بات ہے۔ کل کا ہر کام ہر مال بڑا اور بھاری ہوتا تھا۔ آج کی ہر چیز ہر بات ہلکی ہوتی ہے ہلکا زیور۔ ہلکا کپڑا۔ ہلکا ساز و سامان۔ ہر بات میں ہلکا پن۔

لی جان لی : زمانہ اچ ہلکے لوگاں کا ہلکا ہلکا ہو گیا ئے کتے۔ اِسی لئے اچ بولتیوں۔ اتے اونچے پورے۔ حسین خبصورت ڈاکٹر میم صاب یہ کپڑاں پہنے گے تو جچیں گے بھی۔ ہمارے بچیاں کو پہنتے ابھی دس سال جانا۔ پیچھے بھاری زیوراں کاں سے لائینگے۔!



(فیضو نواب کا گھر نہایت صاف ستھرا ہے۔ بیچوں بیچ چوکی پر مختصر سے پھل میوے کیک پیسٹری بسکٹ اور مٹھائی کا ڈبہ رکھے ہوئے ہیں۔ مرکزی مقام پر مسز اور مسٹر شرما بیٹھے ہوئے ہیں۔ دائیں ہاتھ فیضو نواب اور بائیں ہاتھ پر یکم الف بیٹھے ہیں۔ اطراف تمام بچے دیوار سے لگے متفرقات بھری طشتریاں لئے بیٹھے ہیں۔ یکم بے دو صاف ستھری پیالیوں میں چائے لاکر مسز اور مسٹر شرما کو پیش کرتی ہے۔

ڈاکٹر شرما : (شکایتی انداز میں) اٹ از ٹو مچ سید [illegible] کوئی غیر ہوں یا آپ غیر ہیں۔ ارے یہ سب کیا ہے۔

مسز شرما : ہمارے تو تین [illegible] ے۔ پڑوسی آپ۔ پیشنٹ آپ۔ بھائی آپ!! بھلے بھائی بھائی میں [illegible] یت کیسی!

لی جان لی : میم صاحب چھ سات مہینے گزر گئے۔ گھر میں خوشی قدم نئی رکھی۔ آپکی کنیز یکماں صحت یاب ہوگئی بول کو ہمیں بولے اِس کا غسلِ صحت کراکو اس کے مسیحا ڈاکٹر صاحب میم صاحب کی گل پوشی کرنا۔

فیضو نواب : ذرا اچھوں کا بھی موڈ بدل جاتا نا صاب!

ڈاکٹر شرما : واہ! واہ سید بھائی۔ بہت بڑی بات!! ارے آپ پہلے بتادیتے تو اپن سب مل کے شاندا

فنکشن کرتے......

فیضو نواب : صاب اس گھر سے خوشی چلے گئی۔ آپ دونوں آئے تو اس گھر میں نئی خوشی آجانا ہمارا مقصد تھا۔

مسز شرما : سید بھائی سچ کہتے ہیں۔ گھر میں ہی خوشی نہ ہو اور زمانہ خوش ہوا تو کس کام کا۔ (بی جان بی پھولوں کے تین ہار لاکر فیضو نواب کو دیتی ہیں۔ وہ اٹھ کر یکے بعد دیگر سب ہار قِبلہ سے چھواتے ہیں اور پہلے ڈاکٹر صاحب پھر ڈاکٹر صاحبہ اور پھر یکم الف کے گلے میں ڈال دیتے ہیں۔ سارے بچے تالیاں بجانے لگتے ہیں۔ دوم بے ایک پیکٹ پر مٹھائی کا ڈبہ رکھے لاتی ہے اور دونوں کو پیش کرتی ہے۔ دونوں بیک وقت چونک پڑتے ہیں)

مسز شرما : ارے یہاں تک تو سب ٹھیک تھا۔ لیکن اب یہ کیا ہے ؟

بی جان بی : (تھوڑی اٹھا کر کمال عاجزی سے) میم صاحب تو حفا ہے۔ آپ کے واسطے۔ خاندان کے جدّ بزرگوں کی نشانیاں۔ اللہ قسم بالکل ان چھوانیا کا نیا۔

مسز شرما : لیکن۔ ہے کیا؟

فیضو نواب : میم صاحب...... آپ جا کر دیکھ لیجئے۔ آپ قبول تو فرمالیجئے۔

ڈاکٹر شرما : سید بھائی۔ قبول کر لئے۔ سو بار قبول۔ ہزار بار قبول۔ مگر ذرا کھول کر تو دکھایئے۔ وہاں مریضوں کے بیچ میں کیا دیکھ سکیں گے۔ (ہاتھ سے لے لیتے ہیں۔ دوم بے ادب سے سلام کرکے پیچھے ہٹ جاتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کھولنے لگتے ہیں مسز شرما ڈبّے پر جُھکی ہوئی ہیں۔ کھولتے ہی بھرواں وزنی کرتنی چولی اور کھیوے کی بہترین نفیس۔ بھرواں ساڑی نکل آتی ہے۔ دونوں حیرت زدہ ایک دوسرے کا مونہہ دیکھتے رہ جاتے ہیں)

بی جان بی : (بڑی عاجزی سے) مئی تو تارباشہ اور زربفت مشجّر کے کپڑے رکھنا چاہ ری تھی میم صاحب۔ انوں بولے وہ دولناں کے رنگ ہیں وہ میم صاحب کب پہننا۔ یہ ہلکے رنگ ہیں گرمیاں کے انوں ضرور پہنیں گے۔

مسز شرما : (ڈاکٹر صاحب سے) ایسے کپڑے تو ہم نے صرف دلی میوزیم میں مغل شہزادیوں کے دیکھے

فیضو نواب : شہزادیوں کے اچ کیا میم صاب۔ اس زمانے کے امیروں رئیسوں جاگیرداروں کے گھروں میں زنانی لباس ایسا اچ ہوتا تھا۔

ڈاکٹر شرما : (مسحور سے) ایسا کپڑا تو میں نے کسی مسلم گھرانے میں بھی نئی دیکھا اب تک......

فیضو نواب : آج کے دور میں آدمی ہلکا پھلکا، لباس ہلکا پھلکا......

ڈاکٹر صاحب : سوچ ہلکی پھلکی بات ہلکی پھلکی کردار ہلکا پھلکا......

بی جان بی : اس واسطے اچ متروک ہے۔ نئی تو ابھی عنقریب ہماری بھانجی کی شادی میں آپ لوگاں آیئے۔ بہوت سارے عورتاں ایسا اور اس سے بھی بھاری کپڑا پہنے دکھائی دیں گے۔

مسز شرما : مگر یہ پہن کر میں تو دلی میوزیم دِکھائی دیونگی نا......

کیم الف : آپ بہت خوبصورت بھی ہیں اور اونچی بھی آپ مغل شہزادی دکھائی دیگی......بالکل مغل شہزادی!!

بی جان بی : آپ جب یہ پہنیں تو ہمیں ضرور دکھائیں......

ڈاکٹر شرما : (سرہلاتے ہوئے) Too much; it is too much. ......سید بھائی......

مسز شرما : ٹھیک ہے جی...... میں عنقریب پہنوں گی۔ بڑے پیارے کپڑے ہیں یہ۔ خوابوں کی مانند حسین کپڑے......الف لیلیٰ کی طرح۔

(ایک پل کے لئے سب کے سب مسز شرما کو اس پورے لباس مین ایک آسمانی پری کی مانند دیکھتے ہیں۔ منظر بدل جاتا ہے۔ گلی میں زبردست بھگدڑ مچی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر اور مسز شرما جانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں۔)

مسز شرما : (بی جان بی کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لیکر) مسز سید! آپ لوگ خاندانی لوگ ہیں۔ ساری بستی آپ کی عزت کرتی ہے۔ ہم لوگ تو لائن بھی ہیں کامریڈ بھی انسان دوستی اور خدمت تو ہمارا ایمان ہے۔ آپ پر کوئی احسان نہیں کرتے۔ آپ نے بہت مہنگا اور بہت پیارا تحفہ دیا ہے۔ میں اسے ہمیشہ محفوظ رکھوں گی اور بتاؤں گی کہ ہمارے بزرگوں نے کس سلیقے سے زندگی کو جیا ہے۔ جو وہ خود کھاپی کر کھلا پلا کر بچا کر چھوڑ گئے ہیں وہ آج بھی آنے والی پیڑھیوں کے کام آرہا ہے۔ لیکن پلیز۔ آئندہ ایسی کوئی زحمت مت کرنا۔ پیاری!

بی جان بی : بس ایک موقعہ اور رہ گیا ہے۔ ابا حج کو گئے ہیں۔ وہ جو تو حفے لائیں گے نا اس میں سے کچھ کام کی چیزاں! بس!!

فیضو نواب : ڈاکٹر میم صاحب...... آپ ایسا کبھی نکو سوچو۔ آپ کے احسانات تو ہم گنا بی نئی سکتے......

(اچانک دو لڑکے گھس آتے ہیں "انکل" کہتے کہتے ڈاکٹر صاحب وغیرہ کو دیکھ کر ٹھٹک جاتے ہیں۔ اور پھر ڈاکٹر صاحب ڈاکٹر صاحب رٹنے لگتے ہیں۔)

ڈاکٹر شرما : کیا ہے۔ کیا بولنا چاہتے ہو...... **صاف** بولو۔ ارے تم تو انسویا کے لڑکے ہو اور تم چنو کے نا؟

دونوں لڑکے : ڈاکٹر صاحب شہر میں ہندو مسلم فسادات پھوٹ پڑے۔ پرانے شہر میں چار دفعہ فائرنگ ہو چکی

ہے تشدد نئے شہر تک پہونچ گیا ہے کرفیو لگ گیا سب لوگ گھروں میں بیٹھ جانا ہے۔

(فیضو نواب کو مخاطب کرکے) انکل۔ دوکان سے جو بھی لینا ہے پہلے لے لو بولی بان۔ دوکان بھی بند ہو رئی ہے۔ بعد کو تکلیف ہتو اٹھاؤ بولی مان۔

ڈاکٹر صاحب : لو۔ پھر شروع ہو گیا نیا ناٹک ...... نچلے نئی بیٹھ سکتے۔ اچھی بھلی امن کی فضا کو بگاڑ دیتے ہیں۔

مسز شرما : ہر محلے کے لوگ اپنی اپنی جگہ پر سکون اور پر امن رہتے ہیں۔ باہر سے سیاسی غنڈوں کو گھسا کر......

ڈاکٹر صاحب : یہ خیال دوسری جگہوں پر صحیح ہو تو ہو لیکن لال دروازے، سلطان شاہی، محبوب کی مہندی وغیرہ میں غلط ثابت ہوتا ہے۔ خود پڑوسیوں نے پڑوسیوں کے گھر جلائے۔ گلے کاٹے ہیں...... عصبیت کے مارے۔ معصوم بچوں اور بے بس عورتوں کو بھی نہیں بخشا۔

فیضو نواب : میں ذرا دوکان تک ہو آتا ہوں......

مسز و مسٹر شرما : چلئے۔ چلئے ہم بھی چلتے ہیں۔

(پولیس ویان اعلان کرتی گزر رہی ہے) شہر میں کرفیو لگ چکا ہے۔ سٹی کمشنر آف پولیس دیکھتے ہی شوٹ کرنے کے احکامات دیدیئے ہیں۔ عوام کو ہدایت دی جاتی ہے کہ فوراً اپنے اپنے گھروں میں گھس کر دروازے بند کرلیں۔ کوئی دوکان کوئی مکان کھلا نہ رہے سوائے دواخانوں کے۔ اور وہاں امر جنبی کیس کو دیکھا جائے۔ بصورتِ عدم تعمیل سخت ایکشن لیا جائے گا۔"

(فیضو نواب، مسز و ڈاکٹر شرما تینوں باہر نکلتے ہوئے) "آہ! خاک میں مل گئی حیدر آبادی گنگا جمنی تہذیب...... غارت ہو گئی انسانیت کی عظمت......"

(ڈاکٹر شرما کلینک کی طرف دوڑتے ہوئے چلا رہے ہیں) "سر پیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ کیا اسی دن کے لئے آزادی حاصل کی تھی۔ کیا اسی دن کیلئے شہیدوں نے ہنستے ہنستے اپنی جانیں گنوادیں!!" خلاؤں میں ترنگا کھل رہا ہے اور 'وندے ماترم' کی بازگشت ہے۔

صدا:...... اے زمین میں تیرا بیٹا ہوں۔ اسی لئے تجھے آدمی کا خون پلاتا ہوں۔



(فیضو نواب کی آنکھوں پر عینک لگی ہوئی ہے وہ کھٹیا پر اپنے مخصوص اسٹائل میں بیٹے ایک ہاتھ سرہانے کئے دوسرے ہاتھ میں اخبار تھامے خبریں سنارہے ہیں۔ فرش پر بچے۔ چند بیٹھے۔ چند لیٹے۔ چند نیم دراز سکول ورک کررہے ہیں۔ یکم الف بی جان بی کی کمر میں دونوں ہاتھ ڈالے کندھے پر سر ٹکائے بیٹھی ہوئی ہے)

یکم الف : امی...... کیا میں اچھی ہو گئی ہوں۔ کیا اب مجھے کچھ نہیں ہو گا۔

بی جان بی : نئی بیٹے...... کچھ نہیں ہو گا۔ اللہ تیری ہر بلا مجھ پر ٹال دے۔

یکم الف : یوں نہیں...... یوں کہتے ''انشاء اللہ تعالیٰ کچھ نہیں ہو گا۔ اللہ ہم سب کی ہر بلا دور فرمادے'' کیوں کہ اللہ پاک بڑے رحیم و کریم ہیں کوئی خونخوار بھوت نہیں ہیں کہ بہر حال ایک نہیں تو دوسرے کی جان بھینٹ میں لیں۔

بی جان بی : ''اچھا! میری ماں اچھا۔ انشاء اللہ تعالیٰ کچھ نئی ہوئیگا۔ اللہ تماری ہماری سوب کی ہر بلا دور کرے۔ آمین۔'' (سب کے سب زور سے آمین)!

فیضو نواب : (ہڑبڑا کر) ہاں ہاں آمین آمین ثم آمین اخبار کیا ہے دردناک خبروں کا پٹارہ ہے مجانی۔

بی جان بی : (پریشان ہوتے ہوئے) کیا غارت ہو کو گیا جی!!

فیضو نواب : شبہ کیا جارہا ہے کہ فسادات منصوبہ بند ہیں۔ فساد کے پہلے ہی دن بازار سے سبزی ترکاری دودھ غائب ہو گئے۔ ریٹیل دوکانوں کے مالکوں نے من مانے داموں پر اجناس بیچا اور دوکانیں بند۔ چھوٹے چھوٹے شیرخوار بچوں کی طلب کا جب اندازہ ہوا تو انھیں بھوکے رہتے ہوئے زائد از اٹھارہ گھنٹے ہو چکے تو کل شام میں سرکاری گاڑیوں کے ذریعہ دودھ اور ترکاری فروخت کیئے گئے۔ خشک اجناس کے ٹھیکیداروں کی پانچوں گھی میں سر کڑھائی میں ہے لیکن تر و خام اشیائے مایحتاج فروخت کا مال پڑے پڑے ضائع ہو رہا ہے جس سے نقصان کا اندازہ مشکل ہے۔ ضرورت۔ ضرورت مند اور رفع حاجت کرنے والوں کے درمیان کرفیو کی دہشتناک خلیج بن چکی ہے۔ گذشتہ تین دن سے مسلسل شب و روز کرفیو میں گزرے۔ حالات کے پیشِ نظر چھوٹ نہیں دی جا رہی ہے۔ یہ ارضِ دکن پر دوسرے مہیب فسادات اور دوسرا طویل کرفیو پیریڈ ہے۔ (ملٹری فلیگ مارچ کے قدموں کی آواز ساتھ ساتھ پولیس ویان سے اناونسمنٹ جاری ہے ۔ فیضو نواب کے افراد خاندان بند دروازے اور بند کھڑکیوں کے شگافوں سے باہر جھانک رہے ہیں) فیضو نواب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھتے ہیں۔ ''ہٹو بچو! ہٹ جاؤ! اچانک فائرنگ ہو جائے تو کوئی آوارہ گولی جان بھی لے سکتی ہے ی۔ ہٹو ہٹو۔

بچے : ابو۔ ابو گاڑی پے اپنے لوگاں ہی ہیں۔ پنڈت جی بھی ہیں شرما چاچا بھی ہیں۔

ہفتم : ارے پنڈت چاچا دیس سے آگئے؟...... بس میں آج سے پھر ان کے پاس سو جاؤں گا۔ اہاہا۔

ہشتم ب : آہہ ...... یہ ہہ ...... سوئے گا کان سے ، پنڈت چاچا خود نئی سوئینگے واں کرفیو جو ہے۔
(فیضو نواب سب کو ہٹاکر اخبار کی آڑ سے خود جھانکتے ہیں)

فیضو نواب : چے سچی بول رئیں مجانی۔ پنڈت جی۔ شرما صاحب ظہور صاحب۔ پتلو اور...... اپنے مخدوم محی الدین بھی ہیں۔ یہ سب لوگ کیا کررہے ہیں۔ (بی جان بی دروازے کی شگاف سے جھانکتے ہوئے) ادے کیا تو بھی ہو گیا۔ سنووہ لوگاں کچھ بول رئیں۔

آواز : سارے اہلِ محلّہ میں واقف کرواتا ہوں کہ میں نے اِس محلے کے عزت دار لوگوں کو جمع کیا ہے۔ میں نے آپ کے محبوب قائید۔ محبوب شاعر جناب

فیضو نواب : اسسٹنٹ کمشنر بول ریا ہے مجانی۔

بی جان بی : ہونہہ...... ہونہہ۔

آواز : مخدوم محی الدین کو بلایا ہے تاکہ سارے ویسٹ زون میں ہندو مسلم یکجہتی منچ قائم کروں۔ اس منچ میں ہندو مسلمان سکھ عیسائی سبھی شریک ہیں۔ اور سب یہ عزم کرتے ہیں کہ ویسٹ زون میں کسی بھی فرقہ وارانہ سرگرمی کو جڑ پکڑنے نہیں دینگے۔ میں نے سارے روڈی شیٹرز کو بلا تفریق لاک اپ میں ڈال کر گذشتہ رات قتل و خون لوٹ مار آتش زنی کی سازش کو ناکام بنادیا ہے۔ آپ کا تعاون حاصل رہے گا تو ویسٹ زون میں کوئی واردات نہ ہوگی۔ میری خواہش ہے درخواست ہے ہندو بھائی اپنے مسلمان سکھ اور عیسائی پڑوسیوں کی حفاظت کریں گے اور مسلمان بھائی اپنے ہندو سکھ عیسائی پڑوسیوں کی حفاظت میں کوئی کسر نہ چھوڑیں گے۔ جے ہند۔

اعلان : قیامِ امن کی خاطر ہم نے موبائیل کارنر میٹنگس کا اہتمام کیا ہے۔ جسے ہر ہر محلے کے عزت دار امن پسند شہری مخاطب کریں گے۔ جبکہ کامریڈ مخدوم اور لائین کامریڈ شرما پورے ایسٹ ویسٹ نارتھ ساؤتھ زونس کا دورہ کریں گے۔ سنئے آپ کے محبوب شاعر و قائد کامریڈ مخدوم کو۔

مخدوم : بھائیو! میں آپ سے بہ حیثیت کامریڈ نہیں بہ حیثیت ایک عام ہندوستانی مخاطب ہوں۔

غور کیجئے ہم جن سے لڑ رہے ہیں جن کو حرفِ غلط کی طرح مٹا دینا چاہ رہے ہیں وہ کوئی غیر انسانی۔ غیر مقامی مخلوق نہیں ہے۔ صرف اور صرف اسی ایک زمین کی پیداوار انسانی برادری ہے۔ چھوٹی چھوٹی تنگ نظریوں کو بنیاد بنا کر بڑے بڑے خون خرابے تاریخ کے صفحات کو داغدار کر سکتے ہیں لیکن انسان کے محدود وقفۂ حیات میں محض ایک لمحے کا بھی اضافہ نہیں کر سکتے ۔ یہ زمین یہ آسمان یہ کائنات تو کجا۔ اس کا محض ایک ذرّہ بھی کسی شخص واحد۔ کسی واحد قبیلے قوم اور سلسلے کی نہ کبھی میراث رہا نہ کبھی رہے گا۔ محض ایک کنکر پر بھی کسی انسان کا حق ملکیت ثابت نہیں ہے۔ سکندر نے بھی دنیا پر اپنا حق مان کر جھنڈے گاڑنے چاہے۔ دو ہاتھ خالی لیکر حالتِ غربت میں دنیا سے سدھارا...... اشوک اعظم نے بھی توسیع پسندی کو اپنی پالیسی بنایا لیکن بہت جلد اپنی غلطی کو تسلیم کر کے تائب ہو گیا۔ آج بھی اسکا نام دنیا بھر میں عزت کے ساتھ لیا جاتا ہے۔ ہم بجائے اس کے کہ دوسرے کو مار کر دوسرے کو تباہ کر کے اپنے آپ کو مستحکم اور لافانی مانیں۔ بہتر ہے کہ ہم دوسرے کو مارنے کی بجائے خود اپنے جینے کی کوشش کریں۔ دوسرے کو تباہ کرنے کی بجائے خود آپ سنبھلنے کی کوشش کریں۔ دوسرے سے چھیننے کی بجائے خود آپ کمانے کی کوشش کریں۔ اور یاد رکھیں بڑے معمولی اور شرمناک مقاصد کے لئے پرکھوں کے آدرش کو ملیامیٹ نہ کریں۔

یہ چمن یونہی رہے گا اور سارے جانور

اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اڑ جائیں گے

(گاڑی آگے بڑھنے کی آواز اور ساتھ میں اعلان) اب کامریڈ ڈاکٹر شرما آپ سے مخاطب ہیں۔ محترم بزرگو بھائیو! بہنو اور پیارے بچو!!

میں کوئی مقرر نہیں ہوں ڈاکٹر ہوں۔ آپ کا خادم۔ آپ کا دوست۔ آپ موت کی جانب بڑھتے ہیں میں آپ کو زندگی کی جانب گھسیٹ لاتا ہوں۔ بس یہی میرا فرض ہے۔ میں بستی کے نوجوانوں کے کو دعوتِ فکر دیتا ہوں کہ وہ کسی منفی نظریئے کو ہرگز اختیار نہ کریں۔ اپنی بستی کے ایک ایک گھر کو انسانی قلعہ بنالیں۔ کسی بھی فرقہ پرست لیڈر کی لفاظی میں نہ آئیں۔ بس یہ فیصلہ کرلیں۔

ان کی جو بات ہے وہ اہلِ سیاست جانیں : میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہونچے

اور میرا پیغام ہے ۔ جئیو اور ....(سارا عملہ) جینے دو۔ میرا نعرہ ہے جئیو اور ....(بہت ساری آویزیں) جینے دو۔ میرا ایمان ہے۔ جیوٗاور جینے دو ۔ (محلے کے چاروں سمت سے ۔ گھروں کی چھتوں سے اور بالکونیوں سے ۔ جئیو اور جینے دو کامریڈ مخدومؔ اور کامریڈ شرما ایك ساتھ ہاتھ بلند کرتے ہیں جو اوپر اٹھتے ہی ایك مشترکہ ''مکّے'' میں تبدیل ہوجاتے ہیں اور پوری طاقت کے ساتھ) "جئیو .... اور جینے دو .... ! بازگشت ...... جئیو اور جینے دو۔ جئیو اور جینے دو۔ جئیو اور جینے دو"..... گاڑی آگے بڑھ جاتی ہے۔



فیضو نواب کے گھر کا ماحول کسی قدر زیادہ نکھرا ہوا ہے ۔ صبح کے کوئی آٹھ ساڑھے آٹھ بجے ہیں ۔ ہال میں بی جان بی کھٹیا پر نڈھال پڑی ہوئی ہیں ۔ قریب میں کرسی پر ڈاکٹر شرما اور اسٹول پر فیضو نواب بیٹھے ہیں ۔ دوم بے چھوٹی سی ٹرے میں سلیمانی چائے لئے آگے بڑھتی ہے ۔ ڈاکٹر شرما دور ہی سے آواز دے کر " سوری دوم بے ۔ آج میں سلیمانی نہیں سکندری لوں گا ۔"

دوم بے : (چونك کر) جی! سکندری !!؟

ڈاکٹر شرما : "ہاں! ہاں! سکندری۔ ڈبل دودھ والی...... O.K.

دوم بے : جی! ابھی لائی...... (لوٹ جاتی ہے)

ڈاکٹر شرما : (بی جان بی کی جانب پلٹتے ہوئے) "بتائیے بیگم صاحبہ آپ کے کیا حال ہیں ؟'

بی جان بی فیضو نواب کا مونہ تاکتی ہیں ۔ اور فیضو نواب جھٹ سے کھڑے ہوکر)

فیضو نواب : ڈاکٹر صاحب۔ پرسوں ان کے والد یعنی میرے خسر صاحب اچانک گذر جانے کی اطلاع ملی..... جبھی اچ سے انوں کھٹیا پے پٹ گئے (بی جان بی سسکیاں لینے لگتی ہیں) بڑا آسرا تھا ڈاکٹر صاحب خسر صاحب کا ہماری گرہستی کو...... ہماری مشکلات اور بڑھ گئے !

ڈاکٹر صاحب : (بی جان بی کی کلائی تھام کر پہلے نبض دیکھتے ہوئے) ایسا نئی بولنا سید بھائی...... کوئی کسی کا چارہ گر نئی ہوتا۔ محبت اور نفرت کا۔ ہمدردی اور بیدردی کا۔ ہونی اور ان ہونی کا پہیہ اوپر والے کے ہاتھ ہے۔ وہ مسبب الاسباب ہے ! اب آپ کی بیٹیاں پیٹ ِ ن

کر کمانے اور تعلیم حاصل کرنے بھی تو لگی ہیں۔

فیضو نواب : اسکے باوجود سرکار۔۔۔۔۔۔وہ میرے محسن! عجائے والد روحانی باپ ایک ماں کی طرح ممتا رکھنے والے تھے۔ اپنی بچی دی۔ اپنے دستر خوان پر حصہ لگایا۔ اپنے سائے میں گرہستی دی۔ اور ایک لنڈورا لونڈا چودہ جانوں میں بٹ گیا۔ اللہ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔ اب محسوس ہوا صاب باپ کی موت کا غم کیا ہوتا ہے۔ آپ میری عجانی کو عجالیجئے۔

ڈاکٹر شرما : (آبدیدہ ہو کر)...... خوش نصیب ہے وہ خاندان جس کو آپ جیسا شریف النفس۔ ایماندار باضمیر داماد ملے۔ نہیں تو باپ کا بیٹی کے ساتھ باؤلی میں گر مرنا بہتر ...... (اسٹیتھسکوپ چیک اپ اور بلڈ پریشر اگزامنگ کرتے ہیں) سید بھائی ...... صدمہ تو اپنی جگہ بھاتا بن گیا ہے۔ دراصل ایک تو کم سنی کی شادی۔ اس پر کم عمری کی اولادیں کبھی سنگل اکثر ڈبل ...... یعنی مسلسل زچگیاں۔ اس کے ساتھ معیاری طاقتور غذاؤں کی کمی۔ اور اِن ہائجنک اِن وائرنمنٹ ...... غیر صحت مند آلودہ ماحول کے باعث سارا ہی عضلاتی نظام غیر کارکرد ہو کر رہ گیا ہے۔ اور یہی چیز بھالی کے جسم کو دیمک کی مانند چاٹ گئی ہے۔ خون بنانے والا نظام تو بالکل ہی ناکارہ ہو گیا ہے۔ اسکی (بی جان بی کی جانب کھڑے اشارہ کرتے ہوئے) حقیقی حالت اس حالت سے ابتر ہے جو بظاہر دکھائی دیتی ہے۔ دل۔ دماغ۔ ہاضمہ۔ تنفس کوئی بھی فنکشن اطمینان بخش نہیں ہے۔ (سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) Poor lady! ۔

فیضو نواب : ڈاکٹر صاحب...... صاب آخر کیا ہونگا۔ چھوٹے چھوٹے چیاں والی ہے!! آپ کچھ تو کیجئے!

ڈاکٹر شرما : ار۔ کچھ تو کیا میں بہت کچھ کروں گا۔ آپ کے کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔ مگر آپ...... نہ خود خوفزدہ ہوں نہ ہی اس معصوم خاتون کو ڈرائیے۔

بی جان بی : (تھکے ہوئے انداز میں چہرے سے پیشانی اور پیشانی سے بالوں پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) بھیا...... اللہ آپ کو ہزاروں برس کی عمر دے۔ آپکو آپکی آل اولاد کو ابد الآباد تک آباد گل گلزار رکھیں۔ میں نئی ڈر تیوں بھیا...... نئی ڈر تیوں! شکر اور صبر اچ کرتیوں۔

ڈاکٹر شرما : بھائی! ہر سرکاری ہاسپٹل کو خیراتی سمجھنا کم ظرفی ہے۔ سرکار عوامی ٹیکس کا بارھواں حصہ ہر مریض کو سبسڈی دیتی ہے۔ جسے غیر تعلیم یافتہ۔ نودولتیہ طبقات یا موروثی سرمایہ دارنے ”خیراتی سرکاری“ کا لیبل لگا کر بدنام کر رکھا ہے۔ تاکہ خانگی طبی تجارت زوروں پہ چلے چاہے اس کے لئے مریض اور اس کے ورثاء بک ہی کیوں نہ جائیں۔ درحقیقت ان سرکاری دواخانوں میں علاج معالجہ خانگی دواخانوں سے زیادہ مہنگا ہوتا ہے۔ یہاں تقرر شدہ ڈاکٹرز اعلیٰ معیاری ہوتے ہیں کیوں کہ نان میری ٹور ئیس NON MERI-TORIOUS ۔ کو Reject کردیا جاتا ہے۔ سرکاری دواخانوں میں غیر معیاری نقلی دوائیں اس لئے نہیں چل سکتیں کہ مسلسل نگرانی اور جانچ جاری رہتے ہیں۔ ان سب خوبیوں کے علاوہ مریض کو مرض کے مطابق پرہیزی غذا کا انتظام بھی ساری قوم کرتی ہے۔ ان سب باتوں کے پیش ِ نظر۔ میرا مشورہ ہے کہ آپ فی الفور انھیں کورنٹی میں اڈمیٹ کروادیں۔ انشاء اللہ مہینے ڈیڑھ مہینے میں بالکل صحت یاب ہوجائیں گی۔ میرے پاس ”جن رل فیکلٹی صرف ٹن پرسنٹ ہے گائناکولوجیکل کم میٹرنٹی نائنٹی پرسنٹ!! ......(بیگ میں سے لفافہ نکالتے ہوئے) اس کے باوجود میں نے ہفتے بھر میں ان کے سارے ٹسٹس کے رپورٹس تیار کروالئے ہیں (لفافے دیتے ہوئے) رپورٹس کے علاوہ میرا سفارشی خط بھی ہے سی آر یم او کے نام۔ میں بھی دیکھنے آؤں گا۔

لی جان لی : جیو میرے راجا بھیا...... جیو...... ہزاروں بہاراں دیکھو!! اجی دیکھوانوں جو بولتیں ویسا اچ کرو۔ اللہ بادشاہ ہے۔



فیضو نواب کا مکان۔ گھر کا ماحول پھر ایک بار تتر بتر ہے۔ فیضو نواب بیقراری کے ساتھ ہال میں اتھل پتھل کئے جارہے ہیں۔ بچے تمام یا تو کام میں الجھے ہوئے ہیں یا پھر دم بخود ادھر ادھر پڑے ہیں!

فیضو نواب : یگماں۔ یکم بیٹے۔ مہندی تیار ہوگئی؟ اور ہاں! وہ لال جوڑا جو تماری امّو کو بہوت پسند آیا تھا نکالا؟

یکم الف : (کپڑے کا بستہ تھماتے ہوئے) لیجئے سب رکھ دیئے۔ ساتھ میں چوڑیاں۔ مسّی اور عید والی عطر حنا کی شیشی ہم نے اپنی طرف سے رکھ دی۔ امّی کو تاکید کریں روزہ نہ رہیں ہاں

شب قدر ستائیسویں رمضان ہے۔

یکم بے : ہمیشہ بڑے اہتمام سے جاگ کر دعا کرتی ہیں۔

یکم الف : جاگیں...... ہم سب بھی ان کی طرح جاگ کر ان کے اور ہم سب کیلئے دعا کریں گے۔

دوم بے : ابّو...... کیا آپ اپنے دفتر سے میڈیکل ایڈ لون لے کر امّی کا اور زیادہ بہتر علاج نہیں کروا سکتے۔

فیضو نواب : (اِنتہائی انکسار کے ساتھ) بیٹے! کورنٹی حیدر آباد ہی میں نہیں ہندوستان بھر کا مشہور ہاسپٹل ہے عثمانیہ سے زیادہ...... یہاں علاج مایوس مریضوں کا ہوتا ہے جس کا اندازہ عام ڈاکٹرز بھی کر نہیں سکتے۔ دراصل ہماری ذہنیت یہ ہے کہ "مفت کی بریانی کھر چن برابر...... اور محنت کی کھرچن بریانی ناتھ" سمجھتیں۔ یہ غلط اصول ہے۔ تمہاری امّاں کا علاج کورنٹی میں نئی ہوا تو پھر کئیں بھی نئی ہو سکتا۔ (شرمندگی اور عاجزی کے ساتھ) علاج کرائے جیسا دکھنا بول کے خانگی علاج۔ وہ میں نئی کرا سکتا۔ بیٹے۔ چودہ پندرہ آدمیاں کا پیٹ۔ کھانا کپڑا گھر کا کرایہ تعلیم کا خرچہ ہماری دکھ درد تکلیف اوپر سے آنے جانے والے حصے حواصے وغیرہ...... کیا کچھ نئی ہے اتنی ہوش ربا گرانی میں...... بیٹے۔ دفتر سے دوستوں سے یونین سے امداد باہمی سے ہر ہر جگہ سے لون لیتے لیتے میرا بال بال قرض میں جکڑا ہوا ہے۔ یہی اچ مجاہد صاحب نور الدین صاحب قطب الدین صاحب اف نئی بولتے۔ بہت بقایا ہے اُن کا۔

یکم الف، بے دوم الف بے ہفتم : ابّو۔ آپ پریشان مت ہوئے۔ ہم کما کے چکائیں گے سب قرضے۔ جو آپ ہمارے لئے لئے۔

فیضو نواب : جئیو...... جئیو...... ارے تم سب تو میرے بوڑھے ہاتھوں کی لاٹھی ہو، طاقت ہو۔ میرے جینے کی امنگ۔ کہنے کا مقصد یہ ہے اب کوئی پٹھان بھی سودی قرض نہیں دیتا۔ تمارے دادا دادی کی نایاب یادگاریں بھی بک گئیں۔ بس بیٹے...... اللہ کو یاد کرو۔ دعا کرو۔ اللہ ہمارا برا وقت کاٹ دے۔

یکم الف : ابو جانی۔ ہم سب دعا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ امّو کو اور آپ کو ہماری صحت اور عمر دیدے۔

فیضو نواب : (تلملا کر) نہ بیٹا۔ نہ۔ ایسی بد دعا مت دو۔ تم سب کے دماں سے ہمارا دم ہے چھوّ...... تم نہیں نا ہمیں جی کے کیا کرنا اے۔ (روتے ہوئے بچوں کو چمٹا لیتے ہیں) اللہ تم سب کی بلائیں ہم پر اتار دے ...... (آنسو پونچھتے ہوئے) اور ہاں اب پریشانی کی کوئی بات اج نئی ہے۔ تماری امیّ تیزی سے اچھی ہو رہی اے۔ کافی گوری گوری۔ موٹی ہو گئی اے۔ بس۔ آجکل میں ڈسچارج ہو جائیں گے۔

دوم بے : تبھی تو منگوائی ہے مہندی!

یکم بے : مہندی مسیّ اور عطر امیّ کو بہوت پسند ہے۔ ابوّ۔ آپ ساتھ میں ایک چار آنے والا موٹا سا موتیا کا گجرا ضرور لے جانا۔ امیّ نہال ہو جائیں گی۔

یکم الف : (ہاتھ میں توشہ دان تھامے ہوئے) ابوّ۔ اس میں دو نوالے کھچڑی کی کھچڑی ہے پودینہ چٹنی کے ساتھ۔ دوپہر میں بھوکے مت رہئے۔ کھالیجئے

یکم بے : ابوّ جانی۔ ہم سب نے مل کر وعدہ کیا ہے۔ ڈٹ کر محنت کریں گے جم کے جئیں گے۔ چار چار نوالے کم کھایا کریں گے تا کہ غلہّ زیادہ دنوں تک چلے۔

سوم و چہارم : اور ابوّ...... جمعہ کے جمعہ روزہ بھی رہ لیں گے تا کہ ہمارا خرچ آمدنی کے برابر ہو جائے۔ اور گھر بھی جمے......

فیضو نواب : (بے حد کھسیانے پن کے ساتھ) ارے۔ نئی نئی چیو! اپنے ننھے ننھے بچوں سے اتّے بڑے بڑے فیصلے نکّو کرو۔ وقت سے پہلے بزرگ بن کر اپنے مجبور باپ کو اتنا شرمندہ نکّو کرو۔ (سر جھکا کر باہر نکل جاتے ہیں۔ بچے تمام ناچنے لگتے ہیں) "امیّ گھر آنے والی ہے۔ ممّی گھر آنے والی ہے۔ اچھی گھر آنے والی ہے۔ پیاری گھر آنے والی ہے!! امیّ گھر آنے والی ہے۔

رات ہو چکی ہے۔ بچے سب قبلہ رُخ بیٹھے ماں اور باپ کیلئے دعائیں کررہے ہیں۔ چلمن

اٹھا کر ایک لانبی آہ کے ساتھ فیضو نواب اندر داخل ہوتے ہیں ۔ "ارے! چُو! سو جاتا تھا۔ کیوں جاگ رہے ہو؟" (بڑی میٹھی لئے میں گنگنانے لگتے ہیں) ۔

مدّت ہوئی ہے یار کو مہماں کئے ہوئے

حُسن و جمال یار فروزاں کیے ہوئے



فیضو نواب کا گھر۔ بڑی شطرنجیاں اور سفید فرش بچھا ہے ۔ ایک کنارے صاف چادر بچھی کھٹیا پڑی ہے ۔ ہال میں بزرگ ۔ جوان ۔ ادھیڑ ۔ مرد و خواتین بچے اور بچیاں ۔ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھے ہیں ۔ دو تین مرد کھٹیا پر براجمان ہیں ۔ یکم تا ہشتم سارے کے سارے بچّے گھٹنوں میں سر دئے رو رہے ہیں ۔ فضا انتہائی بوجھل اور سوگوار ہے ۔ البتہ ایک چالیس پینتالیس سالہ خوش رو موٹی عورت جو زرق برق لباس میں ملبوس ہے ۔ اِدھر اُدھر کھنگالتی پھر رہی ہے !!

ممانی ماں : (حیرت سے) ائی ۔ بڑی دولن ۔ گھر والے گھر چھوڑ کو مارے غم کے نڈھال پڑئیں ۔ تم گھر کا کونا کھدُرا کھدیڑتے پھر رئیں ۔ ایسا کیا گھر سے اینٹ پتھر چونا چوری ہو گیا؟

بڑی دلہن : جی! ممانی جان ۔ یوں دعوت میں سے اتری نئی کی یہ خبر ملی ۔ جیسی کھڑی تھی ویسی اچ آگئی ۔ اِدھر اُدھر دیکھتیوں کیں چھوٹی دولن کا سادا سیدھا جوڑا مل گیا تو پہن لیوں گی بول کے......

دوم بے : تائی ماں ۔ آپ ہماری امّی کا جوڑا کب پہنا ۔

(سب کی نظریں بڑی دلہن کے لباس خصوصاً سینے پر گڑجاتی ہیں ۔ شفان کی گلابی ساڑی اور شفان ہی کے بلاوز میں سے بائیں سینے پر دھری نوٹوں کی گڈّی صاف نظر آرہی ہے وقفہ ...... فیضو نواب پسینے میں تر بتر پریشان حال آتے ہیں)

فیضو نواب : (دھم سے گاؤ تکیہ پر بیٹھ کر) ممانی جان ۔ کرائے کی سائیکل لے کے گیا تھا ۔ ادارۂ تجہیز و تکفین لاوارثہ گان والے معلّم صاحب کے پاس ۔ پتہ لکھ لئے ۔ بڑی ہمدردی سے فرمائے ...... "بہوت بڑے گھرانے کی بہو بیٹی ہے ۔ آج وقت بُرا ہے فکر مت کیجئے ۔ زمین سے لے کر زم زم تک مکمل انتظام کر دیا جائے گا ۔ افسوس ۔ آج سکندر بھی نہیں ہے ۔ کاش وہ حیدر آباد میں ہوتا تو اتنی مصیبت نہ آتی......"

ممانی ماں : (روتے ہوئے) بہو اب تک نئ آئی۔ آج پہلی بار اسے لانے تو نئ گیا۔ اور آج پہلی بار اسے لانے تیرا بھائی صاحب گیا ہے۔

فیضو نواب : (بپھرے ہوئے طوفان کی مانند) یہ کام تو مجھی کو کرنا تھا۔ اور کون کرپاتا...... ؟ ممانی جان ! اب میں اس کو دیکھ بھی نئ سکوں گا۔ یحماں۔ یکم الف۔ بیٹے ! لاؤ تنخواہ کے ایک سو ساٹھ روپے رکھے تھے نا۔ لا کو دیؤ بیٹے۔ ایمبولینس وغیرہ کے اخراجات۔

یکم الف : جی ابھی لائی ابو جانی......

فیضو نواب : (گویا اپنے آپ سے) ...... چھو ! بھو کرو کوئی فکر۔ کسی بھی بات کی' میرے چھو !! اللہ مالک ہے۔ اللہ بڑا بادشاہ ہے۔ ! لی جانی چین سے چلی جائے۔ دولن بن کے آئی تھی ڈولی میں۔ دولن اچ بن کے جارئی رے ڈولے میں ...... سہاگن کا ڈولا ہے رے۔ جائے۔ چین سے جائے۔ بہت دُکھ جھیلے اُس نے مجھ بد نصیب کے ساتھ۔" (دفعتاً یکم الف کی چیخ سنائی دیتی ہے۔ فیضو نواب دِل پکڑ کر اس کی جانب لپکتے ہیں)

یکم الف : (روتے ہوئے) ابو ...... پیسے یہاں رکھے تھے اس شکر کے مرتبان میں رکھی تھی میں۔ ان پر کھتا گر گیا تھا...... پونچھ کر سکھا کر رکھی تھی۔ اب نہیں ہیں۔ کونہ کونہ دیکھ ڈالی۔

فیضو نواب : (حلق سے چیخ نکل جاتی ہے) کیا بیٹے ...... پیسے نہیں ہیں (حسرت و یاس کے ساتھ) دیکھو بیٹا۔ اِدھر اُدھر دیکھو...... شاید کہیں اور رکھ دیئے ہوں گے۔

یکم الف : ابو پیسے وہیں رکھے تھے ہمیشہ کی طرح...... جیسا گذشتہ تین مہینوں سے میں رکھ رہی ہوں۔

(ممانی ماں فیضو نواب کے کانوں میں کچھ کہتی ہیں۔ دونوں کی نگاہیں ایک ساتھ بڑی دلہن کے سینے پر بائیں طرف گڑ جاتی ہیں جہاں بڑا براؤن دھبہ مہین گلابی شفان میں زیادہ گہرا دکھائی دے رہا ہے۔ فیضو نواب کی نگاہیں جھک جاتی ہیں۔

ممانی ماں : "بڑی دولن ...... یہ سولی کا وقت ہے سولی کا۔ میت گھر کو آرئی اے۔ اگر آپ کے پاس ہے تو کچھ رقم قرض سمجھ کے اچ دے دو...... مرجائیں گے یہ ننھے ننھے بچے بھوکے پیاسے......

بڑی دلہن : (پرس کھول کر دکھاتے ہوئے) ہلا قسم۔ ہلا قسم !! ایک پانچ روپلی ئی ہے میرے پاس۔ سوائے اس روپئے ڈیڑھ روپئے کے۔ (اطراف دوتین عورتیں جمع ہوجاتی ہیں)

ممانی ماں : دیکھو بڑی دولن۔ بڑی آزمائش کا وقت ہے۔ شاید اِدھر اُدھر رکھے ہونگے۔

ایک خاتون : اجی اماں ۔ تماری چھاتی کی بائیں طرف بلاوز میں سے گہرے داغ والے نوٹاں جھانک رئیں.جی!...... دیدیونا......

دوسری خاتون : (توبہ کرتے ہوئے) بھوڑے باوّا ایسے سگّے سودرے۔موتاء کا گھر بھی نئ بخشنے والے۔توبہ ! توبہ! کسی کی جان گئی آپ کی تو بن آئی۔ چھی۔

بڑی دلہن : (سٹ پٹا کر) ائی ماں ! یہ یہ دیکھو ! یہ پیسے میرے نئ ہیں۔ دلہا کو آئی سو سلامی ہے۔ میرا اچ بھتیجہ ہے نا میں اچ وصول کئیوں۔ پورے ایکس سو ساٹھ روپے ہیں اُچھا دیکھ لیو سوب جنے......

بتول بی : (دروازے کے باہر کھنکار کر تھوکتے ہوئے) مٹی پڑ جاوٗ ایسی اچ کر کر کے اُنوں نند کا گھر لوٹ کے اپنا گھر بھرتیس ...... ایک نئ دو نئ پورے انتیس سال ہم اُن کا سوب رنگ دیکھئیں۔اِسی گھر پو سووقت پولیس چڑھی سواچ ہے۔..... آورے آوٗ۔بستی کی بہو کا کام ہے۔ مرگئے سوب اپنے والے۔ ہم تو ہیں۔ ہم کریں گے۔"

(ڈاکٹر شرما کی اسٹاف نرس داخل ہوتی ہے ۔ یکم الف کو قریب کھینچ کر لفافہ پکڑاتی ہے)

نرس : بے بی ! میم صاحب نے تمارے ابّو کو دینے بھیجا ہے۔ لو۔ دیکھ لو۔"

(یکم الف لفافہ کھولتی ہے جس میں سے دو سو رپیہ برآمد ہوتے ہیں ۔ بڑی دلہن للچائی نظروں سے رقم کو تاکتی ہے ۔ دفعتاً شور بلند ہوتا ہے "میت آگئی۔ میت آگئی")

(پھولوں کے گجرے لال جوڑے ہاتھوں کی بھرپور مہندی، چوڑی کا جوڑا ۔ کاجل مسّی کے ساتھ سجی سجائی نعش لاکر فرش پر لٹائی جاتی ہے جو اتنی تروتازہ ہے کہ لگ رہا ہے کہ کوئی نوخیز دلہن سورہی ہو)

(ممانی ماں : (اپنے سینے پر ہتڑ مارکر) اے بیٹے فیضو! یہ میت آئی ہے یا دلہن آئی ہے"۔ محلے کی خواتین۔ "سہاگن ہے اماں...... سہاگن۔ آہ کیا دن ملا۔ شب قدر کا دہا۔" فیضو نواب چادر اُڑھاتے ہوئے)

حجلۂ گور میں سامانِ عروسی ہوں گے
لاش آرام سے سوئے گی سہاگن بن کر

(اندھیرا گہرا ہوجاتا ہے ۔ جلوس جنازہ کی تکبیریں سنائی دیتی ہیں ۔ پڑوس میں ریکارڈ جاری ہوتا ہے ۔ " میرا جیون ساتھی بچھڑ گیا ۔ لو ختم کہانی ہوگئی ۔ لو ختم

کہانی ہوگئی۔")



اندھیرا ہونے میں ابھی کافی دیر ہے۔ لیکن ابر کی وجہ سے فیضو نواب کے گھر کا ماحول زیادہ پُراسرار اور اُداس دکھائی دیتا ہے۔ ہال میں قبلہ رو سفید دستر خوان بچھا ہے جس پر کچھ پکوان ڈھک کر رکھے ہیں۔ عود دان سے عود کے دھوئیں کی لپیٹیں نکل رہی ہیں۔ گھر میں جگہ جگہ اگربتیاں جل رہی ہیں۔ جام کے درختوں میں ہشتم بے چھپا۔ کچّے پھل اور ڈالیاں نوچ نوچ کر نیچے پھینکتے ہوئے تشنّجی حرکات کے ذریعے اپنے غم و غصّے کا اظہار کر رہا ہے۔ نیچے صحن میں بڑی لڑکیاں اور ممانی جان بدحال عاجزی منت بھگدڑ کر رہی ہیں۔)

ممانی جان : آجا باوا ...... آجا ...... نیچے آجا۔ میرا اچھّا نا ...... تُو تو ماں کی قبر پو پھولاں کی چادر بھی چڑھانے نئی گیا۔ سب گئے بیٹا۔ دیکھ گر پڑیں گا ...... غریب باپ بے موت ......

یکم الف : دیکھ ہشتم! وہ لوگ گھر پر نہیں ہیں! کچھ کھو دؤ گیا تو تیرا نام پڑے گا ......

یکم بے : ویسے بھی وہ لوگ تو لڑنے کے بہانے ڈھونڈتے رہتے ہیں تو کیوں ہماری عزت اُتارتا رہتا ہے ......

سوم : دیکھ ہشتم ...... سب لوگ آرہے ہوں گے ......

ممانی جان : باوا ...... باوا ...... کائی کو اپنے باوا کو مرنے پو مجبور کرتائے ...... ؟ اُتر آ ...... آ ...... میرے لعل۔

دوم الف : آج امی کی بیسویں ہے۔ ابو خود پریشان ہیں۔ اب اُن کو اور کیا ......

یکم الف : چلو اُتر آؤ میں تم کو ون رُپی دیتی ہوں۔ آؤ (سوم اور دوم بے دیوار پر چڑھنے کی کوشش کرتی ہیں۔ جس پر ہشتم چھلانگ مار کر کھڑکی کے چھجے پر چڑھ جاتا ہے)۔ ارے ...... کم بخت! گر مریں گا۔ بدذات!

ممانی جان : ارے بے حیا! ذرا تو ڈر۔ دکر ابھی اماں کی لاش باسی بھی ہوئی نئی ہوں گی۔ کفن میلا تک نئی ہوا ہو نگوڑے ...... ارے بے رحم ۔ آج اُسکی بیسویں ہے اور تو ......

دوم الف : (چلاتے ہوئے) وہ نہیں کرے گا تو اور کون کرے گا۔ ماں کا قاتل ...... جو کچھ کرتا ہے کر لینے دو ...... خبیث کو! راجا بیٹا ۔ میرا راجہ بیٹا بلاتے (اوپر اٹھے ہوئے دونوں ہاتھوں میں ٹوٹی ہوئی ڈالیوں کے گچھوں کے ساتھ ہشتم بہ یک لخت ساکن و جامد ہو جاتا ہے۔ لڑکیاں اور ممانی جان رو رو کر بین کرتے ہوئے) ہاء ۔ راجا بیٹا۔ راجا بیٹا بلاتے بلاتے

اِچ سو گئی رے ......

لڑکیاں : امی ! امی ! امی تمنا نئی جانا تھا۔ دیکھو تمھارا راجا بیٹا کیسا کیسا ہماری جاناں نکال رائے !

(دفعتاً ہشتم کی شعلہ صفت دردناک آواز اُبھرتی ہے۔ سب کو جیسے سانپ سونگھ جاتا ہے کھڑکی میں سسٹر صوفیہ اور بتدریج دوسرے لوگ آجاتے ہیں)۔

ہشتم : ماں۔۔۔۔۔ آں۔ آں۔ راجہ تمھیں بلائے !!

راجہ تمھیں بلا۔۔۔ آ۔ آئے ۔ راجہ تمھیں بلائے !!

ماں۔۔۔۔۔ آں۔ آں۔ کیوں روٹھ کر گئی ہو۔

کس دیس جابسی ہو !!

کیوں روٹھ کر گئی ہو۔ بتلا دو ماں پیاری !

تم کو قسم تمھاری ۔ تم کو قسم تمھاری

راجہ نہ اب ستا آ آئے۔ راجہ نہ اب ستائے

ماں۔۔۔۔ آں۔۔۔ آں۔ راجہ پھرے اکیلا

راجہ سے بولو گی نا ؟ راجہ پھرے اکیلا۔

راجہ سے کھیلو گی نا ؟۔۔ راجہ سے کھیلو گی نا ؟

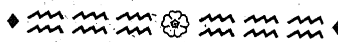
بتلا دو ماں پیاری۔ تم کو قسم تمھاری۔ تم کو قسم تمھاری

راجہ تمہی تک آ ۔ آ ۔ آئے۔

راجہ تمہی تک آئے۔

ماں۔۔۔۔ راجہ تمھیں بلائے۔ راجہ تمھیں بلا ۔۔ آ۔۔۔ آ۔۔۔

ہشتم لڑکھڑانے کے انداز میں جھکورے لینے لگا ہے۔ اچانک سسٹر صوفیہ دونوں ہاتھ ڈال کر اوپر کھینچ لیتی ہیں۔ ہشتم (ب) بے سُدھ گر جاتا ہے۔ مسز شرما چلا کر "بیہوش ہو گیا۔ اِسے تیز بخار ہے۔"



(دوپہر ہے ۔ فیضو نواب کے مکان پر خاموشی اور سنسانی کا راج ہے ۔ ہال کے بیچوں بیچ دسترخوان بچھا ہے ۔ تام چینی کی جملہ تیرہ رکابیاں رکھی ہیں ۔ بڑے سے خاصدان ین تھوڑا سا خشکہ اور تھالے میں چھ چپاتیاں رکھی ہیں ۔ کٹورے میں پتلی دال اور طشتری میں مرچ نمک)

فیضو نواب : (دال میں انگلی ڈال کر چکھتے ہوئے) اونہوں۔ ہشتم بے۔ بیٹا۔ (کٹوری پکڑاتے ہوئے) ذرا اباب میاں کی امّی کے پاس سے ایک کٹوری سالن تو مانگ لا۔

ہشتم بے : ابّو۔ روز روز سالن منگ کے لاتے ہوئے ہم کو بہوت شرم آتی ہے۔

فیضو نواب : بیٹا شرم کائے کی۔ ارے سوب کو معلوم اچ ہے اس گھر میں عورت نئی ہے۔ اب یاں سالن نئی پکتے۔ بچّے پچّوں کا کارخانہ ہے۔ ارے۔ جا۔ اچھا۔ آج چشتی بیگم خالماں کے پاس سے لالے۔

ہشتم بے : آج ایک اچ دن۔ آں ؟

فیضو نواب : اچھا آج تو لالے۔ (بچّہ کٹوری قمیض کے نیچے چھپا کر باہر نکل جاتا ہے ۔ بچّہ باہر نکلتے ہی دروازے پر کسی کی آمد اور آواز : سرکار!!)

فیضو نواب : کون! بتول بی آپا۔

بتول بی : (آدھا دھڑ چلمن کے اندر کرکے ہاتھ سے کٹوری بڑھاتے ہوئے) جی سرکار۔ میں اچ سرکار ادرک پودینہ چٹنی ہے۔ ذرا نمک چکھ لیجئے۔

فیضو نواب : ارے خواہ مخواہ تکلیف کرے آپا۔

بتول بی : ائی واہ...... (اندر آکر دسترخوان پر کٹوری دھرتے ہوئے) تکلیف کیسی سرکار۔ ہم نئی کھائے کٹورے بھر بھر کے۔ ان کے اچار۔ چٹنی۔ مربےّ۔ نہاری۔ قورمہ۔ میٹھے۔ مرغی مچھلی۔ کھا کھا کے دانتاں رنگے گئے سرکار اس دز کا۔

(فیضو نواب کی آہ نکل جاتی ہے سر سہلاتے ہوئے احمقانہ انداز میں "رات گئی سو بات گئی۔ اب بیتی بتیاں کیا یاد کرنا!!" زہرہ بی برآمد ہوتی ہیں)

زہرہ بی : سرکار...... ملاحظہ فرمائیے کھڑی دال سوندھی ہری مرچ والی۔ دولن بیگم چاہ کو کھاتے تھے میرے ہاتھ کی"

ہشتم ب : ابّو...... خالماں بول رئیں۔ آج سالن نئی پکا۔ سوب جنے گڑ کی ڈلی سے روٹی کھالئے۔"

زہرہ بی : ارے واہ! سالن کا ئیکو نئ پچیا؟ بوٹی کلیجی گردہ، میں اچ تیار کرکو دیکو آئیوں گیارہ بجے......"
(فیضو نواب کا سر خجالت سے جھک جاتا ہے)

فیضو نواب : کوئی بات نئ بیٹے۔ یہ دیکھ یہ تیری بتول بی خالہ لائیں۔ کیا مزے کی چٹنی۔
(بچے تالی پیٹ کر) "حیدر آباد کی کٹنی" یہ زہرہ بی خالہ لائیں کھٹری دال دکنی......

ہفتم : "پھینک دے بوٹی چکنی۔"

زہرہ بی : جب میں کام کرتی تھی آپ کے پاس۔ یہ اچ پکاتی تھی۔ امی کو بہوت پسند تھی۔ (سب بچّے) ......واہ۔واہ۔مزہ آگیا۔" (اچانک دس بارہ سالہ لڑکا تھالی میں کٹورہ سنبھالے آتا ہے)

فیضو نواب : ارے باب میاں! آؤ بیٹے آؤ۔ (بچّہ گرم گرم کٹورہ دستر پر رکھتا ہے)

باب میاں : چچا جان۔ سالن ابی ابی دم ہوا۔ گرم ہے انوں گرادینگے بول کے امی میرے ہاتھوں بھیجے۔

فیضو نواب : بیٹے! ابا غصہ تو نئ کئے۔

باب میاں : جی قطعیٔ نئ۔ ان کو ہمیشہ سے معلوم ہے نا۔ آپکے ہمارے گھر میں سالنوں کا ایکسچینج چلتا رہتا ہے۔

فیضو نواب : (سرد آہ بھرکر) ہم ابھی محبت بھری کٹوریوں سے نپٹ رہے تھے کہ آپ کا اتنا بڑا "جواب" آگیا...... زہے نصیب ۔(سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے) جزاک اللہ بیٹے۔ میرے پڑوسی بہن بھائیوں نے سمجھنے کا موقع اچ نئ دیا کہ اب میرا گھر میرا دستر میرا بستر...... سب کچھ اجڑ کو رہ گیا ہے۔ ڈھنڈار ہو کو رہ گیا ہے۔
آندھیاں غم کی یوں چلیں باغ اُجڑ کے رہ گیا۔

بتول بی : زہرہ بی۔ بسم اللہ کیجئے سرکار...... چلئے باب میاں اپن چلیں گے۔"

فیضو نواب : چھ چپاتیوں کے بارہ ٹکڑے کر کے ہر ایک رکابی میں آدھی آدھی روٹی رکھتے ہیں۔ بارہ کے بارہ بچے اپنے اپنے حصے میں سے ایک ایک ٹکڑا توڑ کر باپ کی رکابی میں ڈال دیتے ہیں۔ زور سے "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کہی جاتی ہے۔"



(فیضو نواب کا گھر ہے رفّو کیئے ہوئے پردوں اور چادروں وغیرہ سے شدید معاشی پریشانی کا اظہار ہوتا ہے اس کے باوجود گھر سلیقے سے رکھا گیا ہے۔ بچوں کے جسم پر معمولی بوسیدہ لیکن صاف کپڑا ہے۔ بچوں کے پاس کتابیں کم۔ کاپیاں اور پنسل زیادہ

ہیں ۔ سلیٹ اور بلفم سے بھی مدد لی جارہی ہے ۔ عصر کا وقت ہے ۔ یکم الف اور بے بچوں کو پڑھا رہی ہیں ۔ فیضو نواب کھٹیا پر سلائی کا پٹارا سنبھالے بیٹھے ۔ پھٹے پرانے کپڑوں کی مرمت کررہے ہیں اور ساتھ ساتھ درد و گداز سے گنگنارہے ہیں ۔ " لے کاتب تقدیر ذرا مجھ کو بتادے ۔ کیا میری خطا ہے کیا میں نے کیا ہے !! " کپڑے جھٹک کر کام ختم ہونے کا اعلان کرتے ہوئے کھڑے ہوجاتے ہیں اور لانبی سرد آہ بھرکر)

فیضو نواب : جینے والے "شان امارت اور عزت کے ساتھ جیتے ہیں۔ میں وہ عام مومن مسلمان ہوں جو شانِ غربت اور عزت نفس کے ساتھ جیتا ہے۔"

(دفعتاً دروازہ ڈکھیل کر بھاری بھرکم لباس اور میک اپ میں لتی پھندی ۔ بڑی دلہن ۔ اپنی دو بہنوں اور ممانی جان کے ساتھ داخل ہوجاتی ہے اور خوشگوار انداز میں ۔ " ہؤ ہؤ کیوں نئی ہونا ۔ آپ کی شانِ غربت اورشرافت کی قسم سارا خاندان سارا محلہ کھاتا ہے۔" فیضو نواب بڑی دلہن اور ممانی جان کو سلام کرتے ہیں ۔ بڑی دلہن دونوں خواتین کی جانب اشارہ کرتے ہوئے ۔ " یاد تو ہونگے نا ۔ میری چھوٹی بھاناں ۔ یہ بنارسی بیگم ۔ اتے اِنوں جھانسی بیگم کتے ۔" دونوں فیضو نواب کو سلام کرتی ہیں ۔ سب کو عزت سے بٹھایا جاتا ہے)

بڑی دلہن : (یکم سے) بی بی ...... چائے نئی بناتے ؟ (بچی اٹھتی ہے) دیکھو دودھ شکر کھلے ہاتھوں ڈالنا۔ (یکم الف " جی " ۔ بڑی دلہن اپنی بہنوں سے) یہ اچ ہے۔ چلیں گی نا...... ؟ نئی نکو بولو۔ غریب کی عزت ڈھانپنا ہے۔ (اپنے آپ کو اشارہ کرتے ہوئے) اس چھیتی بہن کی سسرال میں عزت کا سوال ہے۔

بنارسی بیگم : ہے ہے ! انسان کی اولیاد ہے۔ اچھوں سے سوب نبھاتیں بُرے کو نبھانا کمال ہے۔

جھانسی بیگم : ہوجی۔ رانی کے ساتھ راج کوئی بھی کرتا بھکارن سے راج کرنا بڑی بات !!

فیضو نواب : کرایہ پرسوں اچ بھائی صاحب کو پہونچادیوں۔ معلوم ہوا آپ کو !!

ممانی جان : یہ لوگ دوسرا مسئلہ لے لیکو آئیں ...... فیضی میاں !!

(بچی ادب کے ساتھ کشتی میں بسکٹ کھارا اور دودھ اور ملائی سے بنی چار بڑی پیالیاں بھر چائے لاکر سامنے رکھتی ہے ۔ یکم بے پانی کا جگ اور گلاس......)

فیضو نواب : بیٹے۔ تماری تائی مال چائے دودھ ملائی سے بنانے کو بولے تھے۔ اپنا خون ملا دینے تھوڑی بولے تھے!

بڑی دلہن : ائی۔ چھی چھی۔ مٹی پڑ جاؤ: خون ڈال دیتی کیا؟"

فیضو نواب : یہ وہ خون نہیں ہوتا بھائی جان جو عورتاں مردوں کو مٹھو بنانے ڈالتیں۔ یہ خون وہ خون ہوتا ہے جو تاج محل میں لگا تھا۔ یعنی بادشاہ کا پیسہ مزدور کا خون!!

ہفتم : (چلاکر) اسی لئے تو کہتے ہیں "اک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر!
ہم غریبوں کا لہو سینچ لیا، چوس لیا"

(سب کے سب ہنستے ہوئے "اچھا۔ اچھا ایسی بات ہے" بڑی دلہن "مٹی پڑ جاؤ مٹی۔ مئی تو ڈر کو گئی۔". فیضو نواب معنی خیز انداز میں "آپ کا ڈرنا واجب ہے کیوں کہ آپ جانتیں" بڑی دلہن اپنی بہنوں کو کھارا اور بسکٹ دے کر ممانی ماں کے ہاتھ میں چاء تھما دیتی ہیں، چکھ کر ...... "ہو۔ ٹھیک اچ بنائی ہے")

ہارسی بیگم : ہوں گی اٹھارہ بیس میں۔

بڑی دلہن : ہو ہو ہے۔ عمر دکھتی کیا۔ کب کی گزر جاتی اے۔ "میاٹرک کر کو بیٹھی اے۔"

ممانی ماں : فیضو نواب کی شادی کو پندرہ برس، بی جانی کے انتقال کے ہفتے بھر بعد پورے ہوئیں۔ چھ مہینے ہوئے کو آئے۔ اب چی چودہ ختم کرنے کو ہے بی بی۔

جھانسی بیگم : (طراری کے ساتھ) اب عمر اں گن کو تصویر کس کو بنانے کا...... جوان ہوگئے، جوان ہوگئے ہوا...... عورت چی دوکان پو کالڈو۔ بڈا تو بی کھاؤ جوان تو بی کھاؤ...... شرط جیب میں مال ہونا ئے! عمر کو لیکے شہد لگا کو چاٹنا کیا...... ؟

فیضو نواب : آپ لوگاں کیا کیا بول رئیں کیسا کیسا بول رئیں میں سمجھا نئی...... یہ بولو یاد کیسا فرمائے۔

(ممانی جان فیضو نواب کو جام کے پیڑوں کی چھائوں میں لا لیتی ہیں اور دبے دبے الفاظ میں سمجھاتی ہیں) فیضو! دولن بیگم تو چلے گئے۔ گھر گرہستی پو جھاڑو پھر گئی۔ تماری ایک سانس چل رئی اے۔ کل کون دیکھائے۔ یہ لوگاں دوہرے طرف سے شادی کر لینے کو کو دونوں چیاں کے پیاماں لائی ہیں...... آگے پیچھے دیکھا بو جھی کر کو اٹھا دینا اچھا"

فیضو نواب : مگر چیاں تو پڑھ رئیں نا......

ممانی جان : فیضو جانی...... تخ بولکو ہم چلے گیا۔ تخ بولکو دولن بیگم سٹک گئے۔ کل کلاں تمنا کچھ ہو گیا تو پوٹیاں کو کوٹھے چڑھنے سوائے چارہ نئی نا ہونگا۔ اشراف کی عزت چوراستے پو لٹنے سے پہلے محافظ کے گلے بندھ دینا بھلا...... تُمّے قرضاں میں چور چور۔ آمدنی کی امید نئی۔ اس پو سے کاں کاں سے سمیٹ کو شادیاں کر تیئں۔ ''نئی ماموں سے کھٹا ماموں غنیمت''...... (فیضو نواب خاصے متاثر دکھائی دیتے ہیں) ''اوے! قسمتاں کُھل گئے سمجھو۔''

فیضو نواب : میں سکندر بھائی سے مشورہ......

ممانی جان : خاک مشورہ۔ مشورہ کرتے کرتے پھر سے پیاماں اڑ کو جائیں گے۔ انوں کون سے اچھے احوال میں ہیں؟ چار چار بیٹیاں جن لے کو بیٹھیں۔ جتا کمار ئیں اتا کھاپی کو اڑار ئیں۔ انوں تماری کیا مدد کرنا...... تم مختار ہو جیتے جی کچھ کر جاؤ۔ پوٹیاں دعائیاں دینگے۔ بڑے بڑے خاباں دولت والے اج دکھنا اچھا۔ میرے باتاں جم کو گرہ میں بندھ لیو...... !

(فیضو نواب سو فیصد مایوسی اور بے اعتمادی کا شکار ہو جاتے ہیں)

فیضو نواب : (روہانسے ہوکر) تو اب میں کیا کروں۔

ممانی جان : کرتیاں کیا...... پیاماں قبول لیو۔ تائی اج ہے غیر نئی ہے جھوٹے ہاتھ ماریگی تو پیٹ بھر جائیگا!! (فیضو نواب ایک ہارے ہوئے جواری کی مانند آکر کھٹیا پر بیٹھ جاتے ہیں)

فیضو نواب : لڑکے کون ہیں کیا ہیں کیا کرتے ہیں آمدنی کیا ہے؟

بنارسی بیگم : (دبدبے کے ساتھ) لڑکا پڑھا لکھا ہے۔ گورنمنٹ آفیسر ہے۔ اچھی یافت ہے۔ انگریزی کوَیلو کا ذاتی مکان ہے ساٹھ گز پو۔ بیوی بھوکی پیاسی نئی رہنگی نہ چندی دھجی کو ترسیں گی۔

جھانسی بیگم : دوہرے طرف سے کرنے کو راضی خوشی تیار ہیں۔ بس پہلی بیوی کا انتقال ہو گیا، چار چھوٹے چھوٹے چیاں ہیں۔ (ہاتھ سے بالشت بھر کا اشارہ کرتے ہوئے)

فیضو نواب : کیا عمر ہو نگی...... کیا پوسٹ ہے کیا آمدنی!!

جھانسی بیگم : ہو نگا یہ چی سے چار چھ برس بڑا...... بچے چھوٹے چھوٹے ہیں نا۔

ممانی ماں : نئی یہ غلط ہے۔ آں ہو نگا تیس بتیس برس کا ضرور۔

بناری بیگم : ہوَ۔ اتا اچ ہونا ضرور ہے کون نو مولود کو جوڑا لگانا ہو تائے؟''

فیضو نواب : مئی کب بول روَں میرے چیاں کو دلیپ کمار اچ ہونے کا۔ مگر کچرا کوڑا ہما کو تو کچرے کی

کنڈی میں نئی ڈال سکتئوں......!!

بڑی دلہن : ہمیں کچرے کی کونڈیاں دکھ رئیں بھائی......واہ وا واہ۔ ہم آپ کو کبھی دشمن نئی سمجھے۔ ہمیشہ آپ کے بھلے میں رہے۔ آپ اچ ہمنا دشمن جانے۔ آپ کے بھائی جان تو خود اچ بولے "اللہ نیک توفیق دیا انوں مان لئے تو، عقد کا اجرانہ اور پچیس افراد کی چائے پانی مئی دیوں گا۔"

ہمارسی : (سرہلاتے ہوئے) معمولی بات نئی ہے یہ زمانا تو وہ زمانا ہے جب خود کھا کو کچھ بچے تو اولیاد کو کھلانا نئی تو بولنا یا شیخ اپنی دیکھ!

جھانسی بیگم : (مسلسل توبہ تکرار کے ساتھ) دل ہونا تو بھئی جان کا دل ہونا۔

دوم بے : (پکار کر) گیار روپئے اجرانہ۔ تین روپے چار آنے پچیس پیالی چائے جملہ چودہ روپے چار آنے تائے باخرچیں گے اور بھتیجی کی شادی کروانے کا جھنڈا ابو کے سینے پو گاڑینگے۔

ہمارسی بیگم : وئے۔ وئے۔ وئے وئے!! (ہاتھ نچا کر) بی بی بیس پچیس برساں نکال لینے سے۔ اے بی سی ڈی چار حروف چاٹ لینے سے بزرگوں کی اماں نئی بن جاتے...... ان بھئیاں ہیں۔ شرم رکھو۔ مواں بتو کھولو۔

بڑی دلہن : ہمیں بولے۔ ہم کو آل نہ اولاد۔ دیور کے گھر فصل کھڑی ہے۔ وقت پے فصل اتر گئی تو ذمہ داریوں کی گٹھری ہلکی ہونگی تو زندگی کا سفر اُتا آسان!! کل کیا ہوتائے کی۔

ممانی جان : بھئی...... آپ لوگاں بھی تو اپنے بزرگاں کو دیکھ لیو۔ سوب باتاں چھوڑ کو کام کی بات کرو۔

فیفو نواب : جی! کوالیفیکشن کیا ہیں۔ پوسٹ کیا ہے۔

جھانسی بیگم : (ناک اور چہرے کا دائرہ بناتا ہوا بایاں ہاتھ سرکی طرف لیجاکر) ایچ ایچ سی ہے (اُوس کو کھینچتے ہوئے)۔ اُوس زمانے کا............ لڑکا!"

ہمارسی بیگم : جنگلات میں بہوت بڑا عہدیدار ہے۔

فیفو نواب : "آخر...... ؟"

بڑی دلہن : (فخر سے) فارسٹ اٹنڈر......

فیفو نواب : (حیرت سے) فارسٹ اٹنڈر......واچ میاں!!

بڑی دلہن : ہو بھئی ہو۔ بولے تو سرٹی فیکٹ لا دیتیں۔ گومیٹ سرونٹ۔ دونوں طرف اپنا پلہ بھاری جیتے تک تنخواہ مرے تو پنشن۔ بالائی آمدنی اور چکنائی بہوت ہے۔ مہینے کے تیس دناں۔ مرغی انڈے دودھ گھی شہد۔ بکریاں ہرناں کا گوش۔ لکڑی میوہ پھل لاتے اچ رہتیں۔

فیضو نواب : عمر کیا ہے اب ؟

بڑی دلہن : (بلی جیسی مسکین میائوں مین) بچّے کی تو کچھ اُمراچ نئی ہے۔ اتا سا تھا زبردستی شادی کردیئے۔ تیرہ برس میں توباپ بنا۔ کھیلتے کودتے چار بچے ہو گئے۔

ہفتم : بسم اللہ کا دولہا نوکری پو چڑھا۔ ''یاھو'' ......

بڑی دلہن : (کُڑکُڑاتے ہوئے) تلوار ٹٹی خنجر بنا۔ خنجر ٹٹا نشتر بنا۔ غارت ہو جاؤ زباناں۔

ممانی ماں : بچّے کیا اُمراں کے ہیں ؟

بنارسی بیگم : (ہاتھوں سے سائز بتاتے ہوئے) ائی۔ چھُٹے چھُٹے اچ ہیں۔

جھانسی بیگم : بڑی پانچویں میاں۔ نِچے والیاں دونوں چوتھی میاں۔ چہ صغیر میں اب داخل ہوائے۔

ممانی جان : (فیضو نواب کے قریب جاکر) ''گھر کے اندر کی بات ہے۔ سب سے بڑی بات ساس سسرے نندان دیوراں کا لن جھاڑا نئی اچ ہے۔ کبھی کوئی اونچ نیچ ہوئی تو کل گلا پکڑ کو پوچھ سکتیں...... تو ہاں کردے!

فیضو نواب : ہاں کیسا کروں ۔ میاٹرک ہے عمر بھی تیس بتیس تو ہونگی اچ۔ میرے چچیاں چودھویں میں اُنے چار چار بچیاں کا باپ!!

ممانی جان : ارے فیضی! عورت بچی کا کیا۔ اِدر سیج پو سوئی نئی سوئی کی عورت اچ دِکھنے لگتی اے۔ ملازم سرکاراں سے ملینگا۔ جیاتک تنخواہ کھائی مراتو وظیفہ! مئی نئی کھاریوں چالیس برسا ب سے ؟ (وقفہ) گھر بیٹھے گھر پو نعیامت کھٹکادے ری اے۔ انکار نکّو کرو۔!!

فیضو نواب : مجھے وقت ہونا۔ مئی سوچ کے مشورہ کرکے جواب دیتوں!

ممانی جان : (کچرا ہٹائو والے اشارے کے ساتھ) کیا تے ...... کیا تماری سِوچ ۔ ہاں کردیو۔ سات سات بیٹیاں بٹھا لیکو کیا اچار ڈالتئیں۔

بڑی دلہن : (پکار کر) ممانی بھانجے سب باتاں وان اچ ختم کرلینگے ...... ؟ بولو میاں کیا سوچ لئے کتے۔

فیضو نواب : (سمجھوتہ بطور) آپ لوگ بڑے بزرگ تیار ہیں تو مجھے کیا انکار ہے!!''

بنارسی بیگم : بسم اللہ بولو۔ بسم اللہ بولو۔ مبارک ہو۔

جھانسی بیگم : تو چلو۔ مئی میرے جیٹھ کے سالے کی بات چھیڑتیوں!! کیم بے کی بات چلائینگے۔ ہو جاتی دونوں جڑوان بھانوں کی شادی ایک اچ وقت ایک اچ دن۔

فیضو نواب : وہ کون صاحب ہیں۔

جھانسی بیگم : (حقارت والے اندازمیں) ارے لئیو۔ چراغ تلے اندھیرا ۔ اتے مشہور زمیندار کو دنیا جانتی۔ انوں اچ نئی جانتے۔ وہ جی "پیر سید احمد صاحب چشتی قادری نورانی پیرزادہ۔ درگاہ نور کے متولی۔ خلیفہ!! ان کے سالے۔ نوسو ایکڑتری کے مالک......

ہماری بیگم : ادے باوا ہفتم۔ ہفتم (ہفتم کتابوں پر سے سر اٹھا کر متوجہ ہوتا ہے) ادے بایاں نکڑ پے ماتادین کی دکان کے بازو نرسما تائی کے یان بھائی سید آمد بیٹھئیں۔ زنانے کے لوگ بلارئیں کنا۔ (ممانی جان کی جانب مونہہ کرکے) اجازت ہے ؟

ممانی جان : ہوں...... ہوتا سو کام ہوا چ جانے دیئو۔ بھلائی کے کاج میں دیری کائکو ؟ (ہفتم دادی ماں کا مونہہ تک رہا ہے)...... جاباوا جابلالے۔ سید آمد صاحب کو۔

بڑی دلہن : ادے...... سن باوا۔ یہ لے چار آنے۔ ذرا ماتادین کے ہاں سے مصری لالے۔

ممانی جان : جاؤ بیٹے۔ جو بولے سو سنو! آخر تماری تائی اچ ہیں۔

(فیضو نواب کی نظر کمرے کے کونے پر پڑتی ہے جہاں یکم الف بے اور دوم بے ایک دوسرے سے چمٹ کر سہمی کھڑی رو رہی ہیں ۔ فیضو نواب جھپٹ کر اندر جاتے ہیں ۔ بچیاں ناراضی کا اظہار کرتی ہیں ۔)

فیضو نواب : یکماں۔ بیٹے الف بیٹے بے۔ دوم

دوم بے : جاؤ ابو جانی جاؤ...... بڑے بے وفا نکلے آپ۔ وہ عورت ڈاکوؤں کی طرح آکر آپ کا گھر لوٹ لینا چاہ رہی ہے۔ اور آپ خود اس کو راستہ دے رہے ہیں۔

یکم بے : سچ بولے چنو خالہ "ماں مری اور باپ پرایا" ابھی چھ مہینے بھی نئی ہوئے اور آپ۔

یکم الف : ہم کو بے گھر کرنے کی تیاری کررئیں۔ ابو...... ہم پڑھ لکھ کر آپ کے پرکھوں کی کھوئی ہوئی عزت واپس لانا چاہتے ہیں۔ (تینوں ایک ساتھ) "ہمیں موقعہ تو دو۔ "دیکھو تو ہم کرتے کیا ہیں۔"

فیضو نواب : (حسرت و یاس کے ساتھ) چھو......پاؤں تلے زمین رہینگی تو آگے پیچھے دائیں بائیں پاؤں پھیلائینگے۔ چلیں گے کودیں گے ناچیں گے ۔ زمین اچ' سرک گئی تو کس کے زور پے ناچیں گے ؟ بیٹے پھٹ سے تماری اماں مرگئے۔ ڈاکٹراں تک نہ مرنے کا بول سکے نہ مرتے بولے۔ صبح چار بجے زندہ تھے فجر پڑھ کر سوئے تو قیامت کی اچ نیند سوگئے۔ (بڑی دلہن

آکر دروازے پر کھڑی ہوجاتی ہیں) میں بھی قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں دیکھتے دیکھتے گزر جاتوں۔ میں پھٹ سے ختم ہوگیا تو بھکاری گھر بھیک نئی ملیں گی تمنا...... جو ہورا ہے سو ہو جانے دو بیٹے۔ اپنی اماں کی صورت دیکھو۔

بڑی دلہن : (پکارکر) تمارے گھر اں بس کو جائینگے تو ان باقی کے پوٹاٹیں کی فاوج کو سر چھپانے سہارا مل جائینگا۔ پانچ ادھر پانچ ادھر۔ کیسا بھی گنجی پی کے جی جائینگے۔

ہنارسی بیگم : (قریب آکر) سچی اچ بات ہے۔ پانچ پانچ بچے۔ آجکل خود جننے والے نئی پالتے۔ مگر تماری خوشی کی خاطر تمارے دولیاں برداشت کرلیں گیاں۔

ممانی جان : (فلسفیانہ سر ہلاکر) ہو جی...... بہوت بڑا آسرا ہوتائے بڑے "بھو نئی" کا

بڑی دلہن : اب تم اچ لوگاں دیکھ لیو۔ یہی تمارے تائے با میرے گیارہ بھانوں کے پورے لوازمات کے ساتھ شادیاں کر کو دیئے۔ جنائیاں کرائے۔ عقیقے کرائے۔ بسم اللہ کرائے۔ کیا کیا اچ نئی کرائے ؟!!

ہنارسی بیگم : پھر بھائیاں کو دوکاناں لگا کو انواج دیئے۔ ہمارے مردان کو وقت بے وقت ساتھ داری بھی دیئے

جھانسی بیگم : ہوُجی ہوَ...... سچی بات بولنے اللہ کا ڈر نئی تو بندے کا ڈر کیسا۔

ممانی جان : ایک اپنی اچ کمائی نئی۔ بچاری بھان کی کمی بھی سمیٹ کے سسرے کا گھر بھریں۔

ہنارسی بیگم : ہوُ کرنا اچ پڑتا سوب۔ جوروں کو خوش رکھنا ہے تو۔

بڑی دلہن : (ہفتم کے ہاتھ سے مصری کی پڑیا لیکر) کرے ممانی جان کرے ہم ویسے رہے بول کے اِچ کرے۔ یہ لوگاں بھی ویساچ رہے تو یہ لوگاں بھی کرتئیں۔

ہنارسی بیگم : نئی جی۔ اچھے بچیاں ہیں۔ ناند کو باپ کا نام روشن کرینگے۔

فیضو نواب : (بڑی دلہن سے مخاطب ہوکر) آپ کے سامنے پیدا ہوئے یہ لوگاں۔ آپ کے سامنے پلے بڑھے۔ یہ تیرہ چودہ کے بچیاں کیا گھر گرہستیاں سنبھالیں گے۔ وہ بھی خود مختار گرہستیاں اور بال بچے۔

بڑی بہو : وہ تم ہم پے چھوڑ دیو۔ نندانا ہمارا کام ہے۔

فیضو نواب : کل کے دن شکایت نہ ہو۔

جھانسی بیگم : شکایتاں !! ہمارے یاں بھواں کی شکایتاں کا موقعہ اچ نئی آتا۔

ہنارسی بیگم : اب تک تو آیا نئی۔

ممانی جان : اجی اماں جیتے رہتے تو شکایت کرتے ناں۔ مر کواچ گئے تو کیا کرتے...... ؟

بڑی بہو : وہ ان کی قسمت ممانی جان!

آواز : جناب عالی نواب صاحب قبلہ......

فیضو نواب : (بڑی سعادتمندی سے لپک کر) آیئے جناب سید احمد صاحب قبلہ ۔ (سب عورتیں لپک کر جاتی ہیں ۔ ممانی جان کمرے میں پردے کے پیچھے سے ذرا سا جھانکتے ہوئے کارروائی میں ہاتھ بٹارہی ہیں) سید احمد صاحب زور دار ''السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ہر ایک حاضر و غائب کی خدمت میں سلام...... چنگھاڑ کر ''اللہ ہو اکبر'' کہتے ہوئے گاؤ تکیے سے پیٹھ لگاکر بیٹھ جاتے ہیں)

فیضو نواب : صاحب آپ مجھے نئ پہچانے۔ آپ کا اج ماتحت ہوں۔

سید احمد صاحب : (غیر معمولی تنوع کے ساتھ) پہچانا اور خوب پہچانا۔ اللہ ہو اکبر۔ نواب سید خود دار خان پراگندہ صاحب عرف فیضی نواب عرف صائب پاشا قبلہ۔

فیضو نواب : (ادباً سلام بجالاتے ہیں) اور ہم ہیں الحاج سید احمد صاحب قادری چشتی نظامی وغیرہ وغیرہ خلیفہ و متولی پیر نورانی شاہ دگاہ نور والے (چنگھاڑ کر) اللہ ہو اکبر۔ (موصوف کی ہر ہر چنگھاڑ پر خواتین اور بچے لرز کر رہ جاتے ہیں) بیٹھو ....(اس انداز میں کہتے ہیں گویا سات گائوں جاگیر میں لکھ دئیے ہوں) اجی محترمہ ممانی جان کہاں ہیں......

ہماری بیگم : جی بھائی جان۔ اندر پردے میں......

سید احمد صاحب : (چنگھاڑ کر) اللہ اکبر۔ پردہ ؟ کائیکا پردہ۔ اللہ والوں سے کائیکا پردہ ماں.....پردہ اس سے جس سے ہر چیز کا پردہ ہے۔ (چنگھاڑ کر) اللہ ہو اکبر...... ہمارے آگے ہر شئے۔ یہاں تک کہ لوح کائینات بھی بے حجاب ہے۔

ہماری بیگم : آیئے۔ ممانی جان۔ آ کو بیٹھئے۔

ممانی جان : (آدھی جھانکتی ہوئی) ہوا اماں معاف کرو۔ مئی اسی برساں کی بڈھی ایسی اچ گزر گئی گزر جانے دیئو۔

سید احمد صاحب : (زبردست دھماکہ خیز چنگھاڑ کے ساتھ) اللہ ہو اکبر...... پراگندہ صاحب......

آپکی تقدیر بننے کا وقت سر پر آپہونچا......

فیضو نواب : سرکار! مئی تو قبر میں پاؤان لٹکائے بیٹھا ہوؤں۔ اب میری تقدیر کیا بنئں گی۔

سیداحمد صاحب : عاشق کے لئے معشوق کا وصال بھی تو تقدیر کا بن جانا ہے ؟! (چنگھاڑ کر) اللہ ہو اکبر......

فیضو نواب : جی جناب...... مئی تیار ہوں!! اللھم لبیک......

سیداحمد : (جیسے کسی انتہائی حقیر شخص سے مخاطب ہوں) ہم لڑکیاں دیکھنا چاہتے ہیں۔

(فیضو نواب دونوں بچیوں کو سر پر دوپٹہ ٹھیك کرکے لاکے سامنے بیٹھا دیتے ہیں۔ زبردست دھماکه خیز چنگھاڑ کے ساتھ) ہونہہ...... اللہ اکبر۔ دونوں بچیاں تیورا کر ایك دوسرے پر گِرجانی ہیں اور پھر سنبھل کر بیٹھ جاتی ہیں۔ بنارسی بیگم دوپٹے برابر کرتی ہیں)

بنارسی بیگم : (الف کی جانب اشارہ کرکے) اسے آپا آفتاب بھائی کے لئے چنئے!!

سیداحمد : (چنگھاڑ کر) سبحان اللہ۔ سبحان اللہ۔ مبارک (جام کے درختوں کے پیچھے سے چار آنکھیں جھانک رہی ہیں)

بنارسی بیگم : اور یہ محترمہ آپ کے سالے صاحب یعنی سردار بھائی کے لئے۔

سیداحمد : (فیضو نواب سے مخاطب ہوکر) چھٔ ہے۔ کیسا ہے کیا بتاؤں۔ ملائی کا لڈّو ہے۔ ملائی لڈّو...... عمر کیا ہے کیا بتاؤں ابی داڑھی مونچھ نہیں پُھٹی۔ کیا کرتائے کیا بتاؤں...... اماں کا اکلوتا بیٹا ہے۔ لنڈورا شادی کا ئیمزبانی کا۔ نو سوا ایکڑ تری کا مالک۔ گاوان تو گاوان شہر میں ذاتی گھران ہیں۔ ایک شہر ہے ایک شہر!! ہمیں دوہرے طرف سے کرلیتئیں۔ الٹا مہر میں دس ایکڑ تری بمع مکان لکھوادیتیں............ قبول ؟!

فیضو نواب : صاب آپ مالک ہیں

سیداحمد : (سب سے زیادہ مست چنگھاڑ کے ساتھ) اللہ ہو اکبر...... لا بنارسی مصری کی ڈلی (دونوں بچیوں کے مونہہ میں مصری کے ٹکڑے ڈاال کر فیضو نواب کا ہاتھ دبوچتے ہوئے)" ...... اب یہ بچیاں ہمارے۔ صرف ہمارے ہوگئے ؟ پکّا" (دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ جاری ہوتا ہے " میری کہانی بھولنے والے تیرا جہاں آباد رہے)

فیضو نواب : جی پیر و مرشد.........(سب ایک دوسرے کو مبارک سلامت کہتے ہیں)

سید احمد : اب ہم تاریخ کی اطلاع دے کر سید ھابارات لے کے آئینگے جناب۔ ایک ساتھ ہم اور ہمارسی دلہن کی بہن۔ ہاں...... چلتے ہیں۔ خدا حافظ (غیر معمولی تباہ کن چنگھاڑ کے ساتھ) اللہ ہو اکبر......

قفس میں مجھ سے رُودادِ چمن کہتے نہ ڈر ہمدم !

گری ہے جس پہ کل بجلی وہ میرا آشیاں کیوں ہو ؟ ؟ (پس منظر میں نوخیز لڑکوں '

لڑکیوں کی دردناک چیخوں' آہوں' کوئل کی مسلسل کوک اور بلبل کی تلتلاتی چہچہاہٹ کا ملا جلا شور ماتم بپا ہے)

(سوائے ممانی جان کے سب باہر نکل جاتے ہیں . ممانی جان گاؤ تکیے پر اور فیضو نواب کھٹیا پر راحت کی سانس لیکر بیٹھ جاتے ہیں . ساری بچیاں کمرے میں دکھائی دے رہی ہیں . دونوں لڑکیاں کونے میں دبکی بیٹھی رو رہی ہیں . باقی ساری گم سم کھڑی ہیں . جیسے سب کو گھر نکالے کے احکامات مل گئے ہوں)

فیضو نواب : (جیسے کوئی مسافر پابہ رکاب ہوکر) "اک ترے نہ ہونے سے کیا کیا ستم ہوئے !! ہاں...... چلو جو بھی ہوا اچھا ہی ہوا۔ بھائی کے سالے کا پیام تو پاس ولحاظ کی بات ہے۔ لیکن میں سید احمد صاحب والے پیام سے بہت خوش ہوا ہوں۔ ان کو سارا دفتر "زندہ ولی" مانتا ہے۔ بڑے متقی پرہیز گار اور نیک ہیں۔

ممانی جان : چار دن میں تمارے سمدھی بن جائینگے تمارے عہدیدار...... تماری ترقی بھی کروا سکتئیں۔

فیضو نواب : (آہ کے ساتھ) کون جیتا ہے اِسی زلف کے سر ہونے تک...... چلو...... بڑی بے فکری ہوگئی ممانی جان۔ اب گھوڑے بیچ کر سو جاؤں گا۔ بہوت تھک گیا ہوں......

ممانی جان : ان چھیوں کی رخصتی کے فوراًبعد...... تو نکاح کرلے !!(فیضو نواب ایسے اُچھل پڑتے ہیں جیسے بچھو نے ڈنک ماردی ہو. سٹپٹا کر اٹھ بیٹھتے ہیں)

فیضو نواب : (حسرت ناک ہنسی کے ساتھ) جی ! یہ آپ کیا فرمارئیں ممانی جان ؟

نہ چھیڑ اے نکہت بادِ بہاری رَہ لگ اپنی تجھے اٹھکیلیاں سوجھی ہیں یاں ہیزار بیٹھے ہیں

ممانی جان : ہوٗ باوا...... نکاح کرلے۔ بیویاں مرتے اچ ہیں۔ گرہستی ٹھپ ہو کو رہ جاتی ہے۔ بال بچے بے سہارا ہو جاتیں۔ مرد دوبارہ گھر بساتا ہے۔ زندگی جوں توں گھسٹنے لگتی ہے۔ چلتی کا نام گاڑی۔ مایوسی کے مارے مرگئے تو سب اِچ مرمٹ کو جاتیاں۔

فیضو نواب : (دونوں گٹھنوں پر ہاتھ اور دونوں ہاتھوں پر سر جھکا کر رکھے بیٹھ جاتے ہیں) عجانی کی ناوقت موت نے سارے منصوبے چکنا چور کردیئے۔ اپنے والے اچ بڑی محبت اور عقیدت کے ساتھ گلے کاٹنے کو چھریاں تیز کرر ئیں ...... (تلتلا کر جوش کے ساتھ) ارے کیسا ان بارہ بن ماں کے بچوں کی گردنوں کو چھری تلے رکھ ڈالوں ؟ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ہوں نہیں۔ ایک ادنیٰ اُمتی فیضو ہوں...... فیضو !!

ممانی جان : (قریب آکر پیٹھ تھپکتے ہوئے) ائی۔ ائی۔ اتا جوش اتا جوش ...... ارے ہوش بھی ہے تیرے پاس ...... کیا ان بھصّی لڑکے کی طرح پُھدک ریائے !!

فیضو نواب : تم کالے چونڈے والیوں کی زبان ہے نا کی تار پے لٹکی پتنگ۔ ذرا ہوا چلی ہلا۔ جدھر ہوا چلی گیا...... ابھی ابی تو تمے لوگاں میرے مرنے کی باتاں کرر ئے تھے اب شادی کرلیئو بولتے ...... خود رنڈوا ہو کے بیٹھوں...... بال بال قرضوں میں بندھا ہے۔ بال بچیاں کو ایک وقت کا پیٹ بھر کھانا کھلا نئی سکتوں تو جی کرتا ائے اپنے جسم کی بوٹیاں نوچ نوچ کے ان کے پیٹ کا دوزخ ٹھنڈا کروں۔ ایسے وقت ایک اور کر کے لا کو رانڈ بنا کے دعا لیتا جاؤں ؟ اُنے پنشن بھی پیسہ بھی لے لیکے "اڑن چھو ہو جائینگی۔ پوٹا ٹین بھیک کا چپہّ لے لیکو......

ممانی جان : ائی ...... مرچی لگو تیری جیب میں۔ مر بولے تو کیا مراچ جاتیں !! بات کریا نئی کریا تو بولیا اماں مروا با مرو ؟

فیضو نواب : (فلسفیانہ سنجیدگی کے ساتھ) آپ لوگاں تو خیر اب بول رئیں۔ مئی زمانے سے تیار بیٹھوں ٹکٹ کٹا کو ...... (گہری ڈوبتی آواز میں) جانے سے چند دِن پہلے عجانی خواب دیکھتی تھی ہم اسے بلا کے لے جار ہائے۔ مئی کئے دنوں سے دیکھ روں ...... عجانی دلہن بن کے بیٹھی اے۔ بار بار پوچھتی اے۔ اتنی دیر کائیکو کر دیئے جی ...... کب کے گئے کب آتیں !! (وقفہ) منجے جانا ہے سو جانا اِچ ہے۔

ممانی جان : (ٹپ ٹپ گرتے آنسو پونچھتے) تمے چلے جائینگے تو مجھ لاولد بیوہ رانڈ پو مٹی کون ڈالینگا ؟ منجے بٹھا کو تمے جانا ؟ میرا گودوں کھیلا پوتا ہو کو۔ بکو کرو میاں مایوسی کے باتاں۔ اِتے

بڑے شاعر تھے دکن کے حضرت امجد حیدر آبادی تمارے دادا جان کے گہرے دوست۔ غریب آدمی تھے۔ ۱۹۰۸ء کی طغیانی میں ان کی آنکھوں کے سامنے اماں بہن جورو بیٹی بہہ کو چلے گئے۔ لاشاں تک نہ ملے۔ پاگلوں ناتھ ہوگئے تھے۔ رب کی رضا پر راضی ہوئے۔ مقدر کی قضا پے شاکر ہوئے۔ دوبارہ اجڑا گھر بسایا...... عزت سے کاٹ لی زندگی! خود بھی چین سے جئے دوسروں کو بھی چین سے جینے دیئے!!"

فیضو نواب : میں پوچھتوں۔ آپ بیوہ ہوئے تو عمر صرف بائیس برس کی تھی کڑیل جوان تھے۔ اپے کیوں رنڈاپا کاٹے کیوں نئی کئے عقدِ ثانی...... حرام تھوڑی تھا؟

ممانی جان : (آگ بگولا ہوکر) اب مئی کچھ بولوں گی تو تمنا مرچی لگ جائینگی۔ تمارا سسٹم میرا سسرال...... پورے کے پورے قلندران قبراں والے۔ عورت کا عقدِ ثانی حرام۔ عورت کی طلاق حرام۔ عورت کا خلع حرام...... عورت کا کھانا، پینا، پہننا، اوڑھنا سوب حرام اچ حرام...... کون سا دین پوچھے وہ لوگاں! نام مسلمانی اطوار کفرانی!!

فیضو نواب : "مئی خُد کھڑا ہوکو مئی عقد کرواؤں گا آپ کا۔ اب کوئی ضعیف شخص آپ سے عقد کرنے رضامند ہوگیا تو کرلیتے؟"

ممانی جان : (لانبی چیخ مارکر) ستیاناس........... مرُدار بختی کے۔ تو میرا اَخد کراتا کتے؟ جنم جلے تیرے مونہہ میں خاک۔ مئی اسی برس کی بڈھی کھوسٹ...... اڈے اِس اُمر میں نکاح مار لینا۔ ادے مئی۔ مئی؟ اُدے ہفتم...... باوا۔ دوڑ کو جا (چادر وغیرہ سنبھالتے ہوئے) ذرا منجے رکشالا کو دے...... مئی نئی ٹکنے کی یاں۔ اُڈے اتی بڑی گالی اپنے گھر پو بٹھا کو دیدیا منجے۔ تیری صورت جلو (پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی ہے۔ ریکارڈ جاری ہوتا ہے) کچھ گائے جا لہرائے جا بل کھائے جا آجاپیا۔ آجاپیا۔ ابھی تو میں جوان ہوں۔ ابھی تو میں......



(فیضو نواب کا گھر کافی صاف ستھرا ہے۔ فرش پر نئی شطرنجی پر نئی چاندنی بچھی ہوئی ہے۔ نیا غلاف چڑھا گاؤ تکیہ رکھا ہے۔ ۱۰۰ واٹ کا اکسٹرا بلب جل رہا ہے۔ گھر جگمگا رہا ہے۔ لڑکے ادب و اطاعت کے ساتھ دیوار سے لگے بیٹھے سکول ورک کررہے ہیں۔ یکم الف اور بے پنجرے کی مقید چڑیوں کی مانند کمرے میں دبکی نڈھال بیٹھی ہیں۔ باقی

لڑکیاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے سست بیٹھی وہیں سے باپ کو شکایتاً تاک رہی ہیں - فیضو نواب کے حرکات ایسے ہیں جیسے سر سے کفن باندھے جنازے کے انتظار میں ذمہ داریوں سے جلد از جلد نپٹ رہے ہوں)

سید احمد : (زبردست چنگھاڑ) اللہ ھو اکبر...... جناب سید خوددار خاں پراگندہ صاحب! السلام و علیکم۔

فیضو نواب : (لپک کر چلمن اٹھاتے ہوئے) آداب سرکار...... تشریف لایئے۔ آیئے آپ سب آیئے۔ (سید احمد کے پیچھے بناری بیگم، جھانسی بیگم، بڑی دلہن اور دو افراد۔ اندر داخل ہوجاتے ہیں)

فیضو نواب : (خندہ پیشانی کے ساتھ) آیئے۔ تشریف رکھئے۔ (سب کے سب بیٹھ جاتے ہیں) ارے...... ممانی جان کو نہیں لائے ہیں۔؟ آخر بزرگ ہیں اس خاندان کی......

بڑی دلہن : نہ جانے کائی کو بہوت اچ ناراض ہیں آپ سے۔ آنے کو انکار کردیئے۔

فیضو نواب : (سراسیمہ ہوکر) غالباً کچھ گستاخی ہوگئی ہونگی مجھ سے......

سید احمد : (اپنی روایتی چنگھاڑ کے ساتھ) اللہ ہو اکبر...... غلطی کا احساس کرلینا بھی مومن ہونے کی علامت ہے۔ ویسا بھی آج ذری سی رسمی گفتگو کے لئے آگئے ہیں ہم لوگ۔

فیضو نواب : (دوم الف اور بے کو اشارہ دیتے ہیں، دونوں دور سے ہی انگوٹھا بتادیتی ہیں۔ فیضو نواب گھور کر دیکھنے کے بعد) ہفتم...... بیٹا ہفتم (ہفتم قریب آتے ہی جیب سے تین روپئیے نکال کر دیتے ہوئے) بیٹا...... ذرا گنگارام کے ہاں سے سیر بھر تازہ کیسری دودھ پیڑے تو لا لینا۔ آں...... جا کو بولو۔ تازہ دیو اور وزن برابر دیو بولے (سید احمد کی جانب متوجہ ہوکر) حکم دیجئے سرکار......

سید احمد : (روایتی) اللہ ہو اکبر...... آپ دونوں دولہا کے بھوئی ہیں۔ آپ سے ملنا چاہ رئیں۔ آپ پٹیل سید امداد۔ اور آپ پٹیل سید اخلاق۔ (ہرہر اللہ ھو اکبر چنگھاڑ کے ساتھ)

فیضو نواب : (اشارے سے سلام کرکے مصافحہ کرتے ہیں) جی فرمایئے حضور!

سید امداد : پراگندہ صاحب۔ سردار اماں کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ ماں کی توقعات بہوت اونچے ہیں۔ اسی گاؤں کی لڑکی کرنا چاہ رئیں جو ساتھ علاوہ نقدی دان دہیز کے دو ہمدوڑیاں دو غلاماں۔ چار بھینساں۔ سونے کی سنگوٹھیاں پہنی ہوئی۔ ساتھ ساتھ ڈیڑھ دو سو ایکڑ تری فصل کھڑی لے کے آئے۔ گاواں میں ایسے رشتے بہوت عام ہوتئیں۔

فیضو نواب : (ستے ہوئے چہرے کے ساتھ) ہرماں اپنے اُن بھی بیٹے کے لئے اچھی سے اچھی بولی منگتی اچ ہے۔ انوں کیا غلطی کرر ئیں...... مخمل کو مخمل ساجھے ٹاٹ کو ساجھے ٹاٹ!!

سید اخلاق : یہ کام حسبِ مرضی ہو جاتا ہے۔ مگر ذرا ٹائیم لگتا ہے۔ ادھر ہم کو جلدی ہے۔ کیوں بولے تو۔

سید احمد : اللہ ہو اکبر...... ہمیں لڑکے کو جلد سے جلد خود مختار بنا کے کھڑا کر دینا چاہ رئیں۔ تاکہ وہ باپ دادا کی ذمہ داریاں بہ حیثیت عاقل وبالغ مرد اٹھا سکے۔

سید امداد : اس واسطے اماں کو یا گاؤں میں بتائے بغیر اچ شادی کر دینا چاہ رئیں۔ ایک بار شادی ہو جائے پھر کوئی لفڑا کھڑا اچ نئی ہو سکتا۔

فیضو نواب : صاب اس کی ذمہ داری کون لینگا کی شادی کے بعد کوئی لفڑا کھڑا نئی ہونگا۔

سید احمد : اس کے ذمہ دار ہونگے بس ہم...... اللہ ہو اکبر۔ مگر اس وقت آپ کو ہمارا ساتھ دینا ہونگا اس کے لئے سرکار مختصر معیار پو اچ سہی۔ یہ شادی دوہرے طرف سے کرنی پڑیگی۔ اور رخصتی کے لئے بھی اڑوس پڑوس یا اپنے لوگوں میں انتظام کرنا پڑینگا۔ صرف آپ کو۔

سید اخلاق : تاکہ ہماری خوشدامن صاحبہ یا خاندان کے کسی بھی آدمی کو ہوا بھی نہ لگے کہ کیا ہو رہا ہے۔

جھانسی بیگم اتے بڑے گھر کے اکلوتے بیٹے کو حاصل کرنا ہے تو کچھ نہ کچھ تو کرنا اچ پڑئین گا نا بھائی۔

بنارسی بیگم : جتنا کرو کم اِچ ہے...... مگر اب آپ کے حالات کے تحت کچھ بھی کرنا ضروری ہے۔ (ہفتم دودھ پیڑوں کی چنگیر لئے آتا ہے)

بڑی دلہن : (چنگیر لے کر بے صبری سے دودھ پیڑے لُوٹتے اور لُٹاتے ہوئے) لیو۔ لیو پہلے موواں تو میٹھے کرلیو۔ پھر میٹھے موواں سے میٹھی میٹھی باتاں کرو۔ (فیضو نواب سے مخاطب ہوتے ہوئے) میاں زیادہ دھوم دھڑکے کی ضرورت اچ نئی ہے۔ دونوں کو پانچ پانچ جوڑے کپڑے رکھ دیئو۔ اڑھی اڑھی تولے کا ہلکا زیور چڑھا دیئو۔ دولے کو ایک ایک جوڑا ایک ایک گھڑی سوا سوا روپیے۔ رسمی جوڑاں گھوڑاں بول کے۔ دونوں کے ملا کو پانسو آدمی چائے پانی۔ پچیس کا خرچہ بھائی صاحب کے حساب میں ملا لیو...... (بچے ہوئے دودھ پیڑوں کی چنگیر بنارسی بیگم کو پکڑاتے ہوئے) ہدھ کو رکھ لیو وان لی سوب کا مونہہ میٹھا کراتا ہے سو۔

سید احمد : (فیضو نواب کو سنبھلنے کا موقعہ دئیے بغیر) اسی اچ مہینے کی چوبیس کو یعنی

ٹھیک پندرھویں دن عقد ہو جائیگا......(وداعی دھماکه) انشاء اللہ تعالیٰ ۔اللہ ہو اکبر۔

(مہمانوں کے باہر نکلنے کے ساتھ ہی ششم اور ہفتم دوڑتے ہوئے اندر آکر ہال کے آخری کونے تک پہونچ جاتے ہیں جہاں پرانے لکڑی کے گھڑے دان (اسٹینڈ) پر بڑا سا مٹی کا گھڑا دھرا ہے جس کا مونہہ مٹی کے سینک سے بند ہے جس پر سلور کی پرانی گلاس دھری ہے اوپر دیوار میں ےلگی کیل پر ڈونگا لٹک رہا ہے ۔ ہفتم جھٹ سے گلاس ڈبو کر پانی نکالتا ہے اور مونہہ سے لگا لیتا ہے ۔)

ششم : (ہفتم کا ہاتھ پکڑکر) پھر شروع ہو گیا تو۔امّی منع نئی کرتے تھے گلاس ڈوبا کر پانی لینے ......ڈونگے سے نکالنے تا کید۔

ہفتم : (ہاتھ چھڑاتے ہوئے) پینے دے رے۔پیاس بہوت لگی ہے۔(دم چڑھنے لگتا ہے)

ششم : ٹیچر......ہزار بار نئی بولے۔ایک دوسرے کا جھوٹا برتن نئی استعمال کرنا۔بول کے۔

ہفتم : (دیدے نکال کر) ٹیچر کو نئی معلوم! ہم غریب لوگ ہیں اور اتا بڑا خاندان۔ایک ایک کو الگ الگ رکھے تو پندرہ گلاس ہونا......پورے پندرہ۔ہاں۔کاں سے لاتیئں ؟

فیضو نواب : (آکر دونوں کو لپٹا لیتے ہیں) ہاں بیٹے کہاں سے لاتیئں۔کیسا لاتیئں ؟اور اب تو ......سب کچھ ڈوبتا جارہا ہے۔



(کھڑی دوپہر ہے دھوپ کی تیزی سے گھر چمک رہا ہے ۔ فیضو نواب کے گھر میں سنسانی ہے ۔ بیچ ہال میں سکندر میاں دونوں بچیوں کو لِپٹائے کھڑے ہیں ۔ جو زارو قطار رورہی ہیں ۔)

یکم الف : ماما۔ابھی ہمارا رزلٹ آجائے گا۔ ہم دونوں ضرور پاس ہو جائینگے۔ ہمارے میڈم پہلے ہی بولے کہ ہمیں کالج میں اڈمیشن کے اخراجات سکول فنڈ سے دیں گے۔اور پھر سکالرشپ جاری ہو جائیگی۔ ابوّ۔ ہمارے راستے میں کانٹے بچھارئیں۔وہ ہمارے پرابلم کو سمجھتے کیوں نئی اور اب تو خود ہم نرسنگ بھی کر رہے ہیں۔ جاب ہے۔خدٰا نخواستہ ابو کو کچھ ہو بھی گیا تو شرما چاچااور میم صاحب ہم کو بگڑنے نئی دینگے۔وہ تو سب کا ساتھ دیتے ہیں۔ ہمیں کیسے چھوڑ دینگے !

سکندر صاحب : نئی بیٹے ! نہ وہ آپ سے ناراض ہیں نہ بیزار۔ وہ تو خود شرمندہ ہیں کہ ذرا ذرا سی بچیوں پر

پوری گرہستی کا بھاری بوجھ پڑ گیا۔ بیٹے!! وہ مایوس ہیں بیٹے اپنی زندگی سے۔ آپ سب کے مستقبل سے۔ کیوں کہ۔ اب خاندان میں محض ایک بھی گھرانہ نہیں ہے جو دوسرے کو سہارا دے سکے۔ جاگیرداریاں، زمینداریاں مٹی میں مل گئیں۔ گھر دار حویلیاں ساز و سامان اور پونجی تو پولیس ایکشن میں لٹ ہی چکے تھے۔ تخفیف کا دور چلا تو مسلمان بالکل اچ فٹ پاتھ پے آگئے ...... کل تک جو لوگ نوکر چاکر کے نام پر تیس تیس چالیس چالیس غریب خاندانوں کو روزگار دیتے تھے۔ آج خود کوڑی کوڑی کو محتاج ہیں۔ خود میرے پاس بھی یہی مسئلہ ہے نو بچوں کا...... دو بڑے ...... گیارہ! امان بارہ میں بھی تو اپنی جگہ مضبوط نہیں ہوں۔ آج جس بات کے لئے ان کو منع کروں گا۔ کل وہی بات مجھے بھی تو کرنی ہی ہے۔ یاد رکھو کل کی مرغی کی آس میں آج کا انڈا نکو چھوڑ دیو۔ البتہ ایک کام میں کرتا ہوں۔ لڑکے والوں کو منالیتا ہوں کہ عقد تو ہو جائے مگر رخصتی انٹر کر لینے کے بعد ہو۔

یکم بے : تو پھر کاہے کو ہمیں لٹکائے رکھنا۔ عقد اور رخصتی دونوں انٹر کے بعد ہونا۔

سکندر صاحب : وہ لوگ نئی مانیں گے۔ پھر بھی میں کوشش کرتا ہوں۔

یکم الف و بے : (ہاتھ بڑھا کر) پکا......؟

سکندر صاحب : (ہاتھ پہ ہاتھ مار کر) ۔پکا......

(فیضو نواب محلے کے دو چار لڑکوں کو لئے گھرکی صفائی اور سجاوٹ کا کام کررہے ہیں۔ ڈاکٹر شرما اور سسٹر صوفیہ ڈاکٹرز بیگ اسٹیتھسکوپ وغیرہ سنبھالے آجاتے ہیں۔ فیضو نواب اسٹول سے اتر کر نیچے آتے ہیں) تشریف لائیے ڈاکٹر صاحب۔ آیئے سسٹر آیئے۔

ڈاکٹر شرما : سید بھائی! صرف ایک مکان بیچ ہے آپ کے ہمارے بیچ۔ ایک مکان۔ ظہور صاحب کا...... ورنہ آپ ہمارے راست پڑوسی ہیں۔ یہ سارے بچے میرے یہاں پیدا ہوئے...... جملہ تیرہ بقیدِ حیات!! یہ بچے آپ ہی کے بچے نہیں اپنی میم صاحبہ اور میرے بھی تو بچے ہیں...... آپنے اتنی بڑی حرکت کر دی اور مشورہ تک نہ کیا...... اتنی بے اعتمادی...... اتنی خود غرضی ...... خوشی میں دکھ میں اس بستی کے ہر گھر میں، میں اور میری مسز ساتھ رہی ہیں۔ ایک لحاظ سے میں اس ساری بستی کا فیملی ممبر ہوں۔ ہر کوئی خاص فیصلے میری رائے لئے بغیر نہیں کرتا...... لیکن آہ...... آہ آپ نے تو مجھے دودھ کی مکھی کی مانند نکال کر پھینک

دیا..... ارے آپ نے میری بیٹیوں کو گائے بھینس بکری کی مانند قصائیوں کے ہاتھوں بیچ کر دیا..... وہ تو کل مجھے یکم الف نے رورو کر بتایا..... ورنہ پتہ بھی نئی چلتا......

فیضو نواب : (پیٹ میں سر ڈالتے ہوئے) میں معافی چاہتوں۔ اور صفائی کا کام ختم کر کے مئی آپ کو اطلاع دینے آرہا تھا صاحب!! آپ کے بغیر کوئی کام

ڈاکٹر شرما : یعنی میری ہی چیوں کی مسلخ کو روانگی میں میں کھڑے کھڑے آشیر واد دے کے گزر جاؤں۔

فیضو نواب : میں مجبور تھا ڈاکٹر صاحب۔ ہماری بڑی بھاوج اور ممانی نے مجبور کر دیا...... میں مر رہا ہوں۔ میں جارؤں ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر شرما : تو ہر وہ آدمی جو مر رہا ہو۔ اس کا فرض ہے مرتے مرتے جینے والوں کو جیتے جی مار ڈالے...... یہ تیرہ چودہ برس کی جان۔ اپنے برابر کے بچوں کی اماں بن کے جانا اور خدمت گاری کرنا۔ واہ میاں واہ...... آپ مر جاتے تو ہم ان بچوں کو محنت کر کے اپنا مشن پورا کرنے گائیڈ نہیں کرتے۔ اتنا بھروسہ نہ تھا آپ کو اپنے بستی والوں پر؟!

فیضو نواب : وہ بہوت دور کے باتاں ہے۔ دور کے ڈھول سہانے خواباں اچ لگتئیں...... ہاں۔ میرا دم اطمینان سے نکل جائے۔ کامریڈ!!

ڈاکٹر شرما : اچھا! آپ کا دم آسانی سے تب ہی نکلے گا۔ جب یہ معصوم نوخیز چیاں بڈھوں کی مشکل میں پڑ جائینگی۔ واہ! کیا حق ولدیت جتا رہے ہو اور کیا فرض پدریت ادا کر رہے ہو! شاباش ہے...... سکھاؤ سید بھائی۔ سکھاؤ اپنے دم کو اس وقت آسانی سے نکلنا جب دیکھ لو کہ محلے کے پر خلوص بزرگوں کی نگرانی میں یہ بچے اپنی مدد آپ کرتے ہوئے حالات کو شکست دے سکتے ہیں۔ ایک آپ کے مر جانے سے دنیا مر نہیں جائینگی۔

فیضو نواب : (بڑی لجاجت سے) اسی دنیا کا تو ڈر ہے سرکار!! اسی دنیا کے ڈر سے تو یہ کام کروں سرکار...... وہ دونوں بڈھے کھوسٹ نئیں ہیں۔ ایک ہمشکل تیس کا ہے تو دوسرا پندرہ سے بھی اتر تا ہے۔ برسر روزگار، صاحبِ جائیداد دولتمند لڑکے ہیں۔ راج کو مگی یہ چیاں راج۔ آپ خوش ہو جائینگے۔ ہنڈولے جھلیں گی انوں...... یہ موقعہ گیا تو پھر ہاتھ نئی آنے کا...... اب مئی زبان سے پھر بھی نئی سکتا مالک......

ڈاکٹر شرما : (خشکی کے ساتھ) مرضی!! اب آپ کا ہمارا رشتہ ختم!! خدا حافظ

فیضو نواب : (جوں کے توں روتے بیٹھ جاتے ہیں) کیا کروں۔ اب میں کیا کروں۔ بات تو بہوت آگے بڑھ گئی۔ اب واپس لوٹنا مشکل ہے۔ بڑی مشکل سے نورالدین بھائی سے تین ہزار روپیہ قرض لیکے سارے انتظاماں کرلیا۔ مجھے معلوم تھا۔ ڈاکٹر صاحب ''بچے والا داماد'' سنتے ہی پھسل جائینگے۔ اس واسطے چپ رہا۔ عین وقت پے اطلاع دیا۔ تو بھی وہی اچ ہوا جس کا ڈر تھا۔ اب کیا کروں...... ؟ (آنسو پونچھتے ہوئے) چلو...... امید ہے جب داماداں سے ملیں گے تو آپی آپ غصہ کم ہو جائیگا۔

محلے کا نوجوان : صحیح بات ہے چچا...... ڈاکٹر صاحب نئی آئے توڈولا دولن کو لیجا کے پیروں میں ڈال دیو بولو'' اپے آشیر واد دیئے نئی تک برات نئی اٹھینگی۔ ہاں''



(ہال میں کافی روشنی کا انتظام ہے ۔ ایک کونے میں بتول بی ۔ زہرہ بی چنو ماں۔ انسویا سوشیلا وغیرہ ہلکی دھن میں ڈھول بجاتی ڈھولک کے گیت گارہی ہیں ۔ دوسرے کونے پر ممانی جان اپنے پلو کو آڑ بنائے بیٹھی ہیں۔ جب جب ضرورت ہوتی ہے آدھا پلو کھسکا کر بات کرلیتی ہیں ۔ ہال کے درمیان میں دوسو زینیوں کو ملا کر پردہ بنا یا گیا ہے ۔ کمرے کی جانب والا حصہ زنانخانہ ہے اور دروازے سے متصل حصہ مرمردانخانہ -------- مردانخانے میں کرایہ کی مسند اور گاؤ تکیے لگا کر دلہوں کی نشتگاہ بنی ہے ۔ کھلے حصے میں کھٹیا پر سکندر صاحب ان کی بیوی فریدہ بیگم اور چھوٹی چھوٹی دو بچیاں بیٹھی ہیں ۔ پاؤں میں چار پانچ بچے بیٹھے کھیل رہے ہیں۔ کھٹیا سے ہٹ کر کونے میں کرسی پر فیضو نواب سر جھکائے سوچ میں غلطاں بیٹھے ہوئے ہیں جسکے نچلے حصے میں لٹکتی ہوئی ادھ جلی کولتھی اس خاندان کی معاشی حالت کی تاریخ بیان کر رہی ہے ۔ بیچ کا پردہ جو بار بار الٹ دیا یا گرا دیا جاتا ہے اس وقت اُٹھا ہوا ہے۔ روایتی شور شرابہ جاری ہے ۔ کمرے کے اندر یکم الف اور بے سستے قسم کے معمولی زرق برق سرخ کپڑوں میں دلہن بنی آمنے سامنے بیٹھی دم بخود ہیں ۔ گالوں پر آنسو بہہ رہے ہیں ۔ جس سے ان کے حسن میں چار چاند لگ گئے ہیں ۔باہر دھوم مچتی ہے " دلہا والے آگئے۔ دلہا والے آگئے" ۔ بڑی دلہنؔ دوڑی چلی جاتی ہیں ۔ بارہ برس تا تیس سالہ ایک لڑکا چار لڑکیاں بچکانی قسم کے شُلوار سوٹ وغیرہ پہنے بغیر ڈوپٹہ تشریف لاتے ہیں سب سے بڑی اپنے گال پر رومال دبائے ہوئے ہے۔ بڑی دلہن گلے لگا کر بڑے پیار سے لا بٹھاتی ہیں ۔ فریدہ بیگم لپک کر آتی ہیں ۔)

بڑی دلہن : ثمینہ ! یہ دولن کی ممانی ہیں۔ رضیہ۔ ریحانہ۔ سلطانہ۔ زاہد اٹھو سلام کرو۔(سلام کے تبادلے ہوتے ہیں)

فریدہ بیگم : یہ آپ کلّے میں رومال کیوں دبارئیں۔

ثمینہ : (غیر معمولی شرما کر ننھی بچیوں والے انداز میں) ڈاڑھ نکل رائے نا۔ بہوت درد ہے!

فریدہ بیگم : ڈاکٹر کو نئی بتائے۔

ثمینہ : (اسی انداز میں ہمک ہمک کر) بتائے۔ دوا دیئے۔ بولے اب آخری ڈاڑھ ہے۔ یہ نکل گیا تو پھر کوئی ستائے گا نئی۔

فریدہ بیگم : آپ کونسی جماعت میں پڑھتی ہیں۔

ثمینہ : پانچویں میں۔

سکندر صاحب : (پکار کر) عمر کیا ہے آپ کی ؟

ثمینہ : (کافی شرما جانے کے بعد) نو سال۔ امی بولتی تھیں نو سال۔ یہ رضیہ ۸ سال۔ ریحانہ ۷ سال۔ سلطانہ ٦ سال یہ زاہد......

سکندر صاحب : وہ تو دکھائی دے رہائے۔ امی پیدا اچ نئی ہوئے۔

فریدہ بیگم : امی بولتی تھیں۔کب ؟

ثمینہ : جب وہ زندہ تھیں۔

سکندر صاحب : (قریب آکر) کب مرے ؟

ثمینہ : (انگلیوں پر گن کر) چھ سال ہوگئے۔

فریدہ بیگم : چھ سال پہلے نو سال بولتے تھے تو اب کتنے سال ہوئے۔

بڑی دلہن : "ئی۔ اوئی...... مرگئے سو ہو گیا۔ وہ سالاں کیسا ملاتیں۔"

سکندر صاحب : (تلخی سے) تو مرنے والے کے ساتھ جینے والوں کی عمر اں بھی جاں کو واں کھڑے کے کھڑے رہ گئے stand still بولو۔

فریدہ بیگم : (گود کے بچے کو کندھے پر ڈال کر تھپکتے ہوئے) آپ پہچانے مجھے !!

ثمینہ : (انتہائی پریشانی کے ساتھ) کون مئی۔ آپ کو۔ نئی تو!!

فریدہ بیگم : انیس سو چھیالیس میں۔ آج سے چودہ سال پہلے آپ گورنمنٹ مڈل سکول مغلپورہ میں ہیڈ گرل تھیں نا۔ ثمینہ صدیقی۔ میں پانچویں میں تھی۔ یہ آپکی بہن رضیہ ہماری مانیٹر تھے۔ (رضیہ کا دایاں ہاتھ پکڑ کر دیکھتے ہوئے) سیڑھیوں سے گر کر ٹوٹ گیا تھا نا یہ ہاتھ ...... یہ کیا...... غلط جمی سو کہنی......

ثمینہ : کیا ہے کی جی مجھے نئی معلوم۔

رضیہ : (توتلے بچوں کی مانند) ...... نئی جی نئی۔ یہ ہاتھ تو گھوڑے پے سے گر کر پرسوں اچ ٹوٹا۔

ریحانہ : (ہاتھ مسلتے ہوئے) بس مہینہ بھر ہوا ہونگا۔

فریدہ بیگم : آپ تینوں بھی تو وہیں پڑھتے تھے۔

ریحانہ : ہو ؤ پڑھتے تھے...... پڑھتے تھے تو کیا چوری کرے ڈاکہ ڈالے۔؟

سلطانہ : پولیس ایکشن ہوا۔ گھر بیٹھ گئے۔ اس سال دوبارہ شروع کرے۔

فریدہ بیگم : پندرہ سال بعد...... (سکندر صاحب واپس کھٹیا پر بیٹھ جاتے ہیں)

ثمینہ : کا ئیکو! نئی پڑھنا کیا؟ ابا کے ریٹائر ہونے میں ابھی دو سال باقی ہیں۔ بولے کیسا بھی کر کے میاٹرک کرلیو۔

سلطانہ : پڑھے لکھے نئی تو شادیاں کاں ہو رئیں آجکل۔ ٹیچر لگ گئے تو ہو جاتی ہے شادی......

ریحانہ : (بے تکلفی سے) کیسا بھی میاٹرک کر لئے تو گریجویٹ ملتے اچ شادیاں۔

سکندر صاحب : تو پھر یہ پانچویں چوتھی تیسری کا ئیکو۔

ثمینہ : اتیج سرٹیفیکٹ مضبوط ہوا تو۔ معاملہ صحیح بیٹھ جاتا۔ ایک سال اسکول میں پڑھ کے T.C. لے لئے تو۔

رضیہ : (خود اعتمادی کے ساتھ) ڈائرکٹ میٹرک کر لیتے۔

ریحانہ : وہ میاٹرک کے لئے گھر پر اسٹیڈی کر لے رئیں ہم لوگاں۔

فریدہ بیگم : دولہاں میاں سے آپ لوگوں کا رشتہ کیا۔

چاروں : (چمک کر) ہمارے ابّو ہیں۔ ابّو (فیضو نواب چونک پڑتے ہیں۔ سکندر صاحب اس شدت سے اچھل پڑتے ہیں کہ کھٹیا کی بان ٹوٹ جاتی ہے اور چیخ اور دھماکے سے سارے لوگ سہم جاتے ہیں) کہاں ہے وہ عقل کا دشمن احمق الذی۔

بڑی دلہن : (دوڑ کر سکندر میاں کے پاس آکر ڈھٹائی سے) ہوا کیا ہے۔ ہاں۔ ہوا کیا ہے؟

سکندر صاحب : (دانت پیس کر) ہوا کیا ہے۔ تمہاری اصلیت پھر ایک بار ثابت ہو گئی۔ بد معاش عورت! الو بنانے گھسی تھی!" (دفعتاً شور بلند ہو تا ہے "آگئے۔ آگئے۔ دولہا میاں آگئے۔ آگئے" اور بینڈ باجے کی دھن تیز ہو جاتی ہے۔ (وقفہ) دہلیز پر زبردست پکار "گوشہ گوشہ ہوت۔ گوشہ گوشہ ہوت۔ گوشہ گوشہ" ساتھ ہی پردہ گرا کر ہال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے)

سکندر صاحب : (بچوں کو بیوی کے حوالے کرتے ہوئے) ٹھیرو۔ میں ڈاکٹر صاحب کے پاس جاتا ہوں۔ اب وہی کچھ کر سکتے ہیں۔ اور تو کوئی کچھ کر نہیں سکتا۔ بہت گھراؤ چلائی ہے یہ کٹنی اچھا تم جلد سے جلد ممانی جان اور اپنی عورتوں کو لیکر ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں بیٹھ جاؤ جب تک نہ بلاؤں مت آؤ ...... (سکندر صاحب ہمارسی بیگم بڑی دلہن جھانسی بیگم ثمینہ وغیرہ کے جھرمٹ سے باہر نکل پڑتے ہیں۔ ایک بھاری بھر کم پچاس سالہ روایتی حیدر آبادی لباس میں ملبوس شخص اپنی گود میں پھولوں کی ٹوکری جیسے ننھے منے سہرے میں لپٹے ہوئے دلہا کو لا کر مسند پر بٹھا دیتا ہے۔ اور دونوں پاؤں میں سے زرین چڑھاویں اتار کر مسند کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ ساتھ ہی سید احمد داخل ہوتے ہیں اور زبردست نعرہ تکبیر بلند کرتے ہیں جسکے دھماکے سے سارے مجمع میں فی الفور خاموشی اور دہشت طاری ہو جاتی ہے۔ وہ ساتھ ہی دلہا کی بائیں جانب دھم سے بیٹھ جاتے ہیں۔ دائیں جانب قاضی صاحب ۔ سکندر صاحب مایوسی کے ساتھ اندر آتے ہیں ہفتم کو پکڑ کر "ڈاکٹر صاحب نے آنے سے قطعی انکار کر دیا ۔ اب مجھے ہی کچھ کرنا ہوگا۔ تو باوا کے قریب رہ "ہفتم۔ ابو بیکری کو گئے ہیں مال لانے۔" وہ مسند کے قریب پہونچ جاتے ہیں جہاں دلہا سر تا پاؤں پھولوں سے ڈھکا ہوا ہے۔ ان کی نظر زریں چڑھاویں پر پڑتی ہیں۔ غور سے دیکھتے ہیں اور دیکھتے ہی موقعہ نکال کر اپنی شیروانی کی جیبوں میں اتار لیتے ہیں۔

سید احمد صاحب : (دوبارہ بانگ دے کر) کہاں ہیں دلہن کے والد۔ بلواؤ۔ پہلے ایک عقد ہو جائے۔ دوسرا دولہا آتا ہی ہے...... عقد میں آسانی ہو گی۔!

سکندر صاحب : بیکری کے آرڈر کی سپلائی میں کچھ گھپلا ہو گیا ہے۔ بچی کے والد وہیں گئے ہیں بس آتے ہی ہوں گے...... دُلہا میاں۔ ذرا تشریف تو لائیے اِدھر

سید احمد : دُلہا جگہ سے کیسے اٹھ سکتا ہے۔ آپ آنا۔ لڑکا ہے شرماتا ہے۔ اللہ ہو اکبر......

سکندر صاحب : (جواباً کڑک کر) اللہ ہو اکبر...... بیداد خاں صاحب ۔ دُلہا (سہرے کے اندر سے برجستہ) جی صاب......

سکندر میاں : (کڑک کر جس سے سید احمد سہم جاتے ہیں) اللہ ھو اکبر ...... آپ آتیں یاں یا میَ آوَں واں ؟

بیداد خاں : (سنبھل کر سمٹتے ہوئے) کا ئیکو آتیں صاب ۔ شادی کا گھر ہے آپ اپنی جگہ بیٹھو ...... میں اپنی جگہ بیٹھوں ۔ آپ اپنی جگہ خوش ۔ میں اپنی جگہ ۔

(سکندر صاحب آگے بڑھ کر دلہا کو جھپاک سے اوپر اٹھا لیتے ہیں اور ایک ہی جھٹکے میں سارا سہرا نوچ پھینکتے ہیں ۔ سارے لوگ دہشت زدہ کھڑے ہوجاتے ہیں)

ممانی جان : (پردے کا لحاظ کئے بغیر چلّا چلّا کر) ائی ۔ ائی ۔ سکندر نواب ۔ ائی باوا یہ کیا ظلم توڑ ڈال رئیں ۔

سید احمد صاحب : (بغیر اللہ ہو اکبر کہے) محترمہ اس شخص کو سنبھالیئے ۔ ورنہ ورنہ............

سکندر صاحب : ورنہ ۔ ورنہ کیا (مُکا چہرے پر تان کر) کیا کرینگا بول ۔

سید احمد صاحب : (ریل کی سیٹی جیسی آواز میں) اللہ ہو اکبر...... رنگ میں بھنگ ڈالتا ہے ۔ قسم خواجہ کی (گانا بجانا بند ہوجاتا ہے) قسم پرانے پیر غاوث اعظم دستگیر کیں ۔ میں تیرا خون آبِ شجر میں ملا کے پی جاوَں گا ۔ میں تیری بوٹیاں چاکھنے میں ڈبو کر چاٹ جاوَں گا ۔ واللہ قسم (خواتین کے مجمع پر نظر ڈال کر اور شہہ پاتے ہوئے) تیری یہ مجال خلیفہء وقت سے ٹکر لیتا ہے ۔ دیکھا اپنی اوقات !! غارت ہو جائینگا ۔ غارت "

سکندر صاحب : (ڈپٹ کر) چپ کر کفن چور ۔ آباء واجداد کی قبر اور کفن کی خیرات پر ٹکڑے توڑنے والے آب شجر کے نام پر سیندھی شراب پینے والے حرام خور ۔ اتنا ہی درد ہے ماموں کا تو دیدے اپنی بیٹی ۔ اپنے زمیندار کو ۔ کونسا گا ماموں ہے ۔ (شور مچتا ہے دلہا آگیا ۔ دلہا آگیا ۔دلہا گھوڑے پر آیا ہے ۔ پہلوان نما دو آدمی اس دلہا کو اٹھا کر لاکے مسند پر بٹھا دیتے ہیں ۔پہلا دولہا سکندر صاحب کے پنجے میں مرغ کی مانند لٹک رہا ہے ۔ سکندر صاحب اٹھا کر لانے والوں کو دھکا دے کر " کتنے پیسے لئے بھینے کو ڈھونے کے ۔" اور وہ جواب دینے سے پہلے سکندر صاحب دو روپئے ہاتھ پر دھر دیتے ہیں ۔ جنھیں وہ دونوں سلام کرکے مسکرا کر

جیب میں ڈال کر باہر نکل جاتے ہیں تھوڑے چکنے چپکا کے چلے آتے ہیں سالے پٹاپنے (چلاتے ہوئے باہر دروازے کی جانب اس حالت میں مڑتے ہیں کہ پہلے دلہا کے ساتھی اپنے دلہا کو ان کی گرفت سے آزاد کروانے کھینچا تانی میں بدحال ہورہے ہیں) "ارے۔ کہاں ہے وہ شخص فیضو نواب!" (جو دونوں ہاتھوں میں بیکری پراڈکٹ کے ڈبےّ سنبھالے ہوئے ہیں۔ اس صورتحال کو دیکھتے ہی ہڑبڑا کر دلہا کو چھڑانے ایک ساتھ دونوں ہاتھ اوپر اٹھاتے ہی ڈبےّ گر کر سامان بکھر جاتا ہے۔ جس پر حاضرین ٹوٹ پڑتے ہیں) "میں یہاں ہوں سکندر میاں۔ یہاں۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ دلہا کے ساتھ۔ چھوڑ دیجئے۔" سکندر صاحب سرسے سرکو چوٹ لگاتے ہوئے۔ "ارے۔ بیوقوف۔ احمق گدھے۔ کوئی باؤلی نئی ملی تم کو محلے بھر میں بن ماں کی چھیوں کو ڈھکیل کر خود آپ ڈوب مرنے ؟ یہ دیکھو یہ چارفیٹا ضعیف بونا۔ مت ماری گئی تمھاری"

فیضو نواب : بس کرو میاں یہ سوب قسمتاں کے کھیلاں۔ اب اور ننگا نکو کرو مجے۔ مئی اپنی اچ موت آپ مرروں۔ مجھے چین سے مرجانے دیو۔"

سکندر صاحب : "اب بس بھی کرو طرّہ باز خاں۔ قبر کے اندر سے قسمتاں کا میگھ یلہار نکو سناؤ۔ (بیداد خان کی نمائش کرتے ہوئے) کیا صاب کیا۔ کیا شخص ہے یہ...... قدرت کا عجوبہ۔ مرروں مرروں بول بول کے ہنستے کھیلتے پوتیاں کو ستر ستر برس پرانی قبروں میں ڈھکیل دے رہائے۔"

بتول بی : (روتے ہوئے) ہوُجی ماں۔ اتی پیاری پوتیاں پوری بستی میں نئی ہیں نا۔

فیضو نواب : بس کر مرے مولا۔ مجھے اچ موت دے دے فی الفور...... !!(زہرہ بی تائیدی انداز میں)

زہرہ بی : ہوُجی ۔کوتاں والا باپ نکو۔ ٹاٹاں والی ماں ہونا" (بڑی دلہن پیچھے سے ہاتھ ڈال کر سکندر میاں کے جسم کر چٹی لیتی ہے۔ بتول بی ہاتھ کھینچ کر دوچار جھانپڑ رکھ دیتی ہے)۔ "کٹنی !! یہ دن کے واسطے اُس کی پھوپی سر پو ہاتھ رکھ کو دوطرفہ کر کو لائے تجھے۔ ڈائین !" (بڑی دلہن۔ مارسی اور جھانسی بیداد خان کو نیچے کھینچتے ہوئے)۔ "چھوڑو جی۔ پرُانے شہر کے شہدے تم۔ جو بھی طئے ہونا تھا۔ پوتیوں کا باپ طئے کر لیا۔ تو کون رے !!"

سکندر صاحب : ”اری چوپ حرّافہ۔ فاحشہ۔ لونڈباز رانڈ۔ یہ ہے پندرہ سالوں کا لڑکا نئی کہ پچاس ساٹھ برس کا بونا...... (سید احمد کو ٹھوکر لگاتے ہوئے) سوب کو لپیٹ کے پولیس کے حوالے کر توس...... بول خلیفہ بول یہ لڑکا ہے لڑکا۔ اکلوتا وارث...... اوپر سے حاجی اندر سے پاجی !

سید احمد : (آگے ہاتھ نچاتے ہوئے آکر) پوچھ۔ پوچھ...... پوچھ اپنے بہوئی سے کیوں میں بولیا نئی۔ ”ڈاڑھی تک نئی پھوٹی موچھی تک نئی اُگی...... قدِ اتا ساگڈل۔ صورت دودھ پیڑے جیسی۔

سکندر صاحب : (بونے کو سر کے اوپر گول گھمانا شروع کرتے ہیں۔ نیچے مرد اور عورتیں گول گھوم رہے ہیں) دیکھو دیکھو...... ڈاڑھی ہے نا موچھی ہے۔ امیر علی ٹھگ خلیفہ۔ چور کا بھائی گرّہ کٹ۔ سچی اچ بولتائے۔ داڑھی تو اُس وقت بھی نئی پھوٹی تھی جب اِنے بیس برس پہلے یونیورسٹی میں چوکیداری کرتا تھا۔ قد اُس کا تب بھی اتنا اِچ تھا۔ دیکھو لوگو دیکھو اس بونے کو۔ گول مٹول ملائی کے اس لڈو کو۔ طلباء اور اساتذہ کے ”مکھن پیڑا“ کو سنو لوگو۔ اولاد والو ! بیٹی والو۔ سنو !! تیس برس پہلے اِس کی دوسری جورُو سل بٹہ ڈال کر تانگ توڑ کر بھاگ گئی تھی بچاری۔ تب سے یہ سیدھے پاؤں میں چار انچ زیادہ موٹی چپل پہنتا ہے۔ چل ہٹ۔“ (کہتے ہوئے دروازے کے باہر گرا کر جیب سے دونوں چڑھاویں نکال کر نمائش کرتے ہیں۔ بیدادخاں دوبارہ دوڑ کر اندر گھس کر مسند پر جم جاتا ہے۔ خواتین گال پیٹ پیٹ کر توبہ کرتے ہوئے) توباء۔ توباء۔ توبا۔ نکورے نکوایسا گھامڑ ہوا انکو...... اولیاد کو ہاتھ پاواں بندھ کو اندھے کنویں میں ڈھکیل دینے والا۔ ”اس سے توانگوٹھا چھاپ مَیاء بھلی۔“

سکندر میاں : ”ارے چھوڑو ! ماں تو بس ماں اچ رہتی ہے۔ باپ نئی بن سکتی۔ لیکن باپ۔ باپ ہوتے ہوئے ماں کی کمی پوری کرلیتا ہے۔ (پسینہ پونچھتے ہوئے) جذبہ اور خلوص ہونا دل میں۔ اولیاد کی بے کسی بے بسی اور لاچارگی کا احساس ہونا۔ دُنیا گواہ ہے بابر نے شہنشاہ ہندوستاں ہوتے ہوئے۔ تخت و تاج۔ حکومت عیش و آرام پر ٹھوکر لگا کر اپنے مرتے ہوئے بیٹے ہمایوں پر اپنی جان نچھاور کردی۔ شفقتِ پدری کی تاریخ بنادی۔ (بونے پر اچانک نظر پڑھ جاتی ہے جو سید احمد کی پیٹھ کے پیچھے چھپنے کی کوشش کررہا ہے) دیکھو۔ ذرا دیکھو۔ پھر گھس لیا بونا (جھپٹ پڑتے ہیں۔ بیدادخاں اُچھل اُچھل کر حملہ کرنے کی کوشش کے ساتھ دھمکیاں جاری رکھے ہوئے ہے) ہٹا ! زیادہ اڑان بھرلی تو دُم ڈینے چھیل کر کر پول پولٹکادیوں گا۔“

ممانی ماں : (پردے سے جھانک کر) ارے !! اِلّی گانٹھ کالٹو یہ تو باسٹھ کا بونا ہے۔

بڑی دلہن چلو بس کرو گھر کی عزت کو بازے میں پچھتائی چلو نکاحاں ہو جانے دیو۔ تم اپنی جاء خوش۔ ہم اپنی جاء۔ آو آپے قاضی صاحب!"

سکندر صاحب : (قاضی کو مسند پر گھستا دیکھ کر چلّاتے ہوئے) اے ہے کوئی جو میری مدد کرے؟ بتول بی آپا۔ ڈھرہ بی آپا۔ ارے چنو آپا۔ پکڑو...... پکڑو۔ اندر آنے نہ پائے...... آنے نہ پائے۔ مسند پر ٹانگ جمانے......

(تمام عورتیں) "نہ پائے" (نعرہ لگاتے ہوئے قاضی کو رگید لیتی ہیں سکندر صاحب جھپٹ کر درمیانی پردہ کھینچ پھینکتے ہیں : ساتھ ہی جام کے جھاڑوں میں سے مشترکہ نعرۂ تکبیر "اللہ اکبر" سید احمد والی چنگھاڑ کی نقل میں بلند ہوتا ہے) "اللہ ہو اکبر" (اور پولیس کی سیٹی کی آواز کے ساتھ ہی "پولیس حاضر ہے" کا اعلان کیا جاتا ہے۔ سید احمد ڈراؤنی چنگھاڑ کے ساتھ نعرۂ تکبیر بلند کرکے گرتے پڑتے دروازے سے نکل جاتے ہیں ساتھ ہی ان کے سارے باراتی باہر بھاگ جاتے ہیں۔ بڑی دلہن ان کو روکنے دوڑتی ہیں تو پاؤں پھسل کر گرتے ہی مونہہ اور جسم کریم اور چورے سے لتھڑکر ڈراؤنی شکل بنادیتا ہے۔ فیضو نواب اپنی جگہ بیٹھے تڑپ تڑپ کر دُعا کررہے ہیں "اللہ تو مجھے موت دیدے۔ اللہ تو میری آنکھیں بند کردے۔ ارے مئی تو لٹ گیا۔ برباد ہوگیا" کہتے ہوئے ٹوٹی ہوئی کھٹیا پر اوندھے گرتے ہی اندر سماجاتے ہیں۔ بڑی مشکل سے بچے اُٹھاکر بٹھاتے ہیں۔ زار و قطار روتے ہوئے :

"یارب! زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیئے ۔ لوحِ جہاں پے حرف مکرّر نہیں ہوں میں"

سکندر صاحب "چاندپاشاہ کی چاندنی تو سب ہی دیکھ چکے...... اب ایک نظر سورج پاشاہ کی آرتی اتارلیو...... (رپٹ کر ثمینہ کو کھینچ لیتے ہیں)۔ یہ دیکھو یہ نو برس والی نہیسی پانچویں میں پڑھنے والی (رضیہ کو سمیٹ کر) یہ آٹھ برس والی اٹھائیسی (ریحانہ کو سمیٹ کر) یہ سات برس والی چھبیسی یہ چھ برس والی پچیسی...... اور پانچ برس کا سولنگڑا......

تمام خواتین : ائی مٹی ڈالو۔ جوتیاں لے کو ماریو...... چالیس چالیس کی بیٹیاں رکھ کو تیرہ برس کی جورو کرنا ......اورانناں بیٹیاں بن کو نندھانا؟

سکندر صاحب : کوئی حد ہے ان سوّروں کی سوّری حرکت کی یہ دیکھو (دُلہا کو گھسیٹ کر سہرا اُلٹتے ہوئے) لگ بھگ ساٹھ بانسٹھ کا ضعیف مرد دکھائی پڑتا ہے۔ "داماوں کے سر کو سہرہ بننے کے بجائے خود بندھ لئے۔ الی چول نئی مٹی کیا۔ الی چسکہ نئی چھٹا...... دیکھو! انی حلق میں وُنگلی ڈال کو ہتیسی چوکا نکال کو بھیکتوں۔"

(سہرا نوچ کر ٹوپی پھینک دیتے ہیں جو سیدھی جاکر فیضو نواب کے سرپر گرتی ہے فیضو نواب چیخ کر اُلٹ جاتے ہیں۔ محلّے کے دو تین نوجوان اندر گُھس جاتے ہیں۔ جم کر دھینگا مشتی چلتی ہے۔ کان پڑے آواز سُنائی نہیں دیتی۔ جام کے جھاڑ والی دیوار سے چشتی بیگم اور لڑکے تماشہ دیکھ رہے ہیں ...... پیچھے تیز آواز میں ریکارڈ چل رہا ہے۔ "چھوڑ بابل کا گھر موہے پی کے نگر آج جانا پڑا......" کمرے کے اندر سے ساتوں بچیاں تل تلاکر رو رہی ہیں۔ ایک لڑکا آگے بڑھ کر ساری بچیوں کو اندر ڈھکیل کر کنڈی چڑھاکر تالا ڈال دیتا ہے۔

مکان کے باہر زور و شور سے بینڈ باجا جاری ہے۔ "راجا کی آئیگی بارات"۔پولیس کے چند سپاہی داخل ہوتے ہیں۔ سکندر صاحب کی قیادت میں بچھے کچھے براتیوں دلہوں اور ان کے زنانے کو لے کر پولیس اسٹیشن کے لیئےروانہ ہوجاتے ہیں۔ گھر بالکل ویران ہوجاتا ہے ہر طرف پھول بسکٹس کیک پیسٹری کریم مصری بادام کھجور بکھرے پڑے ہیں۔ دروازے سے متصلہ دیوار سے لگی بیٹھی بتول بی زہرہ بی چنو ماں حسرت ویاس سے فیضو نواب کو دیکھتے ہوئے بے آواز اُمڈ اُمڈ کر رو رہی ہیں۔ جو ٹوٹی ہوئی کرسی میں دھنسے سر کو ہاتھ لگائے پھوٹ پھوٹ کر رو رہے ہیں۔ اور بار بار تکرار کئے جاتے ہیں۔

ہستی ہماری اپنی فنا پر دلیل ہے اتنے مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے!!

ہاء......ہاء......ہاء۔ اتنے مٹے کہ آپ ہم اپنی قسم ہوئے۔

اتنے مٹے کہ آپ اپنی قسم ہوئے......

کئی قدموں کی آواز آتی ہے۔ اور ساتھ ہی سکندر صاحب کی کڑک دار آوازہفتم اور ہشتم ا۔ ب دروازے سے چار سفید کرسیاں اٹھا لاتے ہیں۔ انسپکٹر صاحب بیٹھ کر فیضو نواب کو اٹھوا منگواکر سامنے بٹھاتے ہیں۔ ساتھ ہی سکندر صاحب بھی بیٹھ جاتے ہیں۔

انسپکٹر : پراگندہ صاحب! آخر یہ کیا حرکت تھی سارے خاندان کو پھونک دینے والی ؟

فیضو نواب : (روہانسی آواز میں) جناب! میرا دماغ پراگندہ ۔ انتشار کا شکار ہے۔

انسپکٹر : وہ تو آپ کے اسم گرامی اور صورتِ حال ہی سے ظاہر ہے۔ پراگندہ !

سکندر صاحب : (کندھے پر دھپ لگاکر) بچھوں کا منتر نہیں آتا۔ سانپ کی بل میں ہاتھ ڈالتے ...... اولاد کو سنبھالنے کی حیثیت نئی نا تو کیا ضرورت تھی یہ انڈیا چینا کی فوج کھڑی کرنے کی۔ مرتے مرتے (انسپکٹر کو مخاطب کرکے) ماں بول کے مری "ماں بھی تم اچ۔ باپ بھی تم اچ۔ میرے بچیوں کو جتن سے رکھنا۔" یہ جتن کررئیں آپ ؟ یہ وفاداریاں نبھارئیں آپ !!؟"

فیضو نواب : (نہایت عاجزی کے ساتھ) آپ دہلی چلے گئے تھے۔ ممانی جان بڑی بھاوج کے چکّر میں آگئے۔ یہ سوچ سوچ کے کہ اچانک مر گیا تو ان بچوں کی تباہی ہو جائے گی مئی ان کے چکّر میں آگیا۔

سکندر صاحب : لیجئے۔ اپنی موت کے ڈر سے جینے والوں کو موت کے گھاٹ اتارنا چاہے۔

انسپکٹر : آپ کامریڈ سے تو مشورہ کرلیتے۔ ساری بستی پر ان کا سکہ چلتا ہے۔ پولیس ہی نہیں ایم یل اے۔ ام پی از بھی کامریڈ سے مشورہ کرتے ہیں۔

فیضو نواب : ہماری بھاوج نے ایسا رنگ جمایا۔ ایسا ڈرایا کہ میری مت ہی ماری گئی۔

سکندر صاحب : وہ تو دلال عورت ہے سوبار پولیس چوکی پولیس لاک اپ کی ہوا کھائی ہوئی۔ رہے ممانی جان ایک ستر بہتر سالہ بوڑھی بیوہ سرَ۔ مایوس اور دنیا سے بیزار...... ان عورتوں کے نظریوں اور فیصلوں کو آپ تیرہ چودہ سالہ معصوم جوانیوں پر مسلّط کررہے تھے۔ بہت ظلم کیا ہے آپ نے بن ماں کی بچیوں پر...... سر۔ آپ پہلے اس شخص کو پاگل خانے بھجوایئے۔

انسپکٹر : وقت آنے دیو...... وقت آنے دیو۔ ابھی تو صبر سے کام لیجئے۔ صرف ایک موقعہ ! اور !

سکندر صاحب : (تلتلاکر) محض ایک موقعہ دیتے ہی یہ دوبارہ وہی کر گزرے گا۔ دیکھ لیجئے......

انسپکٹر : (فیضو نواب سے) آپ کو کچھ خبر ہے۔ جورو کو خوش کرنے صرف آپ کا لاڈلا بھائی۔ آپ کو آپ کے بچوں کو تباہ و تاراج کرتے ہوئے اس مکان پر قبضہ لینے۔ آیندہ اسکے ترکے سے دستبرداری لکھا پڑھا لینے یہ سب کچھ کروا رہا ہے۔ تاکہ آپ کی بچیوں کو وہ لوگ یرغمال رکھ کر آپ سے من مانی کرواتے رہیں۔ اور مفت کی غلامی کروالیں۔

فیضو نواب : سرکار۔ میری بھاوج بہوت چالاک اور شریر ہے۔ میرا بھائی ایسا نہیں ہے۔

[illegible] : واہ میاں واہ !! کیا نئی کرا اُنے۔ تم لوگاں کو بے گھر کرنے۔ بھول گئے۔

زہرہ بی : ہوبہو۔ بھائی ہے بھائی۔ ہوا تو بھائی نئی تو قصائی۔

انسپکٹر : بزرگوں کا قول ہے "برادر حقیقی دشمن تحقیقی۔ پس پردہ آپ کا بھائی ہے۔ اس سارے ڈرامے کے!

فیضو نواب انوں تو چھے مہینے سے ویزاگ میں ٹریننگ لینے گئے ہوئے ہیں۔

انسپکٹر : کہیں گیا ہوا نہیں ہے۔ آپ کا بھائی ہوٹل میں جورو کے آشنا سعید کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ دونوں کو پکڑا منگوالیا۔ آپ کو معلوم ہے کیا نکلا آپ کے بھائی کی جیب سے۔

سکندر صاحب : ان کو بھائی کا اتہ پتہ اچ نئی معلوم۔ باقی کیا معلوم ہونگا؟

انسپکٹر : (جیب سے نکالتے ہوئے) یہ عشقیہ خطوط سوال وجواب کے ہیں۔ اس کی عورت کے آشنا نے قبول لیا یہ خط اس عورت نے اس سے لکھوائے ہیں۔ جو آپ کی دونوں بیٹیوں کے نام ہیں۔ اور جواب اس نے آپ کی بیٹیوں کی طرف سے اس کے نام لکھے ہیں۔ منصوبہ یہ تھا...... شادی کے فوری بعد سعید یہ سوال وجواب ہر دو کے سامنے رکھتا۔ اسی کو بہانہ بنا کر یہ لوگ معاف شدہ مہر کی بنیاد پر طلاق دیتے دونوں لڑکیاں گھر کی رہتیں نہ گھاٹ کی۔

ڈاکٹر شرما : (کھڑکی میں سے) یہی وہ عشقیہ خطوط ہیں جو اس عورت اور اس کی بہنوں نے گزشتہ مہینے سارے محلے میں گشت کروائے ہیں تاکہ سارے اہلیانِ محلہ آپ کی طرف سے بدظن ہوکر ہمدردی سے کنارہ کش ہوجائیں ...... اور بدنامی کے مارے آپ گھر خالی کر کے جدھر سینگ سمائے چلے جائیں...... یا خودکشی کرلیں۔"

انسپکٹر : اس سب سازش کے پیچھے آپکے بھائی کا حسد کہ آپ کو پیٹ بھر کر اولاد ہے اور وہ لاولد ہے آپ غریب ہوتے ہوئے بھی ایک کامیاب زندگی گزارے جب کہ وہ دولت رکھتے ہوئے بھی ناپیٹ بھر کھاسکا۔ نہ نیند بھر سوسکا۔ نہ من چاہا پہن پایا نہ زندگی کو چین کے ساتھ جی پایا۔ جب کہ اسکی جورو کو ہمیشہ یہ خوف لاحق رہا کہ اگر آپ مرجاتے ہیں تو آپ کے پیٹ بھر بچے آپ کا نام روشن کریں گے اور اگر آپ کا بھائی مرجاتا ہے تو جلد یا بدیر یہی بچے اس لاولد کے وارث بن بیٹھیں گے ...... ساتھ ساتھ اس مکان کے لئے جو جعلی کاغذ بنا کر وہ کرایہ وصول کرتے رہے وہ بنچ کے حالیہ فیصلے میں کالعدم ہوگیا ہے۔ آپ کسی بھی وقت ان دونوں کو عدالت میں گھسیٹ کر ہرجانہ وصول کرسکتے ہیں۔ عین موقعہ پر آپکی بیوی کی ناوقت موت نے ...... ان کے پلان کو موجودہ زیادہ موثر اور مستقل رنگ دیدیا۔ ورنہ معاملہ صرف محلے میں بدظنی اور بدنامی پیدا کر کے مکان خالی کروانے تک ہی محدود

رہتا۔ جس کے لئے تقریباً سات آٹھ مہینے پہلے یہ عشقیہ سوال و جواب لکھے گئے تھے۔

فیضو نواب : (پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے) اِدھر میں حیران ہوتا جارہا تھا کہ میرے پڑوسی جو میرے بھائی بہنیں میرے ہمدرد سکھ دکھ کے ساتھی ہیں۔ کیوں مجھ سے روکھا سلوک کرنے لگے......

بتول بی چنو / ماں زہرہ بی : (قریب آکر) ارے ہمارے لئے تو کالا اکھشر بھینس برابر......ہمنا کیا خبر...... کیا کیا باتاں ہوگئے پڑھے لکھے لوگاں بیچ...... ہم تو آپ کو پیرزادہ مانیں سو مانیں۔ سرکار (تینوں توبہ کرتی اپنی ناک چھوتی ہوئی قریب آکر بیٹھ جاتی ہیں۔)

انسپکٹر : لیکن اب آپکے لئے یہ خوشخبری ہے کہ اب ہم ڈاکٹر صاحب کی ہدایت کے مطابق دیگر تمام باتوں کے علاوہ اس گھر سے لاتعلقی بھی تحریری طور پر لکھوالیں گے اور اب آئندہ وہ کرایہ بھی وصول نہیں کر سکیں گے۔ (ایک کانسٹبل سے) تم جاکر پولیس اسٹیشن سے اس چکوترے قاضی کو گاڑی پر بٹھا کر لائیو...... ذرا اس کی بھی کلاس ہو جائے...... (دوسرے کانسٹبل سے) تم جاکر ڈاکٹر صاحب سے درخواست کرو کہ تھوڑا سا وقت نکال کر آجائیں۔

فیضو نواب : (اپنا رونا جاری رکھتے ہوئے) آپ کا شکریہ۔ آپ سب نے مجھے اور میرے معصوم بچوں کو برباد ہونے سے بچالیا...... (سینہ پیٹتے ہوئے) مروت کر کو مُردار کھالیا"۔ میں بڑا بھائی بڑی بھاوج مان کو ہمیشہ عزت دیا۔ بزرگ مان کو اطاعت کی۔ سو یہ سزا ملی مجھے۔

بتول بی : ارے باوا یہ سارے پوتا تین بھوکے پیاسے لڑھک گئے۔ غریب بن ماں کے بچے۔ چلو۔ زہرہ آپا...... اپنے ساتھ کھلا پلا کو سلالئیں گے۔

انسپکٹر : (سختی سے) پڑا سونے دو اٹھیں۔ جاگیں گے تو جینا حرام کر دینگے۔

سکندر صاحب : سرکار...... سب کچھ کرنے کے ساتھ ساتھ ذرا اس "نیم ملا خطرۂ ایمان (فیضو نواب کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) سے بھی تحریری اقرار نامہ کرالیجئے......ورنہ یہ بن ماں کے بچوں کو صلیب پر چڑھا جائے گا۔ لٹیا ڈبا دیکو جھنجھنا بجاتا پھرینگا۔

انسپکٹر : ساری خدائی ایک طرف...... سالے جنوائی ایک طرف سرکار!! (مضحکہ خیز انداز میں) اب آپ دونوں خاموش بیٹھو تماشہ دیکھو۔ میں سارے معاملے کو پی گیا ہوں۔ مستقل حل نکال کے ہی چھوڑوں گا۔ فی الوقت سید احمد۔ ہیداد خاں آفتاب خاں اس

عورت کا مرد آپ کا بھائی ارشاد نواب اور آشنا سعید سب کے سب پولیس کسٹڈی میں ہیں ۔ اور سب نے اپنا اپنا رول قبول لیا ہے ۔ یہ جو اِن کی بھاوج ہے ۔

سکندر صاحب : اختری...... نہایت بد معاش اور بد کارہ رانڈ ہے سو بار لاک اپ میں بیٹھ کر باہر آچکی ہے ۔

انسپکٹر : اسے ڈر ہے نہ شرم ۔ ساتھ اس کی دونوں بہنیں بنارسی اور جھانسی دونوں حرافہ ہیں حرافہ ۔ بد نصیبی ہے کہ وہ عورت اختری حاملہ ہے (فیضو نواب چونک جاتے ہیں) ورنہ لیڈی پولیس وہ سبق سکھاتی کہ آئندہ وہ کسی خاندان کے خلاف سازش کرنا تو دور نظر اٹھانے سے بھی ڈر جاتی ...... اب آپ لوگ بس ذرا صبر سے کام لے لئیو اور ہم کو اپنا کام پورا کرنے دو۔

فیضو نواب : (ہاتھ کے بے قرار اشاروں کے ساتھ) سرکار! میری طرف سے پوری پوری خاموشی ہے۔ "ہم نے مانا کہ تغافل نہ کروگے لیکن خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک۔"

سکندر صاحب : کیوں نہوُ! کرنے کا کر گزرے ۔ اب بلبلانے کی نوبت سامنے والوں کی ۔ سرکار کی ایک خاموشی ہزار بلاؤں کو ٹال لیگی ۔ خالی بیٹھ کو تماشے کے مزے اٹھاؤ...... (موٹر سائیکل کی آواز کے ساتھ ۔ پہلا کانسٹبل حواس باختہ قاضی کو پکڑ لاتا ہے)

انسپکٹر : (قاتلانہ نگاہ ڈالتے ہوئے) ہونہہ! مولوی صاحب! مونہہ میں رام رام بغل میں چھری ۔ بڑی کتاب بغل میں دبا کے غنڈوں کی سرپرستی...... قاضی بنے بیٹھے ہیں ۔ ذرا دلہوں کو اچھی طرح جانچ پڑتال کر لڑکی والوں سے توثیق نئ کرنا ۔ !بات مشکوک دکھائی دی تو پولیس کو خبر نئ دینا...... نکاح پڑھانے سے انکار نئ کردینا ۔ ارے تم تو مطلبی ہو مطلبی...... تم کو تو اپنی آمدنی سے سروکار ہے۔

قاضی صاحب : (لرزتے ہوئے) جناب! فریقین سب کچھ طئے کر کروالے کے ہم کو بلاتے ہیں۔ ہمارا کام تو بس آنا...... عقد کرواکر جانا ہے۔ ہمارا کیا قصور صاب۔

انسپکٹر : ہوُہوُ...... ڈوبنے والا ڈوبا ۔ یار فصیل پر...... کوئی مرے کوئی جئے ۔ آپ کے پچّے میں چکنی بوٹی ہے تو بس !!...... اب دیکھتا ہوں نا میں تم کیا کرتے ہو اور کیا نہیں کرتے !!

قاضی صاحب : (نہایت عاجزی سے) رحم کیجئے انسپکٹر صاحب ۔ میرا واسطہ دونوں فریقوں سے بھی نہیں ہے ۔ مجھے آزمائش میں مت ڈالو آپ !!

انسپکٹر : (طنزیہ) اچھا۔آپ کو آزمائش میں نئی ڈالتا۔ جھولتے چھپر کھٹ پر لِٹا کے پوجا کیا کرتوئں۔ فیس تو ہونا ہے نا آپ کو!! بہوت چلاّ رہے تھے نا "کم از کم دوسرا عقد تو ہو جانے دیو بول کے ؟!" ...... ٹھیرو ٹھیرو تماشہ دیکھو اب اچ کراتوں تمارا دوسرا عقد...... !

(قاضی صاحب سمٹ کر دروازے سے جالگتے ہیں) خیال رہے۔جانے نہ پائے

بتول بی زہرہ بی چنوں ماں وغیرہ : (ہاتھ جوڑ کر) اوے ہمیں جانا سرکار!!

انسپکٹر : ہاں ہاں میں تمارا ڈھول بجاؤں گا...... دھم دھما دھم دھم۔اور میرے جواناں ناچیں گے "تا تھیا کرتے آنا...... ۔"خبردار کوئی نہیں جائیگا سب گواہی میں جٹیں گے!!

بتول بی : (ڈھول تان کر) سرکار۔بچے بڑے گھر کا گھر بھوکے......

انسپکٹر : ٹھیرو۔کیوں تلملا رئیں۔ کھانا تو بڑے سرکار کے حکم پے پولیس ہی کھلائے گی...... صبر تو کرو!(دھمکاکر) بیٹھ جاؤ کونے میں!

سکندر صاحب : صاحب بہوت دیر ہوگئی۔ڈاکٹر صاحب نئی آئے۔ غالباً نہیں آئینگے۔وہ ہم سے ناراض ہوگئے......میں خود جا کے......

کامریڈ شرما : (قہقہہ لگاتے ہوئے) اجی! بندہ پرور! کاہے کو تکلیف فرماتے ہیں۔ ہم ٹھیرے غریب مزدور...... سماج سیوا کرنے والے...... ہم کھڑے ہیں دروازے پر کافی دیر سے دھینگانہ پکڑ کے۔اجازت عطا ہو تو اندر آجائیں......کچھ مہمان بھی ساتھ ہیں ہمارے۔

فیضو نواب : آیئے سرکار! بسر و چشم۔آیئے سرکار......آپ آتے ہیں تو غریب خانہ روشن ہوجاتا ہے۔

ڈاکٹر شرما : (طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے) بس چھوڑو میاں مونہہ دیکھی۔پیٹھ پے مُکا گال پہ تھپکی۔خوب دیکھ لیا......(بیٹھ جاتے ہیں اور زور سے) کیا صاحب کیا حکم ہے!

انسپکٹر : میں ہوں نا۔کر گزریئے جو کچھ کر گزرنا ہے!!

سکندر صاحب : انسپکٹر صاحب! یہ آپ کیا فرمارہے ہیں۔ذرا تو خوفِ خدا کیجئے۔بال بچوں والا رنڈوا ہے۔ بے یار و مددگار......سزا سرزنش سے زیادہ سولی بن جانا اچھا نئی......!

انسپکٹر : ......لیجئے......پانی ڈھلان کو ہی ڈھلتا ہے ۔ گانے لگے بھونئی کی۔

فیضو نواب : (انتہائی خوفزدگی کے ساتھ) جو کچھ بھی ہوا ہے میری لاعلمی میں ہوا ہے۔جناب!

انسپکٹر : (ڈپٹ کر) لاعلمی اور غفلت کی کوئی حد بھی ہوتی ہے۔ کچھ خبر بھی ہے تمارے چھیاں کہاں ہیں۔ (فیضو نواب گھبرا کر ادھر ادھر تاکتے ہوئے) "میرے بچے۔اللہ

میرے بچے''

سکندر صاحب : کہاں ہونگے۔ڈاکٹر صاحب کے کلینک میں ہونگے۔''پالتو کی دوڑا پنے تھان تک......!!

انسپکٹر : (ڈپٹ کر) آیئے ...... سب کے سب اندر آجایئے! ڈاکٹر بابو۔ ماسٹر کلیم۔ مرزا چاچا۔ ظہور چاچا۔ (دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ جاری ہوتا ہے)'' نصیب در پے تیرے آزمانے آیا ہوں۔'' سجاد بھائی کے پیچھے چشتی بیگم ۔ ممانی جان۔ عالیہ آپا ۔ فریدہ وغیرہ داخل ہوتی ہیں۔

انسپکٹر : (ڈپٹ کر) آپ سب کے گھروں میں بھی ان کے بیٹیوں کے عشقیہ خطوط اور جواب گشت کروائے تھے ارشاد خاں ان کے بھائی۔ اختری بیگم ان کی بھاوج نے......

کئی آوازیں : جی ہو ہمارے گھر میں۔ ہمارے بھی گھر میں ہمارے پاس بھی۔

فیضو نواب : رحم کیجئے۔ رحم! انسپکٹر صاحب! آپ کے پیٹ میں بھی چیاں ہوں گے۔ میرے معصوم چیوں کو خودکشی پر مجبور کر رہے ہیں آپ۔ رحم۔

انسپکٹر : (سنی ان سنی کرکے) کہاں ہیں ان کے بیٹیاں حاضر کرو۔ فوراً انکوائری ہو کے رہے گی۔

ڈاکٹر شرما : ہاں۔ سچائی کا منظر پر آجانا ہی ضروری ہے۔ اسی میں سب کی بھلائی ہے۔

سکندر صاحب : (باغیانہ لہجے میں) سر آپ نے ابھی ابھی کہا تھا اس عورت کے آشنانے اور عورت نے ان چیوں کے نام سے خطوط بنائے۔

انسپکٹر : لیکن جوان لڑکیاں ہیں نہ انھوں نے اقرار کیا نا انکار......انکوائری

(کلیم آگے بڑھ کردروازے کھولتے ہی ایک انتہائی دردناک منظر دکھائی دیتا ہے ۔ تمام بچیاں آڑھے تیڑھے ایک دوسرے کے اوپر لادی کی مانند لدی معصومیت بھری نیندسورہی ہیں ۔ان سب کے دونوں طرف یکم الف اور یکم بے ٹیکا لگائے سورہی ہیں ۔ حالات یا شور کا ان پر کوئی اثر ہی نہیں ہے ۔ تمام لوگ حیرانگی اور رحم آمیز شفقت کے ساتھ یہ منظر دیکتھے ہیں ۔ فیضو نواب " میرے بچیاں میرے بچیاں " چلاتے ہوئے کمرے میں جانے کی کوشش کرتے ہیں پیچھے سے انسپکٹر صاحب گھسیٹ لیتے ہیں " ارے شیروانی ...... تم سے بڑی پریشانی ہے ۔ چلے ہیں ...... بیل گنوا کر رسی لانے !" (ڈپٹ کر حکم جاری کرے ہوئے اپنی جگہ بیٹھ جاتا ہے) فوراً اٹھاؤ۔ تمام شریر لڑکیوں کو۔ اصل فساد کی جڑ او پر والی دونوں لڑکیاں ہیں۔ ان ہی کی سرکوبی ہو جائے تو آئندہ نقضِ امن کا اندیشہ ہی نہ رہے گا۔!!

ڈاکٹر شرما : آپ صحیح نتیجہ پر پہونچ چکے ہیں !!

فیضو نواب : (اپنے بال نوچ کر پچھاڑی کھاتے ہوئے) آہ۔ہا۔ جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

ڈاکٹر شرما : (ترکی ب ترکی) ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا
آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا

انسپکٹر : ابھی تو شروعات ہونے جا رہی ہے۔

سکندر صاحب : (کامریڈ شرما کی تھوڑی اٹھاکر) سرکار! روک لو گر غلط چلے کوئی
بخش دو گر خطا کرے کوئی

ڈاکٹر شرما : (ڈپٹ کر) کون ہے جو نہیں ہے حاجت مند کس کی حاجت روا کرے کوئی
بس بس بہت ہو چکا۔ اب معاف کریں ۔ ہم کچھ نہیں کر سکیں گے۔

فیضو نواب : (اپنے گالوں پر خود آپ چانٹے لگاتے ہوئے) جب توقع ہی اٹھ گئی غالبؔ
کیوں کسی کا گلہ کرے کوئی
آج تک آپ احسان سے کام لیتے رہے۔ اور اب آپ نے بے رحمی اور جفاکشی کا مظاہرہ شروع کر دیا ہے۔ بے کار ہے اب اس دنیا میں میرا جینا۔۔۔۔۔ کل تک جو میرے ماں جائے بھائی سے بڑھ کر تھا۔ میرے سکھ چین میں خوش۔ میرے دکھ میں ہمدرد محسن...... میری گرہستی کا جو حجاب بھائی بہن کے آگے نئی اُٹھا وہ حجاب اس کے میرے بیچ کبھی نہ رہا...... اور آج وہی مجھے اندر کرانے ایڑی چوٹی کا زور لگا رہا ہے۔ تف تھو ہے۔ لعنت ہے ایسی زندگی پر...... میں ہی مونہہ کالا کر جاتا ہوں۔
(ریکارڈ جاری ہوتا ہے۔ " اے میرے دل کہیں اور چل غم کی دنیا سے دل بھر گیا۔")

فیضو نواب : میں تو یہ سمجھتا تھا۔ آدمی ہو رنج کا خوگر تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں
لیکن بے وفائی بے رحمی اور شقاوت عینی کی یہ چوٹ بڑی بھاری پڑ گئی ہے۔ (مجنونانہ سر ہلاتے ہوئے) اب نئی جیوں گا...... اب زندہ نئی جیوں گا۔ (چلّا کر) اور میرا خون ناحق ...... کامریڈ ! صرف تمھاری گردن پر ہوگا...... صرف تمھاری !! (ممانی جان اور فریدہ بیگم انتہائی سنجیدگی و بے بسی کے ساتھ پریوں جیسی بچیوں

کو ادھ کچی نیند سے جگا کر انسپکٹر کے سامنے ایک قطار میں کھڑا کر دیتے ہیں جو دانت پیس پیس کر قہار نظروں سے گھور رہا ہے۔اس منظر کو دیکھتے ہوئے لاچارگی سے ہاتھ ملتے ہوئے)

"خیر میں اپنے اللہ سے رُجوع ہوتا ہوں ڈاکٹر صاحب !

مدعی لاکھ برا چاہیں تو کیا ہوتا ہے ۔ وہی ہوتا ہے جو منظورِ خدا ہوتا ہے

انسپکٹر : کہہ دو ان "حسرتوں" سے کہیں اور جا بسیں۔(ہال کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) اتنی جگہ کہاں ہے ...... دلِ داغدار میں : ہونہہ ! تو یہ ہیں وہ فساد کی جڑیں۔ جن کی وجہ سے محلّہ بھر میں امن وامان تہہ وبالا ہو گیا ہے۔ ہر کوئی یاد رکھے تا عمر۔ میں اس زون کا سب سے زیادہ خنّاس انسپکٹر ہوں۔ ٹھگ چور ڈاکو مجرم خاص کر سڑک چھاپ فرہاد ایک دوسرے کو میرا نام لے کر ڈراتے ہیں۔ میں عاشقوں اور ان کی معشوقاؤں کے سر مونڈھ کر کھلے عام پریڈ کرواتا ہوں کیوں ...... کیوں کہ مجھے بھی عشق میں زبردست مار پڑ چکی ہے (ڈپٹ کر) ٹھیر جاؤ...... اب میں خوب انتظام کرتا ہوں...... اجازت ہے کامریڈ ؟

ڈاکٹر شرما : (کمال سرد مہری سے) انکوائری آدھوں سے یہاں آدھوں سے وہاں۔ فیس ٹو فیس مونہہ در مونہہ بڑی پرفیکٹ ہوتی ہے۔ حجّت اور حیلے باقی رہ نہیں جاتے VIP مہمان بھی یہیں ہو جاتے تو......

انسپکٹر : (کانسٹبل کو آواز دے کر) یہاں میڈیکل شاپ سے فون کر کے لیس آئی کو کہو مناسب جمعیت کے ساتھ تمام ملزمین کو کچھ دیر کے لئے یاں فوراً بھیج دے۔اور وہ قاضی کا بچہ کہاں ہے جو موقعہ واردات پر پکڑا گیا۔ (چلّاکر) دیکھو جانے نہ پائے۔ دیکھو (قاضی صاحب لرز کر) "میں یہاں اُجڑا ہوا ہوں مالک" (بچیوں کو اشارہ کرتے ہوئے) ادھر آؤ تم لوگ۔ تم لوگ یکم سے نہم ہونا۔ (بچے بے بسی سے باپ کا مونہ دیکھتے ہیں)

فیضو نواب : (پچھاڑیاں کھاتے ہوئے) چھو!! دُعا دیو ...... دُعادیو...... اپنے تایاجان تائی جان کو ...... آج تمارے گھر کی عزت چوراستے پر لُٹ گئی......چھو! آج تمارے باپ کا مونہہ کالا ہو گیا۔ ہاء...... مارا زمانے نے اسد اللہ خاں تمہیں

مخدوم : ہائے مارا زمانے نے خودّار خاں تمہیں۔ (شاعرِ دکن مخدوم آتے ہیں)

ڈاکٹر شرما : شروع ہو جاؤ آفیسر...... میرے پاس وقت ہے نا آپ کے پاس......
ارے ...... آؤ کامریڈ آؤ...... سرخ سویرے کے نقیب ......

انسپکٹر : (اٹھ کر سلاؤٹ مارکر ہاتھ ملاتے ہوئے) جناب آپ کو کون نہیں جانتا ......
آپ تو دکن کی ناک ہیں...... اس صدی کے شاعر انقلاب مخدوم!

مخدوم : (شکریہ ادا کرتے ہوئے بیٹھ جاتے ہیں ڈاکٹر شرما سے رازدارانہ گفتگو شروع ہوتی ہے)

انسپکٹر : (حاضری لینے والے انداز میں) ...... نام عمر اور اسکول کا درجہ لکھواؤ ...... یکم الف

یکم الف : (تھر تھر کانپتے ہوئے محویت کے ساتھ) سیدہ زہرہ جبین فاطمہ حنا۔ چودہ سال گیارھویں۔ انسپکٹر ڈاکٹر شرما اور سارے حاضرین اچھل پڑتے ہیں ...... ''کیا؟'')
(یکم الف دہراتے ہوئے) سیدہ زہرہ جبین فاطمہ حنا عمر چودھواں سال کلاس گیارھویں ۔انسپکٹر ...... کمال ہے بھی ۔ان کے بھائی بھاوج بلکہ اکثر محلے والے بتلائے کہ یہ اتنے مجہول لوگ ہیں کہ ان کے نام تک نہیں ہیں۔ (یکم بے کو ڈنڈے سے اور باری باری سب کو چھوتا جاتاہے)

یکم بے : چودہ سال۔ گیارھویں سیدہ مہہ جبین فاطمہ ثانیہ

دوم الف : ماہ لقا جبین فاطمہ ۔ دُعا ۔ تیرہ سال دسویں ۔

دوم ب : سیدہ مہر نگار فاطمہ ۔ ندا ۔ تیرہ سال دسویں۔

سوم : سیدہ ماہ مبین فاطمہ نگین۔ بارہ سال نویں۔

چھارم : سیدہ ثریا جبین فاطمہ سارہ ۔ گیارہ سال۔ آٹھویں۔

پنجم : سیدہ شہیرہ کونین فاطمہ سُمعیہ دس سال ساتویں

انسپکٹر : (ڈراونی گھری ہونہہ کے ساتھ) آؤ...... آؤ سامنے آؤ خاندان نواباں کے چشم و چراغ......

ششم : سید شاہنواز احمد خان عبید نو سال۔ چھٹویں۔

ہفتم الف : سید شاہکار احمد خاں جہانذیب آٹھ سال۔ پانچویں۔

ہفتم ب : سید اورنگ زیب خاں مہر زیب آٹھ سال۔ پانچویں۔

ہشتم الف : سید منظر حسن احمد خان ناظر۔ چھ سال کا ہوں۔ دوسری میں پڑھتا ہوں۔

ہشتم ب : سید انتصار احمد خان کوکب ۔ میری عمر چھ سال ہے تیسری جماعت میں پڑھتا ہوں (دیوار کو اشارہ کرتے ہوئے) غازی بھائی کا دوست ہوں۔

فیضو نواب : (چلاکر) بس۔بس۔باس ہشتم (ب) بس کبھی ہوا کرتا تھا ایک نہم۔ سید ذوالفقار احمد خاں علی۔جواب جنت نشین ہے۔(پھوٹ پھوٹ کر روتے ہیں)

کامریڈ شرما : کمال ہے بھئی ...... منحنی سا یہ شخص ......ارے آدمی ہے یا بچوں کی ٹکسال ۔

مخدوم صاحب : ارے صاحب!!خاندان مغلیہ کی یاد تازہ کر گیا ہے یہ شخص !!

گلی کے باہر : (زبردست نعرہ) شد اد اعظم المتخلص بہ ملعون ......(کانسٹبلز باہر دوڑتے ہیں ۔ انسپکٹر منع کرکے بلا لیتا ہے) یار! عقل ہے ؟ کیا خبر کون کس سے کیا کہہ رہا ہے ......" ہاں۔ نکلے ہیں آپ ہوائیوں کو زنجیر پہنانے۔ (دو نوجوان سہمے ہوئے قاضی صاحب کو بازوئوں سے پکڑ کر آگے لاتے ہیں) ہاں مضبوط پکڑ کر کونے میں بیٹھ جاؤ۔ چڑیا اڑنے نہ پائے۔"

فیضو نواب : (پچھاڑیاں کھاتے ہوئے) ہوئے ہم جو مر کے رسوا ہوئے کیوں نہ غرق دریا۔

انسپکٹر : آجاؤ...... آپ لوگ اندر آجاؤ...... (دو قدآور نوجوان سہرے میں منہ چھپائے داخل ہوتے ہیں ۔ لوگ حیران اور مزید سراسمہ ہوجاتے ہیں ۔)

فیضو نواب : (جو شعر کے "نہ کبھی جنازہ اٹھتا نہ ...... آ ...... آ ......حصے سے گذر رہے تھے ۔ لانبی "نا" کے ساتھ ...... اُچھل پڑتے ہیں اس کے ساتھ ہی ۔ ارشاد علی ۔ سعید ۔ بیداد خان ۔ آفتاب خان بڑی دلہن ۔ بنارسی بیگم ۔ جھانسی بیگم وغیرہ وغیر ہ پولیس کی نگرانی میں لائے جاکر دیوار کے ساتھ قطار میں کھڑے کردئے جاتے ہیں ۔ ساتھ ہی اہالیان محلہ کا ریلا آجاتا ہے ۔ جسے پولیس جوان دروازے پر روک لیتے ہیں ۔ انسپکٹر ظہور بھائی کو ہدایت دیتا ہیکہ لڑکوں کے چہرے پر سے سہرے ہٹا دیں ۔ سہرے کے اندر سے کنول کے پھول کی مانند کھلے تروتازہ خوبرو چہرے نمایاں ہوتے ہیں ڈاکٹر اور مسز شرما کے اشارے پر انسپکٹر کارروائی آگے بڑھاتے ہوئے)

انسپکٹر : سیدہ مہہ جبین فاطمہ ثانیہ ......کیا آپ یہ محترمہ چشتی بیگم صاحبہ اور ظہور انکل کے بھتیجے سید اعجاز حسین عرفان سے عقد قبول کریں گے۔ بولئے جلد بولئے۔

(یکم ب دونوں ہاتھوں میں چہرہ ڈھانپ کر گٹھری کی مانند نیچے بیٹھ جاتی ہے)

ڈاکٹر و مسز شرما : ہمیں قبول ہے دل و جان سے قبول۔ (ممانی جان فریدہ بیگم سکندر صاحب) قبول ہے۔ قبول ہے۔ قبول ہے۔

انسپکٹر : سیدہ زہرہ جبین فاطمہ حنا ہم آپ کا عقد چشتی بیگم صاحبہ اور ظہور احمد صاحب کے فرزند ارجمند سید غازی حسن عدنان سے کرانا چاہتے ہیں۔ قبول :...... ؟

(یکم الف ہلکی سی چیخ کے ساتھ یکم ب پر ڈھے جاتی ہے)

ڈاکٹر و مسز شرما : ہمیں قبول ہے۔ دل و جان سے قبول ہے۔

انسپکٹر صاحب : (سکندر صاحب کو ڈپٹ کر) اِدھر آیئے میری طرف خدائی فوجدار۔

سکندر صاحب : (ہاتھ جوڑے ہوئے سامنے آجاتے ہیں) حکم فرمایئے !

انسپکٹر : بٹھاؤ لڑکوں کو عقد کے منڈپ میں اور کہو اس پاجی قاضی سے عقد کی تیاری کرے۔ (فریدہ بیگم سے) بٹھاؤ اماں لڑکیوں کو عقد کے منڈپ میں...... (اشارے سے دوم الف اور دوم ب کو پاس بلاتا ہے ۔ لڑکیاں لرزتی کھڑی ہیں ۔ (جیب سے سو سو روپے کے دو نوٹ نکال کر ان پر یک ایک روپیہ رکھتے ہوئے) کامریڈ...... میری مدد کیجئے (ڈاکٹر شرما اور مخدوم صاحب " جی فرمائے " کہتے ہوئے قریب آجاتے ہیں ۔ تینوں میں کچھ کانا پھوسی ہوتی ہے ۔ پھر وہ سکندر صاحب سے اور ڈاکٹر و مسز شرما سے کانا پھوسی کرنے کے بعد انسپکٹر فیضو نواب کی جانب متوجہ ہوتا ہے)

سکندر صاحب : (چلاّ کر) نئی نئی ...... پلیز اس شخص "احمق الذی" کی رضا نئی...... قطعی نئی...... نکّو نکّو...... ہر بھلی بات میں لات اڑاتا ہے !!...... میں ہوں نا میں...... ضامن......"

انسپکٹر : میں آپکی ضمانت تسلیم نہیں کرتا...... ضمانت ذمہ دار صاحب حیثیت شخص کی ہونی ہوتی ہے اور وہ باپ ہے بقید حیات ہے۔

سکندر صاحب : (ڈگیں ڈال کر) "تو پھر لے لیجئے ڈاکٹر شرما اور مسز شرما کی ضمانت" (دونوں سر تسلیم خم کرتے ہوئے آگے آکر) "ہشتم ب! ہشتم الف ! ذرا دودھ پیڑوں کی تھال تو

لاتا......"(ہشتم الف دودھ پیڑوں کی تھال اٹھا لاتا ہے اور اپنے ننھے ننھے ہاتھوں سے مسٹر اور مسز شرما کو پیش کر دیتا ہے۔ ہشتم ب دبکتے ہوئے غازی کے قریب آکر شیروانی کھینچتے ہوئے)......غازی بھائی......آپ تو بولے تھے یکم الف کو سولہ آنے دولن بنا دیوں گا اور پیسے بھی لاؤں گا اور زیور بھی۔"

غازی : (گردن جھکا کر) اریار......پورے سات دن مکہ مسجد کے سامنے رومال بچھا کے جمع کرا ہوں یہ سارا روپیہ...... ٹھیرو...... اب آئے گا مزہ......بہوت بڑی دعوت گھٹ ہے گھٹ۔ (مسز شرما مخدوم صاحب سے درخواست کرتی ہیں لیکن وہ چمک کر پیچھے ہٹ جاتے ہیں)

مخدوم صاحب "ارے بھئی......یہ سارے کام......صرف اور صرف وزارتِ بیگمات کے ہوتے ہیں۔ (مسٹر شرما کو بھی گھسیٹ لیتے ہیں) ہم مردوں کو معاف ہی رکھئے۔"

انسپکٹر : (بڑے غوز اور تجسس کے ساتھ جائیزہ لیتے ہوئے) بیگم شرما کی رعایت سے شرما صاحب کو تو چھوڑ دیجئے۔"(دروازے پر آواز......"ہفتم......ہفتے......"ہفتم "پنڈت چاچا کہتے ہوئے دوڑ کر باہر نکل جاتا ہے۔ جوان ڈراتے ہیں لیکن وہ لپک کر پنڈت چچا کی گود میں چڑھ جاتا ہے)۔

ہفتم : "پنڈت چاچا......پنڈت چاچا...... آپ دیس سے واپس آگئے......چاچا میں بہت دیر سے دعا کر رہا تھا آپ آکے مجھے چالیناول کے......ہم سوب کو پولیس انکل لے کے چلے جارئیں۔"

پنڈت جی : (پیار سے) کیا ہو گیا ہے رے (اندر جھانکیتے ہیں)

ہفتم : (انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے) وہ ہیڈ ماسٹر پولیس صاحب ہے ناوہ پوروں کو پوروں کو پکڑ کے لیکے چلے جارئیں۔ یکم دوم سوم سب کو اور مجھے بھی......"

(ڈاکٹر شرما اپنی ہتھیلی میں روپئے اٹھا لیتے ہیں...... مسز شرما دودھ پیڑے......) مسز شرما: "دوم الف......دوم ب (دونوں لرزتے ہوئے آگے آتی ہیں قریب کھنچ کر باری باری گلے سے لگاتے ہوئے مونہہ میں ایک ایک دودھ پیڑہ رکھتی ہیں اور ہاتھ میں ایکسو ایک روپیہ......انسپکٹر صاحب دوم الف اور ب کی منگنی اپنے دو بیٹوں سید شہزاد مشہود عبداللہ ......اور سید شہوار مسعود فیصل سے کرتے ہیں جو بالاتفاق جڑواں ہیں۔ انسپکٹر صاحب ہی کی مانند بہت اسمارٹ)

آواز : السلام و علیکم !(سارے لوگ چونک کر دیکھتے ہیں پولیس کا جوان سولہ سولہ سالہ دو نہایت خوبرو نوجوانوں کو آگے بڑھا تا ہے ۔ اور انسپکٹر صاحب کو کچھ پیش کرتا ہے ۔)

انسپکٹر : بہت خوب ! بہت خوب! (دونوں لڑکوں کو ایک ایک انگوٹھی دیتے ہوئے) "مشھود! بند کر لو اپنی آنکھیں......اور دونوں میں سے کسی ایک لڑکی کو پہنادو انگوٹھی......اور مسعود......جو بچ جائیگی اسے تم پہناؤ گے......(مشھود کی انگوٹھی دوم بے کی انگلی میں پڑتی ہے اور مسعود کی انگوٹھی۔ دوم الف کو پہنائی جاتی ہے)

فیضو نواب : سکندر میرے بھائی۔ اللہ مجھے معاف کردے۔ میں تو مرنے کی لاگ میں پاگل ہو گیا تھا بے شک میں باپ کہلانے کے لائق نہیں ہوں۔ شرما بھائی۔ شرما بھائی اصل ماں باپ ہیں میرے بھائی ......وان اٹالے پر بڑے صندوق میں امّاں بی جانی کو چڑھائے سو دوچار طلائی نقرئی زیوراں پڑے ہوئے ہیں ۔ ذرا اٹھا کے لالے ۔ میرے بھائی" ۔ (سکندر صاحب چابیاں لے کر چلے جاتے ہیں ۔ ارشاد علی سعید بڑی دلہن اور سارے ملزمین کے چہرے وقفے وقفے سے جل کر مسخ ہوتے چلے جاتے ہیں جیسے ہر ہر بات ان کے دل پر چوٹ لگارہی ہو ۔ قاضی صاحب اعلان کرتے ہیں) "عقد کی تیاری مکمل ہے بٹھائیے دلہا کو مسند پر ۔ (ممانی جان ۔ فریدہ بیگم،کلیم میاں بابو میاں وغیرہ مل کر دونوں دولہوں کو مسند پر بٹھا دیتے ہیں ۔ سکندر میاں چھوٹا سا نقرئی جڑاوی ڈبہ لیکر آتے ہیں)

ڈاکٹر شرما : یار تم انسان ہو یا مصری جادوگر...... ہمیشہ پرانے پرانے نایاب اشیاء نکالتے ہی رہتے ہو۔

زہرہ بی : فقیر کی گوڈری میں لاکھوں کا لعل۔

بتول بی : اسی لئے تو اچ بولتیں...... لعلوں میں لعل گوڈری کا لعل۔ جواہر لعل

چنوبی بی : اوئے اوئے یا تو لعل اچ بول یا تو جواہر بول......

ہفتم : جواہر لعل۔ لعل+ لعل دو دو لعل۔

فیضو نواب : (ڈبے میں سے چار مردانی انگوٹھیاں اور دو زنجیریں نکال کر دیتے ہوئے) شرما بھائی۔ چاروں لڑکوں کو ایک ایک انگوٹھی پہناڈالو آپچ......!

سکندر صاحب : لاؤ وہ زنجیریں فریدہ کو دو...... وہ بہت دیر سے طلب کر رہی ہیں۔

ڈاکٹر شرما : (پہلے مشہود اور فیصل کو انگوٹھیاں پہنا کر غیضو نواب اور انسپکٹر صاحب کے گلے ملواتے ہیں اور قاضی صاحب سے) قاضی جی! عقد کے بعد صرف دولہوں کو اٹھایئے...... آپ کا منڈپ بنائے رکھیے (دونوں لڑکوں کا عقد ایجاب و قبول ہو جاتا ہے۔ صرف میوہ لنڈھانا باقی ہے)

مسز شرما : غالباً اب جب کہ غازی اور عرفان کے عقد اپنی پسندیدہ لڑکیوں سے ہو چکے ہیں ہمیں مسلسل ریکارڈنگ کا نشانہ بنتے ہوئے......

انسپکٹر : بور نہ ہونا پڑے۔

مسز شرما : نہیں جی۔ بور تو نہیں ہوتے۔ ہاں کام چھوڑ کر جنگل کا رخ کرنے جی چاہتا تھا۔ گویا......

انسپکٹر : تاکہ "لیلیٰ لیلیٰ پکاروں میں بن میں چلاتے پھریں"......

مسز شرما : نہیں جی...... بھئی بولیئے نا آپ ڈاکٹر صاحب۔

ڈاکٹر شرما : تاکہ...... چلا سکیں۔ آ عندلیب مل کے کریں آہ و زاریاں

تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

(کنکھیوں سے اپنی بیگم کو دیکھتے ہوئے) کچھ چوٹیں کچھ زخم اور چند داغ اس دل ناچیز پر بھی ہیں۔" ویسے ...... پراگندہ صاحب نے سارے محلے کو شاعر بنا دیا ہے۔ مخدوم بھائی کو چھوڑ کر...... ہاں ذرا سی زحمت اور ...... بھائیو بہو اور ساتھیو!! آج کیم الف اور کیم بے کی شادی کو لیکر محلے میں جو "فرقہ وارانہ فسادات اور کرفیو سے بدتر جیسے" حالات پیدا ہوئے۔ جس طرح گزشتہ مہینے بھر سے ایک کمزور سے شریف مرد اور اس کی بچیوں کو بدنام کیا گیا۔ اور جس طرح ان کو ان کے اپنے جائز مکان سے بید خل کرنے کی سازش کی گئی۔ وہ معمولی داؤ پیچ نہیں تھے۔ اس کے باوجود ہر حالت میں اس محلے نے اپنے پڑوسی کا ساتھ دیا اور ثابت کر دیا کہ یہ محلہ۔ محلہ نہیں ایک خاندان ہے...... ہم "ایک" ہماری ضروریات "ایک" ...... ہماری زندگی "ایک" ہمارے دکھ سکھ "ایک!" میں نے اس خاندان کے مستقبل میں مستحکم تحفظ کے لئے انسپکٹر صاحب سے قانونی۔ مخدوم بھائی سے اخلاقی مدد لی...... اور اب ان بچوں کو اپنا اپنا مستقبل بنانے کی مشروط آزادی دی گئی۔ غازی اور عرفان جو ابھی زیر تعلیم ہیں۔ یہ اپنی تعلیم پوری کریں گے۔ لڑکیاں بھی ڈگریاں مکمل کریں گی تب تین سال بعد رخصتی ہو گی جب

لڑکے اکیس اور لڑکیاں سترہ کی ہو جائیں گی۔ دوسری طرف۔ مشہود اور فیصل جو صرف فرسٹ ایر انٹر کے اسٹوڈنٹ ہیں اپنی تعلیم مکمل کریں گے۔ تب رخصتیاں ہونگی۔ (تالیاں)

فیضو نواب : (قنوطیت کے ساتھ ڈرتے ڈرتے) زندگی ایک پُل صراط ہے۔ جس پر ہر ہر نفس اپنی اپنی صلیب اپنے اپنے کاندھوں پر اٹھائے رینگ رہا ہے...... میں تو اس حالت میں ہوں کہ اب گرا کہ اب گرا...... ادھر کھائی ادھر خندق...... اتنا بڑا عرصہ کیسا کٹیں گا؟

مخدوم صاحب : آپ کی سوچ کا فتور ہے سید بھائی۔ جو اچھے بھلے بابل والے معلق پل کو پل صراط سمجھ کر قنوطیت پر کمر بستہ ہے۔ مثبت انداز میں سوچنا سیکھئے۔ (ڈاکٹر شرما کو مخاطب کرتے ہوئے) کامریڈ...... ادھر والی پارٹی لنگڑی ہے اور پل صراط پر کھڑی ہوئی۔

ڈاکٹر شرما : لگا تا ہوں۔ ابھی ٹانگ لگا تا ہوں آخر ڈاکٹر کس لئے ہوں۔

فیضو نواب : ڈاکٹر صاحب...... میرے بھائی۔ بہت بہت شرمندہ کردیا۔ ذرا تو لحاظ کرو جانی آپ کو راکھی باندھ کر نہال ہو جاتی تھی۔ ذرا پاس کرو۔ ارے ٹانگ کیا لگاتیں۔ لاتاں لگاؤ منے...... اپنی جوتی لیکو تابڑ توڑ مار مار کر میری سر کولی کردیو۔ مگر ایسا دل بخو جلاؤ۔ دیکھو۔ میرا ہارٹ فیل ہو جارائے۔

ڈاکٹر صاحب : ہاں ہاں اطمینان سے ہونے دو ہارٹ فیل...... میں بھی دیکھتوں کیسا ہونگا ہارٹ فیل (ڈپٹ کر) سید بھائی! ڈاکٹر ہوں ڈاکٹر...... اور ماہر نفسیات بھی...... رنگیلے کو کاٹ کھلانے والا ڈنڈ پیلنے والا اکھاڑے کا پہلوان نہیں ہوں...... آپکے رنگیلے کو ٹانگ پے ٹانگ لگا کر چیر پھینکنے والا (فیضو نواب کی حلق سے زبردست آہ۔ رنگیلا...... "ننھا" نکل جاتے ہیں) ملینا جی...... :

مسز شرما : (فوراً متوجہ ہوجاتی ہیں) جی...... فرمایئے!

ڈاکٹر شرما : ہونے والی دلہن کو لایئے۔ (مسز شرما سسٹر صوفیہ کو جو ہلکی جامنی کامدانی ساڑی میں ملبوس ہیں بازو سے پکڑ کر آگے لاتی ہیں جو بوکھلا جاتی ہیں۔ حاضرین کے مونہہ سے "اوہ!" نکل جاتی ہے)

ڈاکٹر شرما : صوفیہ!! زندگی کی رفاقت زندہ افراد کے سنجوگ ہی سے ہوتی ہے۔ مُردے اور مُردہ نام صرف تاریخ کا ایک حصہ بن جاتے ہیں۔ ماضی کی پہچان کا...... زندگی کے متلاطم دریا کا سفر بہت لانبا بھی ہوتا ہے۔ خطرناک بھی۔ تنِ تنہا عورت ہو یا تنِ تنہا مرد...... انہی خطرات

اور طلاطم کو لے کر موت کی گھاٹی میں گر جاتے ہیں۔ اپنے آپ اور اپنی صلاحیتوں کو ضائع کر دینے کے بعد......

مخدوم صاحب : صوفیہ!! پلیز...... زندگی کو زندگی سے ٹکرا دو...... مردہ قبروں کے اندھیروں کو خیر باد کہہ دو...... باہر نکل آؤ...... تاکہ (بچوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے) اتنے سارے معصوم انسانوں کو مایوسی غم اور قنوطیت کے غلبے سے بچایا جا سکے۔

ڈاکٹر شرما : (ٹھڈی اٹھا کر متوجہ کرواتے ہوئے) میں آپ کا باس ہی نہیں۔ ماہر نفسیات بھی ہوں۔ اگر آپ میری بیٹی ہوتیں تب بھی میں یہی تجویز کرتا...... جو مسئلہ سید بھائی کا ہے وہی مسئلہ آپ کی گرہستی کا بھی ہے...... سید بھائی کی رِفاقت قبول فرمائیے (دونوں ہاتھ آگے بڑھا دیتے ہیں) آپ کے دونوں ننھے ننھے یتیم بچوں کو ایک شریف باپ اور اتنے سارے شہکار بھائی بہن مل جائیں گے...... کیوں بچو!!......

تمام بچے : شکریہ ڈاکٹر انکل......

ہشتم بے : ویلکم ڈاکٹر انکل...... ویلکم پولیس انکل۔

انسپکٹر : (اپنے زانو پر ہاتھ مار کر) پٹا رہا ہے۔ مسکہ لگا کر پٹا رہا ہے۔

ڈاکٹر شرما : صوفیہ جی! ادھوری زندگی نہ تو عورت کے لئے صحت مند اور با اعتماد ہوتی ہے اور نہ مرد کے لئے...... اپنی اپنی جگہ ان کی قنوطیت مایوسی اور دلسوزی بچوں کو ابنارمل بنا دیتی ہے۔

کامریڈ مخدوم : ایک عام مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے حالات کا شکار مرد اور عورت میں ذہنی عیاشی اور سماجی تنگ نظری کا میلان غیر معمولی بڑھ جاتا ہے۔ جسکے نتائج ہمیشہ ہی ابنارمل اور نگیٹو ہوتے ہیں۔ صوفیہ بی بی...... ایک سہارا تھام لیجئے اور خود آپ ایک سہارا بن جائیے...... زندگی کے پودے کو صرف اور صرف پیار و محبت کی آبیاری چاہیئے۔ جو خود بچوں کیلئے ٹھنڈی چھاؤں بن جائے۔

کامریڈ شرما : (صوفیہ کے آگے دونوں ہاتھ بڑھا دیتے ہیں)

کامریڈ مخدوم : سہارا تھام لیجئے۔ سہارا بن جائیے۔

کامریڈ شرما : (شفقت آمیز ڈپٹ کے ساتھ) کم آن۔ ٹیک کیس!!

— an instant bold step as in emergency cases!

(سسٹر صوفیہ متوحش آنکھوں کے ساتھ چاروں طرف دیکھتی ہیں۔ اور نظریں جھکا کر اپنی ہتھیلیاں کامریڈ شرما کے ہاتھوں میں رکھ دیتی ہیں) ''بھیا۔ جو حکم'' (مسز شرما آگے بڑھ کر گلے لگاتی ہیں)۔ ''صوفیہ ! آپ کی سعادتمندی پر پورا بھروسہ تھا ہمیں'' اور زرین مہذر اُڑھا دیتی ہیں)

ڈاکٹر شرما : ویل ڈن...... یار کہاں گئے جو رُو کے بھائی...... ساری خدائی پر ٹھوکر لگا کر۔

(بڑی دلہن ارشاد علی سے ''مٹی پڑو کھڑے کھڑے تماشا دیکھ رئیں ؟ یاں تو چوراں چوراں مل کو جنگل بانٹ لے رئیں۔'' سید احمد لرز کر ''اب موہنہ میں گھنگھیاں گھولتے چُپ اِچ بیٹھو۔ نئی تو یہ لوگاں ہمارے قبراں یاں اِچ پاٹ دینگے'' دھیرے سے ''اللہ ھو اکبر'')۔

سکندر صاحب : (آنسوئوں کے ریلوں کو روکتے اور پونچھتے ہوئے) فرمایئے ! اب یہ رشتہ، جو رُو کے بھائی والا زیادہ بلکہ دوگنا مضبوط و مستحکم ہو گیا ہے۔ (آگے آکر سسٹر صوفیہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر) آج سے تم میری حسن بانو بیگم یعنی بی جان ہی ہو...... چھوٹی بہن ہو...... (خود اعتمادی کے ساتھ ڈاکٹر صاحب سے) تم قاتل ہو قاتل...... اچھے بھلے آدمیوں کو اپنی محبت کی تلوار سے کاٹ دیتے ہو...... حسن بانو کی روح اپنے بچوں کے لئے ایک قابل تعلیم یافتہ ہونہار ہمدرد خدمتگذار اور شائستہ نئی ماں قبول کرتے ہوئے تمھیں تلتلا کر دعائیں دے رہی ہوگی۔ شکرانے کے پھول نچھاور کر رہی ہوگی۔ در حقیقت تم نے راکھی کا حق اور فرض ادا کر دیا...... اس کو ہی نہیں اس کے وفا شعار خاوند اور معصوم بچوں کی ''زندگی اور مستقبل کو'' ؟ بھرپور تحفظ اور خود اعتمادی دے کر (نعرہ لگانے والے انداز میں ہاتھ پھیلا کر اونچی آواز میں) کوئی بتایئے...... اپنا کون ثابت ہو رہا ہے۔ اور کون پرایا...... /مسیحا کون...... قاتل کون...... کون بے درد کون ہمدرد۔

کامریڈ شرما : شکریہ ! شکریہ۔ نہ شکوہ ہوں نہ میں کوئی گلا ہوں خود اپنے حق میں اپنا فیصلہ ہوں

(بڑی دلہن ارشاد علی وغیرہ کے چہرے سیاہ اور سر جُھک جاتے ہیں)۔

سکندر صاحب : (کامریڈ شرما کے ہاتھ چوم کر فیضو نواب کو لئے بڑھتے ہیں جو بازو تھامتے ہی ایسے چونک پڑتے ہیں جیسے گہری نیند سے جاگے ہوں) بھائی جان ! چلیئے بسم اللہ !! ترکِ دنیا...... اور خود مظلومی مسلمان کا شیوہ نہیں ہوتا۔ مسلمان تو تارک رہبانیت بن جاتا ہے۔ آیئے

فیضو نواب : (سکتہ نما سنجیدگی کے ساتھ)

جلا ہے جسم جہاں دل بھی جل گیا ہوگا کریدتے ہو جو اب راکھ، جستجو کیا ہے

میرے بھائی...... (جھنجلا کر روہانسی آواز میں) غالبِ خستہ کے بغیر کون سے کام بند ہیں !

سکندر صاحب : (ہاتھ پکڑ کر کھینچ لاتے ہوئے) پیارے ...... بھائی !اب تو نہ زار زار ہو اب تو نہ بائے بائے کر۔

کامریڈ مخدوم (ڈاکٹر شرما کی جانب اشارہ کرتے ہوئے)

"تمھارا ساتھ جب تک ہے یہ تنہا ہو نہیں سکتا۔تمھارے بن کبھی اس کا گزارا ہو نہیں سکتا"

(مسزو مسٹر شرما بیک وقت انگلی اٹھا کر آسمان کی جانب اشارہ کرتے ہیں ۔سب گھسیٹ گھسیٹا کرسید صاحب کو مسند عقد تک لا لیتے ہیں ۔ پنڈت جی تھیلے میں سے پرساد نکال کر سید صاحب کے مونہہ میں ڈال کر آشیرواد دیتے ہیں ۔ مجمع کے اندر سے روشن علی سر پر خوان لئے نمودار ہوتا ہے !!

روشن علی : سرکار! میں خادم روشن علی!! دلہنوں کے توشے کے لوازمات لیکر حاضر ہوا ہوں۔ شگن کا کھانا۔(سید صاحب کے گلے میں پھولوں کے ہاراور مسند عقد پر دیکھ کر) ہئیں !! آج کچھ اور اچ ...... میک اپ دستائے ...... کان گئی وہ شیروانی ڈپاّ ...... چھڑی ...... توشہ طبلق ...... کاں ہے وہ لنگی شلوکا ٹائر چپل لگن دیگچے ...... اور اب ...... یہ نیچا پچامہ ...... نچیؔ شروانی بٹناں والی۔ سر پو ٹوپی لال گلے میں پھولاں کے ہار ...... (زبردست سیٹی کے ساتھ) سمجھ گیا !! زبردست دِلداریوں کے باتاں تھا۔(سر سے پائو تک بھرپور جائزہ لیتا ہے) دولناں کے باواں کا یہ حال ہوتا تو دولاں کا رنگ کیا ہونگا؟

سکندر صاحب : (فریدہ بیگم خوان اُتروالیتے ہیں - اور چپت لگا کر) "جا۔ جا کے آپا کو جلد جلد آ ؤ بول۔ اے دیکھ وہ بڈھے اور بڈھوں کی بارات والے بھی لائن لگا کے کھڑے ہو گئے (سہرہ ہٹا کر دونوں نوجوانوں کو دکھلاتے ہوئے) دیکھ ...... یہ چار نوجوانوں کو یہ نوجوانوں نے اپنے اپنے جھنڈے گاڑ لئے ......

روشن علی : یہ ہوئی نا بات تھا ...... ابھی جاتوں ابھی لاتوں۔ یوں گیا یوں آیا۔(بھاگ جاتا ہے دیوار کے پیچھے سے ریکارڈ جاری ہوتا ہے "ہم متوالے نوجواں منزلون کے اجالے" ادِھر عقد پڑھایا جارہا ہے ۔)

ڈاکٹر شرما : (فلسفیانہ انداز میں) انسان مرجاتا ہے مخدوم ۔ دل نہیں مرتا ۔ بے حس و بے ہوش ہو جاتا ہے۔جب بھی جگایا جاتا ہے یہی کہتا ہے "بہت نکلے میرے ارمان لیکن پھر بھی

کم نکلے" دنیا چاہے حرص و ہوس کہے۔ میں زندگی کی علامت کہوں گا۔"

مخدوم صاحب : زندگی کو جینے اور دوسروں کو زندگی دینے کیلئے خود اعتمادی۔ خوشی کے لئے عورت و مرد کا اشتراک لازم ہے۔ ڈاکٹر تم نے زبردست نسخہ تجویز کر دیا۔ اب یہ کبھی نفسیاتی مریض نہیں بنیں گے ...... صوفیہ ! ان شاہکاروں کو "نادر و نایاب بنالے گی۔" اور اُس کے اپنے بچے بھی پنپ جائیں گے۔

ممانی جان : میں بی تو یہی اچ بول رہی تھی رے۔ کب سے گھر بسالے۔ گھر بسالے...... پوتا ٹیں کو پورا نہ سہی تھوڑا سہی سہارا مل جائیگا۔ خود جی اور جینے دے رے !!

سکندر صاحب : (آہ کے ساتھ) شمع پہ مرنے والے سن کوئی مرتا نہیں کسی کے لئے۔

انسپکٹر صاحب : یہی قانونِ قدرت ہے۔ (سکندر صاحب کلیم میاں بابو وغیرہ مل کر دونوں جانب مسندوں پر خرما مصری بادام لنڈھاتے ہیں۔ باہر سے دیگچوں کی دُھن کھنکھناہٹ کے ساتھ)

باورچی : ڈاکٹر صاحب ! شامیانے میں سارے ٹیبل تیار ہیں۔...... (کھانے کا گانگ بجتا ہے)

غازی : (بے صبری سے آگے بڑھ کر سوگوشی کے انداز میں) وہ میری گاڑی !

ڈاکٹر شرما : ٹھیک ہے ! گاڑی لاکر ثانیہ اور حِنا کے گھر پر روک لیا کرنا لیکن پانی اندر آکر صوفیہ آنٹی سے مانگ کر پینا ہاں۔

ہشتم بے : (جلدی سے آگے آکر نیند کی ماتی آنکھوں کے ساتھ) میں ہوں نا۔ غازی بھائی میں ہوں نا۔ (چٹکی بجا کر) "آل (O.K.) ہاں۔"

ڈاکٹر اور مسز شرما : آیئے !! سب کے سب آجایئے ڈنر کے لئے۔ یہ ڈنر ڈاکٹر صاحب کی اور ہماری جانب سے ہے (ملزمین سے مخاطب ہوکر) چلیئے ! آپ سب بھی ایک بہترین ڈنر کر لیجئے۔ صبح سسرال کی روٹیاں توڑنے سے پہلے۔

انسپکٹر : (کانسٹبلز سے مخاطب ہوکر) "ان خبیث ظالموں کو پولیس کی نگرانی میں ڈنر کھلوا دو صبح ہوگی تو جواری کی روٹیاں توڑنی پڑیگی۔

(باہر نکلتے ہی مسز مسٹر شرما اور کامریڈ مخدوم خلاء میں ہاتھ بلند کرتے ہیں اور تینوں ہاتھ جڑکر ایک مظبوط مکا بناتے ہیں جو بالاتفاق دروازے کے اوپر لہراتے ہوئے ترنگے کے سامنے اسطرح آجاتا ہے کہ ترنگے

کا حصہ دکھائی دے۔)

اس کاخ کہن کے درودیوار ہلادو

اٹھو! میری دُنیا کے غریبوں کو جگادو

پس منظر میں آرکسٹرا پر شادی کے گیتوں کی سہانی دھن بج رہی ہے !!

"انسان ہونا ہی نہیں، بلکہ انسانوں کی مانند جینا ہی انسانوں کے لئے عزت والی بات ہے۔"

.... جاگو بچو!! کل کے ہندوستان کو یہ پیغام سنادو......!!"

(ترنگا اٹھائے اسکول یونیفارم پہنے، ننھے منے بچے مارچ پاسٹ کرتے ہوئے) جیو اور جینے دو...... جیو اور جینے دو........... جیو اور جینے دو......"

غازی اور اعجاز سید احمد اسٹائیل میں جس سے خود سید احمد پچھاڑی کھاکر الٹ جاتے ہیں) "اللہ ھو اکبر".........

ساتھ ہی ..... پرکشش اذان ..... مرغ کی بانگیں، چڑیوں کے چہچہے ..... مندر کے گھنٹے ..... اور بھجن کتھا منڈلی!! کوؤں کی کائیں کائیں۔ کوئل کی کوک ! گرجا کے گھنٹے ..... بھجن منڈلی کا "رگھوپتی راگھواء راجا رام" جو تیز ہوتی ہوئی بارش کے ساتھ ساتھ

جنا گنا منا ادھی نائیکا جئے ہے۔ بھارت بھاگیہ ودھاتا۔ سین تبدیل ہوجاتا ہے۔ جسکے پس منظر میں ہزارہا بچوں کا مارچ پاسٹ جاری رہتا ہے۔

.... (اختتام) ....

CAUTION

"تصنیف ہذا" مکمل ایک رُخی فیملی ڈرامہ "جیو اور جینے دو" لفظ بہ لفظ۔ تھیم۔
کہانی۔ واقعات انداز' طرز نگارش بندش اور بیاں کے ساتھ مسلّمہ طبع زاد (خاندانی) ڈرامہ ہے۔
تصنیف ہذا کے کسی بھی ملک مقام پر کسی بھی زبان میں کسی بھی ذریعے یا ٹیکنک سے جزوی یا مکمل
نقل ترجمے۔ استفادے۔ اشارے۔ استعارے سر ورق بہ معہ آرٹ و اسٹائیل ("توارد")
وغیرہ وغیرہ کو ادبی سرقہ گردانتے ہوئے صرف اور صرف (ہندوستان) حیدر آباد کی عدالتوں
میں سخت قانونی چارہ جوئی کی جائیگی جس کی پیروی خاطی پر لازم ہوگی بصورت دیگر خاطی کو
مونہہ مانگا ہرجانہ ادا کرنا ہوگا۔

(ہندوستان میں) جملہ حقوق بہ حق مصنفہ و محمد ایم کمال "کلاوایما" محفوظ!

(پاکستان میں) پروفیسر محمود خاور صاحب کراچی۔

[امریکہ / کینڈا میں] جناب بدر رحمانی اینڈ برادرس ۔ ہالی ووڈ۔ U.S.A.

6570, Garfield, Hollywood, Fl. 33024. U.S.A

This drama by way of theme, events occurings, word to word and diologue to diologue unique touches and the way of expression has been based on a perticular family matter specifically covering the portariat on the tittle page etc, hence caution against recording in any manner, translation in any language, in part or full (without information and permition of the copy right holders) photo copying in electronic or mechanical way, use on stage or sreen in any manner, in any language by any Person / Persons / Institution. Hence this caution to procecute the defaulters on their own cost and risk subject to cost and compensation as demanded in the courts of HYDERABAD A.P. only.

A Common Wealth Publication published in 2001 A.D.
EeeMAN-E-BARKAT VILLA
16-9-32/A/3 RANI BAGH,
HYDERABAD-36.
SITARA-E-SAHAR's
"JEO AUR JEENEDO" *(Totally one act Stage Show)*

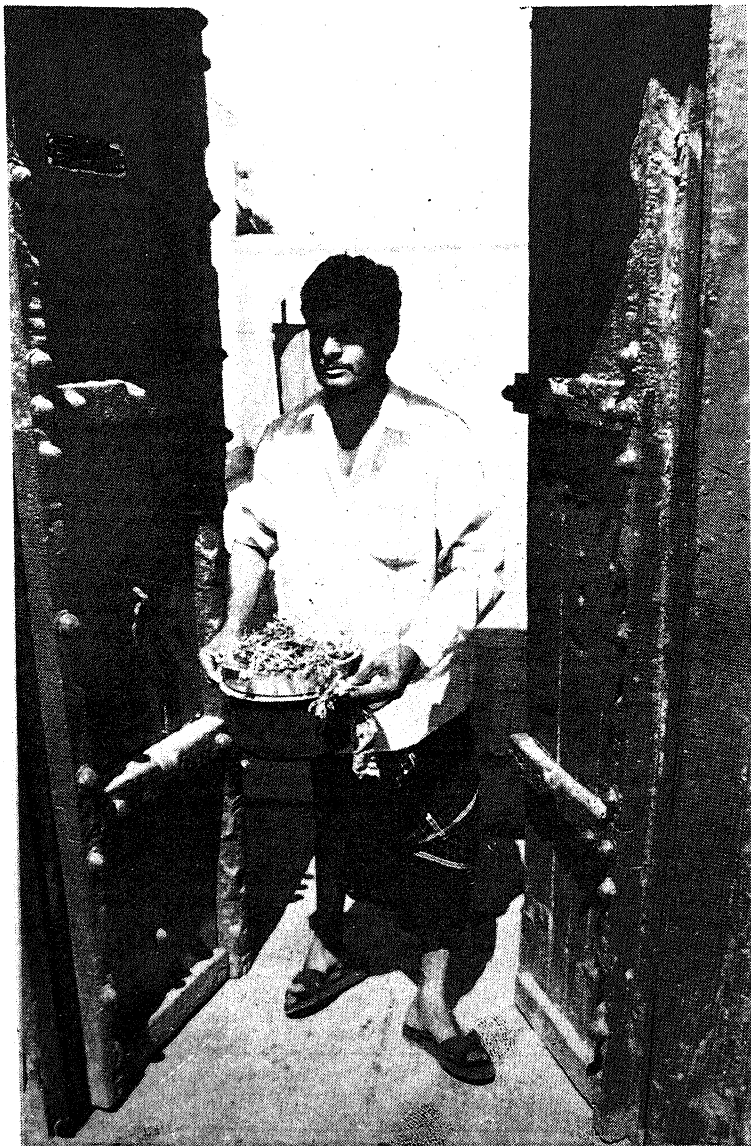
Particulars:

1. JEO AUR JEENEDO
2. A complete one act stage show script.
3. Composed for the first time in 1957.
4. Forwarded to AIR for favour of broadcasting in 1958-59.
5. Bradcasted in (1960-62).
6. Composers "Sitara-e-Saher group inculding Anjuman Ara Begum.
7. Got revised and redeveloped in 2000 AD. July to Nov.
8. Revised & developed by Bano Anjuman Ara.
9. Title page Bano Anjuman Ara. for Mr. Quameruzzaman Kamal.
   Portrait Omer Shareef Arya (MKR).
10. Year of Publication : 2001., Pages :
   Price : Rs 150.00 Indian Currency.
   Published at Hyderabad.



فیضؔ نواب بہن کی وداعی کے موقع پر بھری برسات میں۔

اب کے بچھڑیں تو شاید کہ پھر خوابوں میں ملیں
جیسے سوکھے ہوئے پھول کتابوں میں ملیں



زندگی سے سمجھوتہ کیے ہوئے فیضو نواب۔

غالب! وظیفہ خوار ہو دو شاہ کو دعا
وہ دن گئے کہ کہتے تھے نوکر نہیں ہوں میں

ایک لاکھ پچیس ہزار روپیے کے نقد انعامات

کتاب ہذا کے تفصیلی مقدمے پر " سماجی عدالت " سے سینئر صحافی - وکلاء - دانشوروں ، قلمکاروں اور حقائق سے وابستہ افراد کا گرانقدر فیصلہ مطلوب ہے جو کم از کم تین الفاظ اور زیادہ سے زیادہ چوبیس جملوں پر مشتمل ہو - راقم اپنے فیصلے کی تائید میں دو تا چار پیراگرافس میں دلیل و تاویل کا حق محفوظ رکھتے ہیں - علماء و دانشوروں کے جامع دس فیصلوں پر فی فیصلہ مبلغ دس ہزار روپیے اور وابستہ شخصیات کے جامع ، مدلل و مکمل پانچ فیصلوں پر فی کس پانچ ہزار روپیے نقد انعامات پیش کیے جائیں گے - جامع فیصلوں کا انتخاب " نامور دانشوروں کی مجلس مشاورت کرے گی -

نوٹ = ایک ٹوکن کے ساتھ ایک ہی فیصلہ قابل قبول ہوگا جو کتاب ہذا میں منسلک ہے - مجلس مشاورت کا فیصلہ حتمی ہوگا - آپ کا فیصلہ مقابلہ حسب ذیل پتہ پر روانہ فرمائیں -

صدر نشین مجلس مشاورت -

P.N.B No 001 معرفت "اردو کمپیوٹر سنٹر" 17-1-181/M/35

داراب جنگ کالونی مادنا پیٹ - حیدر آباد ۵۹ (اے - پی)

خدا گواہ

"جو کچھ کہوں گا سچ کہوں گا"

COMPLIMENTRY

نام ______________

قابلیت / پیشہ ______________

اضافی تفصیلات ______________

دستخط ______________

مقام و تاریخ ______________

دستخط مصنف مع ابہام

17 AUG 2001


جیو اور جینے دو!!!
THE END